گِریہ

مجموعہ مجالس ۱۴ جید مقتدر علماء پاک و ہند

مرتّبہ

سیّد ذوالفقار حیدر (آئی ٹی پی)

مشیر ٹیکس

The Law Associates

A-109 فرحان ہیون پہلی منزل، بلاک-17 گلستان جوہر، کراچی۔

فون: 021-34613126, 34012303

ای میل: sazh7000@hotmail.com



سید ذوالفقار حیدر

مشیرٹیکس

پیشکش



بریگیڈیئر خوشنود حسین



بینکار طیب حیدر



سید ذوالفقار حیدر
مشیر ٹیکس



انجینئر عمران حیدر



انجینئر ذیشان حیدر

خانوادہ سید ذوالفقار حیدر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

☆ پاک و ہند کے مروجہ طرزِ خطابت کے بانی
مولانا سید سبط حسن صاحب اعلی اللہ مقامہ کے نام

☆ حجۃ الاسلام سید ذیشان ہدایتی مرحوم کے نام

☆ حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید عقیل الغروی کے نام

دستۂ دعائے ندبہ کے

☆ مرحومین کے نام

☆ حاضرین کے نام

☆ قارئین کے نام

☆ ذاکرین کے نام

جو 16 سال سے ہر اتوار کو آٹھ بجے صبح قربۃ الی اللہ خلوص دل سے محفل دعائے ندبہ میں شریک ثواب ہو رہے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

طالب دعا

سیّد ذوالفقار حیدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

خاکسار عمر 72 سال قصبہ بڑا گاؤں تحصیل شاہ گنج ضلع جون پور یو پی بھارت کا رہنے والا ہے۔ میری والدہ مرحومہ سیدہ شہر بانو کا بھی قصبہ بڑا گاؤں کے متمول زمیندار گھرانے سے تعلق تھا۔ مرحومہ ایک معروف سوز خوان اور گریہ کناں عزادار تھیں۔ بچپن ہی سے قصبے کی ماہ محرم کے دورہ کی مجالس میں اپنے دادا سید التفات حسین مرحوم ومغفور کی انگلی تھام کر پابندی سے شرکت کیا کرتا تھا۔ چونکہ میرے والد مرحوم سید علی ظفر ایم ای ایس میں ملازم تھے اور متعدد شہروں میں تعینات رہتے تھے۔ ہم لوگ بھی والد کے ساتھ رہا کرتے تھے لیکن محرم کی چاندرات کو ہم سب اپنے قصبے پہنچ جاتے تھے اور دورہ کی پہلی مجلس ہمارے مکان میں منعقد ہوتی تھی جس سے میرے والد یا میرے بڑے دادا مرحوم مولانا مرتضیٰ حسین صاحب خطاب فرماتے تھے۔ اس کے بعد چائے اور پاپے سے مومنین کی تواضع کی جاتی تھی۔ والدین، تین ہمشیرہ اور ایک بھائی کے ہمراہ ہندوستان سے 1950ء میں ڈھاکہ سابقہ مشرقی پاکستان ہجرت کی۔ بعد سقوط ڈھاکہ 1971ء میں اپنے والدین کے قتل کے بعد اسمگل ہو کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ براستہ ہندوستان، نیپال، برما وارد کراچی ہوا۔ ناگفتہ بہ حالات اور سفری مشکلات کو اپنی کتاب "کل نفس ذائقۃ الموت اور ارکان بعد از موت" میں رقم کر چکا ہوں۔

میں اپنے پروردگار کی اس عطا کردہ زندگی میں پاک وہند کے تقریباً تمام علماء و ذاکرین کو سن چکا ہوں اور اس پیرانہ سالی میں اپنی عاقبت کے حوالے سے جید علما کرام وذاکرین عظام کی ۱۴ مجالس طبع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ جن کو میں نے بنفس نفیس سنا ہے۔ حتیٰ کہ قبلہ سید محمد صاحب دہلوی 1968 کی مجلس بعنوان حج حسینی دالان ڈھاکہ سابقہ مشرقی

پاکستان کو بھی شامل کر رہا ہوں اور بعنوان "گریہ" طبع کروا دیا جو پیش خدمت ہے۔

میں اپنے خانوادے بریگیڈیئر خوشنود، بینکر طیب، انجینئر ذیشان، انجینئر عمران کی بھرپور تائید اور تعاون کے لئے دعا گو ہوں نیز دستہ دعائے ندبہ کے ساتھی جناب مولانا ظفر حسین ظفر صاحب، سجاد حیدر صاحب اور ان کے فرزند جوان سال خطیب علی سجاد حیدر صاحب، غالب حسین کاظمی صاحب، ظہور مہدی صاحب، مظفر علی قریشی صاحب، سید غضنفر علی زیدی صاحب، جمال زیدی صاحب، اصغر صاحب اور کلب رضا صاحب، برادرم وقار اعزاز صاحب برادرم انجینئر خطیب اہل بیت سید منور مہدی صاحب اسلام آباد، ممبران پاک محرم ایسوسی ایشن کراچی پاکستان اور سید اقبال مہدی صاحب کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ میری اس ادنیٰ کوشش کی تکمیل میں بھرپور مدد فرمائی اور یہ کتاب بعنوان "گریہ" مجموعہ مجالس ۱۴ جید مقتدر علماء معرض وجود میں آسکی تا کہ دور حاضر کے قحط الرجال میں ذاکرین اہل بیت کی کچھ خدمت ہو سکے اور شاید آج کی جواں نسل خصوصاً خطیب حضرات استفادہ کر سکیں۔ میرے والدین اور جملہ مرحومین کی بخشش کے لئے اور میری عاقبت کی درستگی کے لئے قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ یا رب میری اس کاوش کو پنجتن پاک کے صدقے قبول فرما۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

احقر

سید ذوالفقار حیدر

بانی و خادم دستہ دعائے ندبہ

ED.5۔ روفی ہائٹس۔ فیز 1۔ ندبہ روڈ بلاک 17۔ گلستان جوہر کراچی

(۱) نام کتاب: **گریہ**

(مجموعہ مجالس ۱۴ جید مقتدر علماء پاک وہند)

(۲) تحریر وترتیب: سید ذوالفقار حیدر (آئی ٹی پی)

بانی وخادم دستہ دعائے ندبہ کراچی

(۳) تزئین: مولانا ظفر حسین ظفر۔ نگران اعلیٰ دستہ دعائے ندبہ کراچی

(۴) کمپوز کمپوزنگ: قائم گرافکس۔ جامعہ علیہ۔ ڈیفنس فیز ۴۔ کراچی

(۵) سرورق: جواں سال خطیب آل عبا سید علی سجاد بی اے (آئی بی اے)

(۶) تصحیح: خطیب اہل بیت سید انیس عباس رضوی

(۷) تعداد: 1000

(۸) ناشر: سید اظہر عباس۔ عدیل پرنٹر

44 سلمان بلڈنگ ڈاکٹر داؤد پوتہ روڈ صدر کراچی

(۹) پیشکش خانوادۂ سیّد ذوالفقار حیدر

(۹) ہدیہ: 200/=

(۱۰) علماء وخطباء بلا ہدیہ طلب فرمائیں۔

فہرست مجالس بہ ترتیب حروف تہجّی

①

مجلس: صراط مستقیم

علامہ سید ابن حسن قبلہ رضوی جارچوی ایم اے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین. اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ المجید وفرقان الحمید.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝.

اللہ تعالیٰ نے جو دعا ہم کو تعلیم کی ہے اور جس کو ہم شب و روز نمازوں میں دہراتے ہیں وہ یہ ہے:۔

(اے خدا ہم کو سیدھے راستے پر قائم رہنے کی توفیق دے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔ نہ (ان لوگوں کا راستہ) جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ گمراہ لوگوں کا راستہ۔

ہدایت کے دو معنی ہیں "اھداء الطریق" (راستہ دکھا دینا) اور ایصال الی المطلوب (مطلوب و مراد تک پہنچا دینا) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ احسان ہے کہ ہم راہ راست پر لگ چکے ہیں۔ اور ہماری یہ مراد بر آ چکی ہے تو اب ہمارے لئے ہدایت کے

تیسرے معنی ہیں اور وہ یہ کہ ''ہم کو سیدھے راستے پر قائم رکھ'' اے اللہ ہم کو ان لوگوں کی راہ پر لے چل جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں، جن کو تو نے انعامات سے مالا مال کیا ہے۔ نعمت سے یہاں کیا مراد ہے؟ رنگ برنگ کے پھل، مزے دار میوے؟ کام و دہن کی تواضع کرنے والے کھانے؟؟۔۔

تو گویا ہم نمازوں میں یہ دعا مانگتے ہیں کہ خدایا ہم کو عبداللہ کنجڑے اور لال خاں میوہ فروش کی راہ پر چلا۔

اگر نعمت سے مراد لذیذ کھانے ہیں تو پھر ہماری دعا کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے اللہ! ہم کو ہوٹل والے کی راہ دکھا جو شامی کباب، سموسے اور شیر مال بیچتا ہے۔

یہ نہ سہی تو نعمت سے مراد عمدہ عمدہ لباس اور نفیس پوشاک ہوگی۔ اس صورت میں آپ کسی بزاز یا تیار شدہ پوشاک بیچنے والے کی راہ پر چلنے کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اور اگر نعمت سے مراد روپیہ پیسہ اور سونا چاندی ہے تو پھر آپ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ خدایا ہم کو برلا کے راستے پر چلا، ڈالمیا کی راہ دکھا۔ یا ہنری فورڈ اور راک فیلر کے نقش قدم پر چلا۔

آپ کہیں گے نعمت ان گھٹیا چیزوں کا نام نہیں۔ نعمت اس سامراجی قوت اور شہنشاہ جاہ و جلال کا نام ہے جو ایک دفعہ ہاتھ آجائے تو ستر پشتوں تک اجالا کردے۔ اس صورت میں آپ کی دعاؤں کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ ہم کو قیصر جرمنی، زار روس اور کسرائے ایران کی راہ پر چلا۔ منقول ہے۔ کہ کسی نے معصوم سے دریافت کیا۔ کہ **ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم**۔ (پھر اس دن تم سے نعمتوں کی بابت ضرور سوال کیا جائے گا تو وہ کونسی نعمتیں ہیں جن کی باز پرس قیامت کے دن ہوگی۔ معصوم نے فرمایا تمام مسلمان اس آیت کی کیا تفسیر کرتے ہیں۔ جواب دیا گیا۔ وہ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ روز قیامت جب تخت

عدالت بچھے گا اور مخلوق کو اللہ کے دربار میں پیش کیا جائیگا۔ تو وہ ہر ایک سے یہ سوال کرے گا۔ کہ تم نے عمر بھر کیا کھایا؟ کیا پیا؟ کیا پہنا اور کیا اوراوڑھا؟ قیامت کے دن کا آفتاب پوری حدت اور تپش کے ساتھ چمک رہا ہوگا۔ اور مخلوق کھانے پینے کے حساب میں مصروف ہوگی۔

معصومؑ نے ارشاد فرمایا۔ ''منعم کی یہ شان نہیں ہے کہ دے پھر اس کا حساب لیتا پھرے۔'' پوچھا گیا، پھر یہ نعمتوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا۔ وہ نعمتیں ہم ہیں جن کی بابت روز قیامت سوال کیا جائے گا۔

واسبغ علیھم نعمہ ظاھرۃ وباطنہ

اور اس نے ان پر اپنی نعمتیں پھیلادی ہیں۔ جو ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی، کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے کی چیزیں بھی نعمت ہیں۔ لیکن ان سے بڑی نعمت سلسلۂ ہدایت ہے جس کی بدولت انسان حیوان سے ممتاز بن گیا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو ایسے لوگ ان (مقبول) لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین شہداء اور صالحین۔

تو اب واضح ہو گیا کہ جس راہ پر چلنے کی دعائیں مانگی جاتی ہیں، وہ نبیوں کی راہ ہے۔ صدیقوں کی راہ ہے شہیدوں کی اور صالحین کی راہ ہے۔ اللہ ہم سب کو ان کی راہ پر چلنے اور قائم رہنے کی توفیق عطا فرماء۔

ان آیتوں کو غور سے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انسان کیلئے دو راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ایک سیدھی راہ ہے جس پر اللہ کے مخلص بندے چلتے رہے ہیں۔یہ راہ آزمائشوں، مصائب و آلام، ضبط و نظم کی وادی سے ہو کر گزرتی ہے مگر یہی وہ چیزیں ہیں جو آدمی کو انسان بناتی ہیں۔اور بالآخر نجات سے ہمکنار کر دیتی ہیں۔انسانی فطرت کچھ کھو کر جو چیز حاصل کرتی ہے۔اس سے اس کو قلبی اطمینان اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے اس کی شخصیت تکمیل حاصل کرتی ہے اور اس کو پائیدار سرور حاصل ہوتا ہے صراط مستقیم اس سیدھے راستے کا نام ہے جو ہے تو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز منزل مقصود پر پہنچنے کی سب سے نزدیک راہ یہی ہے۔دنیا کے سارے کامیاب انسان اسی راہ سے گزرے ہیں۔کامیاب انسانوں سے ہماری مراد بادشاہ، جرنیل، سرمایہ دار اور شاعر نہیں بلکہ انبیاء و شہداء اور صالحین ہیں۔جن کی ہدایت، شہادت اور نیک کرداری نے انسانی قافلے کو ترقی کے سفر میں آگے بڑھنے میں مدد دی ہے۔اور جن کی انتھک کوششوں کی وجہ سے انسان حیوانی خصائل کا تصفیہ اور تزکیہ کر کے معراج انسان پر فائز ہوا ہے۔

دوسرا راستہ بظاہر عیش و عشرت سے بھرپور نظر آتا ہے۔مگر حیوانی جذبات کو ابھارنے اور انسانیت سوز اخلاق کے پھیلانے میں مدد دیتا ہے۔

دنیا کے سارے نیرو (Nero) ہنی بال (Hani Ball) فرعون، یزید، چنگیز اور ہلاکو اسی راہ پر چلے ہیں، یہ اور بات ہے کہ نام نہاد تاریخ نے انہی گمراہوں کا ذکر دھوم دھام سے کیا ہے۔اور ان کی سیہ کاریوں کو خراج تہنیت ادا کیا ہے۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام اور یزید بن معاویہ کی جنگ دراصل انہی دو مسلکوں کی معرکہ آرائی تھی۔ایک طرف حسینؑ تھے جو دنیا کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دے رہے

تھے۔ وہ صراط مستقیم جس پر اللہ کے سارے مقرب بندے چلتے رہے ہیں اور جس نے کسی رہرو کے ساتھ آج تک دغا نہیں کی دوسری طرف یزید تھا، جو نوع انسانی کو نمرود، فرعون، نیرو اور ہنی بال کے راستے پر چلنے کے لئے آواز دے رہا تھا۔

کربلا کے میدان میں یہ دونوں قوتیں صف آرا ہوئیں:۔

موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوت شبیریؑ است
باطل آخر داغ حسرت میری است

باطل نے سپاہ اور دولت کی کثرت وسائل ورسد کی وسعت کے بل بوتے پر حق کو شکست دینے کا تہیہ کرلیا ہے۔ مگر حق نے استقامت وصبر کا بے مثال مظاہرہ کر کے بتایا کہ فوجوں کی کثرت اور رسد کی فراوانی فتح وکامرانی کی ضامن نہیں ہوا کرتی۔ ہاں جس کے پاس صبر واستقامت کی دولت ہو جو مفید خلائق اور اعلیٰ مقاصد کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے اٹھے۔ کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

فرات کے کنارے حق وباطل، صبر وظلم نے جو یادگار مقابلہ کیا وہ دنیا کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ اکتوبر کا آفتاب پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ زمین انگارے اگل رہی تھی۔ ایک طرف تازہ دم کوفیوں کا ٹڈی دل لشکر تھا۔ جو تیر وتبر، تیغ خنجر، نیزہ وگرز سے غرض ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ لذیذ کھانا اور ٹھنڈا پانی افراط کے ساتھ میسر تھا۔ رسد اور کمک کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ان کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ خاتمہ کے بعد جاگیر، ترقی عہدہ اور ہر طرح کے انعام واکرام کی امید تھی۔ دوسری طرف امام حسین علیہ السلام

تھے جنہوں خود اپنے ساتھیوں کو رخصت ہونے کی اجازت دے دی تھی۔ جو صاف صاف کہہ چکے تھے کہ ہم مرنے کا تہیہ کر چکے ہیں اور جو ہمارے ساتھ رہے وہ یہ سمجھ لے کہ میں حق پر جان دے رہا ہوں۔ جان بوجھ کر موت کو دعوت دے رہا ہوں۔

فوج بہتر مجاہدوں پر مشتمل تھی۔ جس میں حبیب ابن مظاہر جیسے بوڑھے اور علی اصغر جیسے شیر خوار بھی تھے۔ تین روز سے آب ودانہ بند تھا۔ وسائل محدود اور سامانِ حرب مختصر سا تھا۔ مگر صبر واستقامت کی دولت اور ایمان وایقان کا سرمایہ اتنا تھا کہ حسینؑ کو اپنی فتح کا بالکل یقین تھا۔ صبح سے لے کر عصر کے وقت تک امامؑ عالی مقام تاریخ کا بے نظیر مظاہرہ دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔

کہتے ہیں کہ عورتیں جذبات سے مغلوب ہوجایا کرتی ہیں ممتا کی ماری مائیں اولاد کی جان بچانے کے لئے ہر جتن کر ڈالتی ہیں صبر وتحمل کی دولت ان کے پاس زیادہ نہیں ہوتی۔ جنگ کے وقت اور مصیبت کی گھڑی میں ان کا ساتھ ہونا۔ بڑا ہمت شکن ہوتا ہے لیکن آیئے کربلا کے میدان میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے اور علیؑ وفاطمہؑ کے خاندان کی عورتوں کے محیر العقول کردار کا معائنہ کیجئے۔ اس فاطمی البم میں ایک دو نہیں بیسیوں مخدرات عصمت وطہارت کی تصویریں ہیں۔ اس مرقع میں کمسن لڑکیاں بھی ہیں۔ وہ خواتین بھی ہیں جو شباب کی منزل میں داخل ہو چکی ہیں۔ وہ مخدرات بھی ہیں جن کی عمر زندگی کی بہت سی بہاریں دیکھ کر خزاں میں داخل ہو چکی ہے کچھ ہاشمی نسل سے ہیں، کچھ اس گھرانے میں بہو بن کر آئی ہیں، کچھ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے سلسلے میں ساتھ ہیں۔

اللہ اللہ اس مقدس گھرانے کی تعلیم وتربیت نے سب کو ایک سانچہ میں ڈھال دیا تھا۔ ہر خاتون ضبط ونظم کا مجسمہ اور صبر وتحمل کا مرقع بن کر رہ گئی تھی۔ نہ گھبراہٹ تھی نہ

سراسیمگی، نہ پریشانی تھی نہ بدحواسی۔ سارے اہل حرم مشین کے کل پرزوں کی طرح ہم آہنگی کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ اولاد کی جان بچانے کا خیال نہ تھا۔ مصیبت سے گھبرا کر کسی طرف نکل جانے کی فکر نہ تھی ہر عورت اس خیال میں تھی کہ اپنی اولاد کو اس مقصد عظیم کی راہ میں جلد سے جلد قربان کرنے کی سعادت حاصل کرے۔

حضرت زینبؑ رات بھر عونؑ و محمدؑ کو آمادۂ جہاد کرتی رہیں۔ مادر علی اکبرؑ ہم شبیہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرنے کے لئے تیار کرنے میں مصروف رہیں۔ ام کلثومؑ جو اولاد کی نعمت سے محروم تھیں اپنی طرف سے حضرت عباسؑ کو پیش کر رہی تھیں کہ بہادر عباسؑ کی قربانی امام حسین علیہ السلام کے بلند و بالا مقصد کے حصول میں ممد و معاون ہو سکے۔

اس نیلگوں آسمان کے نیچے ایسی صابر، ضابط اور عاقبت اندیش خواتین شاید ہی کبھی ایک جگہ جمع ہوئی ہوں۔

ایک طرف حضرت سکینہ تھیں جو اپنی کم سنی کے باوجود بچوں کے اس گروہ کی قیادت فرما رہی ہیں جن کے ہاتھ میں کوزے تھے۔ لبوں پر خشکی تھی جو زبانِ حال سے لشکر کے بہادروں کو دعوت دے رہا تھا کہ آگے بڑھو اور خیام اہلبیتؑ میں پانی کا بندوبست کرو۔ مگر بچوں کے اس گروہ میں بھی یہ تنظیم تھی اور امام عالیمقام کے اعلیٰ مقاصد سے اس قدر ہم آہنگی کہ ان میں سے کسی نے بڑھ کر فوج مخالف کے کسی آدمی کے سامنے اپنے حال زار کا اظہار نہیں کیا۔ ورنہ کیا ممکن تھا کہ وہ پیاس سے عاجز آ کر عمر سعد تک پہنچ جاتے۔ اور کہتے کہ "ہم بیعت کرنے کیلئے آمادہ ہیں لاؤ ہم کو پانی کا ایک جام دے دو۔ کہ کام و دہن کو تر کر سکیں اور قلب و جگر کی آگ بجھا سکیں۔

حضرت زینبؑ و حضرت ام کلثومؑ تو خاندان رسالت کی فرد تھیں ان سے آپ کو

بلند سے بلند اخلاق کی امید ہو سکتی ہے۔ مگر ام لیلیٰ کی تعلیم و تربیت تو دوسرے گھرانوں میں ہوئی تھی۔ مگر امام حسینؑ کے گھر کے ماحول نے سب کو ایک سانچے میں ڈھال دیا تھا۔

مادرِ علی اکبرؑ کے کردار پر غور کیجئے۔ سکینہؑ اور علی اصغرؑ کی ماں کے حالات پر نظر ڈالیے اور سوچئے کہ ایک مصلحِ اخلاق اور کردار ساز کا قرب انسانوں کے قلوب و اذہان میں کیا انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔

کربلا کے میدان میں خاندان رسالت کے آئینہ میں ہم کو انسانی سیرت کے ایسے نمونے نظر آتے ہیں جس سے دنیا بہت کچھ حاصل کر سکتی ہے۔ چھ مہینے کی عمر دیکھیے اور علی اصغرؑ کا بہادرانہ رویہ دیکھئے، تیسرا دن ہے کہ حلق سے پانی نہیں اترا، ماں کا دودھ خشک ہو چکا ہے، کام ودہن کو تر کرنے کا اور کوئی ذریعہ بھی میسر نہیں۔

جھولے میں جھول رہے ہیں اور بھوک پیاس کی شدت سے کروٹیں بدل رہے ہیں۔ جب میدان سے باپ کے استغاثہ کی آواز آئی تو اہل حرم نے دیکھا کہ بچے کا اضطراب بڑھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی طاقت ان کو حالات کی نزاکت سے خبردار کر رہی ہے۔ اور وہ اپنے باپ کی مدد کے لئے بے تاب ہیں اتنے میں درِ خیمہ پر حسینؑ کا گھوڑا آ کر رکا۔ اور آپ نے بلند آواز سے کہا:۔

یا زینب وام کلثوم یا سکینۃ و رباب علیکن منی السلام۔

زینب، ام کلثوم، سکینہ اور رباب ہم سلام رخصت کے لئے آئے ہیں"۔

یہ آواز سنتے ہی اہل حرم بے چین ہو کر در خیمہ پر پہنچے اور امام حسینؑ کو ساتھ لے کر اندر داخل ہوئے۔ جھولے کے قریب گزرے تو دیکھا۔ شیر خوار کی حالت خراب ہے۔ پیاس کے ما ... ماں ... ما نکل آئی ... گر کچھ ... نہ ... تو ...

تڑپ کر دم نکل جائے گا۔ امام عالی مقامؑ نے مادر علی اصغرؑ سے کہا۔ "لاؤ اس نونہال کو ہمیں دے دو۔ ہم اس کو میدان میں لے جائیں اور فوج مخالف سے پانی طلب کریں۔ شاید کسی کو رحم آجائے" مادر علی اصغر کو کیا عذر ہوسکتا تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے علی اصغر کو گود میں لیکر عبا کے دامن میں چھپالیا۔ تاکہ سورج کی تمازت اس غنچہ دہن کو کملا نہ دے۔ سامنے نہر فرات موجیں مار رہی ہے۔ کوفی سپاہ اس کے کنارے صف آرا ہے امام عالی مقام بچے کو ہاتھوں پر اٹھاتے ہیں اور صفوں کی طرف رخ کر کے کہتے ہیں۔ "یہ چھوٹا سا بچہ علیؑ ہے۔ چھ مہینے کی جان تین روز سے پیاسی ہے۔ اس مجمع میں کوئی صاحب اولاد ایسا ہے جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کے اس گلِ تازہ پر رحم کھائے اور چند قطرے پانی پلادے"۔

امام حسینؑ کی یہ اپیل کسی دوسرے مجمع میں کی جاتی تو لوگ بے چین ہوجاتے اور مشکیں لے کر دوڑتے مگر یہ انسانوں کی نہیں شقی القلب درندوں کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ پھر بھی صفوں میں برہمی سی پیدا ہوئی۔ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے "حسینؑ خطاوار ہیں۔ انہوں نے بادشاہ وقت پر خروج کیا مگر اس ننھے سے بچے کا کیا قصور ہے۔ ہم میں سے بہت سے آدمی اولاد والے ہیں، اپنے اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر غور کرو کہ اولاد کی محبت کیا ہوتی ہے۔ ہم سے تو نہ ہوسکے گا، کہ ایسے معصوم پر ہاتھ اٹھائیں"۔

شمر نے دیکھا کہ فوج کے تیور بدل رہے ہیں اور امام حسین علیہ السلام کا یہ تیر ترازو ہونے کو ہے۔ تو اس نے جلدی سے حرملہ کو پکارا۔ "تو کہا کرتا تھا کہ میں بلا کا تیر انداز ہوں تیرا کمال کس دن کام آئے گا۔ دیکھتا نہیں ہے، فوج اس چھوٹے بچے کی پیاس سے متاثر ہو چلی ہے۔ ایک تیر کمان پر چڑھا اور اس بچے کو باپ کی آغوش میں موت کی نیند سلادے"۔

ہاں اے عزاداران، حسینؑ حرملہ جیسا کہنہ مشق تیر انداز کمان اٹھا رہا ہے۔ لو وہ

کمان سے ایک تیر چلا۔ اور زن زن کی آواز بتا رہی ہے کہ وہ صفوں کے درمیان کا فاصلہ طے کر کے امام حسینؑ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ غور سے دیکھئے، تیر معصوم بچے کے حلق میں پیوست ہو گیا اور خون کا پرنالہ بہ نکلا۔ اب ننھا سا کرتہ خون سے لال ہے اور معصوم کو حسینؑ نے سینے سے لگا لیا ہے شاید زخمی علی اصغرؑ نے دم توڑ دیا۔ ان کے روح وتن میں جدائی ہو گئی۔ امام حسینؑ کبھی بچے کو دیکھتے ہیں کبھی خیمہ کی جانب نظر ڈالتے ہیں۔ اب آیئے خود امام عالیمقام کی زبان سے ان کی دردناک حالت کا مرثیہ سنیے:۔

شیعتی ما ان شربتم ما عذب فاذکرونی

او سمعتم بغریب او شھید فاندبونی

اے میرے شیعو اور دوستو جب کبھی تم کو سرد وشیریں پانی میسر آجائے۔

تو مجھے اور میری پیاس کو ضرور یاد کر لینا، اور جب سنو کہ کوئی پردیسی مصیبت میں گرفتار ہوا اور بے جرم شہید کیا گیا۔ تو میری غربت اور شہادت پر ضرور دو آنسو بہالینا''

لیتکم فی یوم عاشور جمیعا تنظرونی

کیف استسقی لطفلی فابوان یرحمونی

کاش روز عاشور تم سب موجود ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے اپنے ننھے سے بچے کے لئے کس طرح سوال آب کیا مگر ان ظالموں نے میرے حال پر رحم کرنے سے انکار کر دیا۔

وسقوہ سھم بغی عوض الماءالمعین

یالرزء ومصاب ھد ارکان الحجون

''آہ پانی کے بدلے اس شیر خوار کو تیر کا نشانہ بنایا، پس یہ مصیبت وہ ہے کہ جس کے غم میں پہاڑ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئے''

(۲)

مجلس: رزق طیب

صدرالمتکلمین مولانا سید ابن حسن نونہروی صاحب قبلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے اولاد آدم کو شرافت عطا کی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواریاں مرحمت کیں اور ہم نے اپنے خوان نعمت سے ان کو اچھے رزق عطا کیئے اور بہت سے مخلوقات پر ان کو فضیلت دی پروردگار عالم نے انسان کو مکرم وممتاز بنایا اور ایسے خصوصیات کا حامل قرار دیا جس کی وجہ سے وہ اکثر موجودات سے اشرف ہو گیا لیکن جو کچھ فضیلت دی تھی وہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے انسان وہ منازل ترقی حاصل کرے اور اس محل ارتقاء پر فائز ہو جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ شرافت عطا کی تھی، رہ جانے کے لئے، فضیلت عطا کی تھی دنیا سے آخرت تک باقی رہنے کے لئے، نعمتیں دی تھیں شکر گزار بنانے کے لئے، تاج کرامت عطا کیا تھا ہدایت کے لئے، انسان بھیجا گیا تھا کہ اگر ناقص جائے تو کامل بن کے آئے، اگر جاہل جائے تو عالم بن کے آئے، اگر قطرہ گندیدا ابتداء ہو تو طاہر بن کے آئے لیکن افسوس انسان نے آنے کے بعد جس لئے آیا تھا وہ بھول بیٹھا اور ضلالت کے گہرے پردے اس کی آنکھوں پر پڑ گئے چاہیے تو یہ تھا کہ دنیا کو سرائے سمجھتا۔ آخرت کو قیامگاہ جانتا۔ دنیا کو راستہ آخرت کو منزل دنیا کو بازار آخرت کو

گھر۔ دنیا کو ذریعہ۔ آخرت کو مقصد۔ دنیا و طریق عمل آخرت کو اس کا نتیجہ حاصل ہونے کی جگہ سمجھتا مگر انسان دنیا میں آنے کے بعد سب کچھ بھول گیا۔ جو شرافت لے کے آیا تھا۔ اسے پس پشت ڈال کے ایسا کھویا کہ مقصد فراموش ہو گیا۔ منزل یاد نہ رہی غرض خلقت سے غافل ہو گا۔ شریعت چھوٹنے لگی۔ اعمال سے بے پرواہ ہو گیا۔ واجبات ترک ہونے لگے۔ محرمات کا ارتکاب شروع ہو گیا غفلت کے ایسے پردے پڑے کہ روحانیت رخصت ہونے لگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عادل کا سامنا ہی نہ ہو گا کسی قہار کے سامنے پیش ہی نہ ہوں گے کوئی پرسش کرنے والا اعمال سے سوال ہی نہ کرے گا۔ آئے تھے اس لئے کہ ہدایت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفید ہوتے علیؑ کے مواعظ سے اپنے اعمال درست کرتے خُلق حسنؑ سے اپنے اخلاق کی اصلاح کرتے صبر حسینؑ سے شکر سیکھتے بجائے اس کے جس قدر بن بڑھتا گیا۔ اعمال خراب ہوتے گئے۔ معروف سے دور ہوتے گئے منکر سے قریب ہوتے گئے احکام شریعت چھوٹتے گئے خواہشات کے تابع ہوتے گئے افسوس کوشش کر کے کم سے کم ہم ایسے تو بن جائیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کر سکیں آئمہ نجات دلا سکیں بخشش کو ذریعہ مل جائے۔ مغفرت کو سہارا مل جائے۔ رحمت کو بہانا مل جائے ہمارا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عہد سے غافل نہ تھا۔ یہ پر آشوب زمانہ وہ ہے جس کی خبر ہمارا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے گیا تھا۔ کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جسمیں شریعت محو ہو جائے گی احکام خدا معطل ہو جائیں گے ارکان دین مضمحل ہو جائینگے محرمات کا علی الاعلان ارتکاب ہو گا۔ واجبات سے تنفر ہو گا معروف منکر ہو جائے گا۔ منکر معروف ہو جائے گا۔ اسلام برائے نام رہ جائے گا۔ **دینھم دنانیرھم**۔ ان کا دین دینار بن جائیں گے ایمان دلوں سے یوں اڑ جائے گا۔ جیسے سرمہ کی تحریر آنکھوں سے کس قدر لطیف مثال ہے۔ جس طرح رات کو سرمہ لگاتے وقت معلوم

ہوتا ہے کہ سرمہ لگا مگر صبح کو جب دیکھتے ہیں تو وہ غائب۔ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کس وقت غائب ہوا اسی طرح ایمان لوگوں سے رخصت ہوجائے گا اور معلوم بھی نہ ہوگا۔ کہ کب رخصت ہوا۔ اس لئے کہ معروف جب منکر سمجھ کے ترک ہوجائے گا۔ اور منکر، معروف سمجھ لیا جائے گا۔ تو پھر عمل کرے گا معروف سمجھ کے، فعل ہوگا منکر۔ ایمان رخصت ہوجائے گا۔ میں موعظ نہیں کر رہا ہوں کیونکہ یہ تو علماء کا منصب ہے۔ بلکہ ایک درد دل ہے جس کا اظہار کر رہا ہوں لیکن اس کے ساتھ اہل علم سے درخواست بھی ہے کہ آپ منزجر نہ ہوں اگر لوگ نہیں سنتے اگر دنیا والے احکام شریعت سے نفرت کرتے ہیں۔ تو کرنے دیجئے آپ کا فرض ہے موعظ کرتے جایئے آپ کا منصب ہے ہدایت فرماتے رہیے کوئی سنے یہ نہ سنے تا کہ کل خدا کے سامنے یہ کوئی نہ کہہ سکے ہماری کسی نے ہدایت ہی نہ کی۔ ہم تک تیرے احکام کسی نے پہنچائے نہیں ہم کو حلال و حرام بتانے والا کوئی تھا ہی نہیں آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیے اگر کوئی نہیں سنتا تو تعجب کیا ہے جن کی ڈیوڑھی کے آپ خادم ہیں وہ چاہتے تھے کہ کوئی سننے والا ہوتا تو احکام خدا سناتے کوئی لینے والا ہوتا تو اسے علم دیتے کوئی سمجھنے والا ہوتا تو اسے راہ حق سمجھاتے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام منبر کوفہ پر ارشاد فرماتے تھے کہ کاش لوگ علم لینے والے ہوتے تا کہ میں انہیں علم تقسیم کرتا ائمہ کے دلوں میں تمنائیں تھیں کہ ہم حق کا راستہ دکھائیں ہم وہ علم لوگوں تک پہنچائیں جو ہمارے پاس ہے اور علم لینے والے نہیں ملتے تھے۔ امام جعفر صادق دعا فرماتے تھے لوگوں کو توفیق عطا کر کہ وہ مجھ سے اس علم کو حاصل کریں جو میرے پاس ہے پھر آج اگر علما سے موعظہ سننے والے نہیں تو کوئی تعجب نہیں۔ انسان کو وہ دن نہ بھولنا چاہیے۔ جب عمل کی منزل ختم ہوگئی ہوگی۔ نتیجہ کے دیکھنے کا دن ہوگا۔ موقف حساب ہوگا اولین و آخرین کا مجمع ہوگا اعمال سے سوال ہوگا کوئی مدد کرنے

والا نہ ہوگا نہ کوئی ساتھ دینے والا ہوگا۔ یگانے بیگانے بنے ہوں گے اپنے پرائے ہوں گے اعضاء گواہ ہوں گے۔ خدا کا سامنا ہوگا۔ سوا عمل کے کوئی کام نہ آئے گا۔ پیغمبر فریاد کر رہا ہوگا فاطمہ میدان حشر میں آئیں گی۔ خدا نے کس لئے دنیا میں بھیجا تھا اور کیا کیا؟ آئے تھا کس لئے، اور گئے تو کیا لے کے گئے۔ حلال خدا قیامت تک حلال رہے گا۔ حرام خدا قیامت حرام رہے گا۔ دین اس نے کامل کر کے دیا تھا نعمتیں اس نے تمام کر دی تھیں۔ شریعت میں اس نے کوئی کمی نہیں کی تھی تاکہ آپ کو اضافہ کی ضرورت ہو احکام میں کوئی نقص نہیں تاکہ آپ کو ردوبدل کی ضرورت ہو شریعت میں کوئی فساد نہیں تاکہ اصلاح کی ضرورت ہو۔ پھر عبادت کے معنی تو یہی ہیں کہ جو اس کے احکام ہیں ان کی من وعن تعمیل کی جائے۔ اطاعت اسی کا نام ہے کہ احکام مولیٰ کی پابندی کی جائے۔ نہ اپنی جانب سے ترمیم ہو نہ اپنی طرف سے اصلاح ہو بتانے والے جو بتا گئے ہیں اسی پر عمل ہو جو نشانات مقرر کر گئے ہیں۔ انہیں کی پابندی ہو جو آگے راستہ سمجھا کے گئے ہیں انہیں کے نشان قدم پر قدم ہو تاکہ جہاں آگے جانے والے پہنچیں گے وہی ہماری بھی منزل ہو اور خواہشات جو قوت غضبانی کا نتیجہ ہیں اس میں نہ پھنس کے رہ جائے مادیت اپنی طرف نہ کھینچے بلکہ روحانیت اپنی طرف کھینچ لیجائے۔

بہر حال ارشاد ہوتا ہے لقد کرمنا بنی آدم ہم نے اولاد آدم کو مکرم کیا کاش انسان اس ملی ہوئی فضیلت کو آخر عمر تک کھینچ لے جائے حقیقتاً منزل فضیلت نباتات سے شروع ہوتی ہے۔ یہ ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ جہاں مبداء فیاض نے نمو عطا فرما کر فضیلت مرحمت فرمائی جو چھوٹا پودا ابتداء ظاہر ہوتا ہے قوت نامیہ کے ذریعہ سے ترقی کر کے تناور شجر بن جاتا ہے اشجار ظاہراً توصف بستہ قائم نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں یہ سربسجود ہیں اگرچہ

شعرا نے ان کی شاخوں کو سروں کی تمثیل میں صرف کر دیا ہے مگر حقیقتاً یہ شاخیں سر نہیں ہیں۔ سر کے بمنزلہ ان کے وہ نیچے کے حصے ہیں جو زمین سے ملے ہوئے ہیں کیونکہ سر کٹ جانے کے بعد موت طاری ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں اس کے برعکس جس قدر شاخیں چھنٹتی جاتی ہیں جس قدر قطع ہوتی جاتی ہیں اسی قدر شادابی دوڑتی جاتی ہے۔ اسی قدر قوۃ نامیہ کا اثر بڑھتا جاتا ہے اسی قدر اشجار سرسبزہ ہوتے جاتے ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر فروع بمنزلہ روس ہوتے تو یہ کیفیت نہ ہوتی ہاں اگر اشجار پر موت طاری ہوتی ہے تو اصول کے قطع ہو جانے سے ادھر جڑیں کٹیں ادھر موت طاری ہوئی معلوم ہوا کہ اشجار کے اصول ہی بمنزلہ سروں کے ہیں۔ اشجار جب سے پیدا ہوئے انہوں نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا بلکہ زمین ہی پر سربسجود پیدا ہوئے اور آخر تک سربسجود رہے ایک دم کے لئے تراب سے سر اٹھانا نہ چاہا یہ تواضع یہ انکساری یہ فروتنی۔ یہ اشجار کا سر جھکانا معبود کو اس قدر پسند آیا کہ اس نے بھی غذا وہیں دی جہاں وہ سربسجود تھے اگر تم خود سجدہ سے سر اٹھانا نہیں چاہتے ہو تو میں بھی نہیں چاہتا ہوں کہ تم کو سجدہ سے سر اٹھانا پڑے یا اپنی غذا کے لئے ہاتھ پھیلانا پڑے لو وہیں غذا لو جہاں سجدہ میں سر ہے۔ جڑوں کے ذریعہ سے غذا پہنچائی اور یوں چھپا کے کہ آج تک نہ کسی نے اشجار کو مانگتے ہوئے دیکھا نہ غذا پاتے ہوئے دیکھا۔ غذا جڑوں تک پہنچی اور جڑوں کے ذریعہ سے شجر تک پہنچی۔ شاخوں میں سبزی آئی پھولوں میں خوشبو آئی۔ ثمرات میں شیرینی آئی پورا چمن لہلہا اٹھا۔ مگر آج تک کسی نے نہ دیکھا کہ غذا کب ملی کس وقت ملی۔ کہاں سے ملی غذا ملی مگر اس طرح کہ نہ دینے والے کا ہاتھ نظر آیا نہ پانے والے پاتے ہوئے نظر آئے اگر نظر آیا تو اتنا کہ غذا پاتے ہی سبز خون نے رگوں میں دوڑ کے خوشبو نے پھیل کے سبزہ نے لہک کے پھولوں نے مہک کے دینے والے کا شکریہ ادا کیا عطا کرنے

والا عطا کرے تو یوں اور پانے والے پائیں تو یوں کہ جھولی بھر جائے مگر دینے والے کا ہاتھ نظر نہ آئے اشجار خاک کے دامن میں پلے۔ آغوش زمین میں تربیت ہوئی۔ مگر اتنی اچھی تربیت کہ نہ کبھی ناشکری کی نہ اطاعت سے منہ موڑا نہ غیر کے سامنے پیشانی خم کی۔ نہ خدا کے سجدہ سے سر اٹھایا۔

اس کے بعد حیوانات ہیں جو ارتقاء کی دوسری منزل پر ہیں حیوانات کو خداوند عالم نے نباتات پر فضیلت دینے کے لئے ان کے سر کو بلند کیا لیکن انسان کی طرح مستقیم القامت نہیں بنایا یعنی اشجار جو سر بسجود تھے ان کے بہ نسبت حیونات کو گو سر بلند پیدا کیا لیکن حالتِ رکوع میں قرار دیا نہ اشجار کی طرح سر بسجود نہ انسان کی طرح مستقیم القامت بلکہ دونوں کے درمیان رکوع کی کیفیت طاری کر دی۔ اس کے بعد انسان کی منزل ہے یہ ترقی کی انتہائی درجہ اور مخلوقات ارضی کا آخری زینہ ہے جسے خداوند عالم نے شرافت و کرامت عطا کر کے وہ سر بلند کیا نہ اشجار کی طرح سر بسجود نہ حیونات کی حال ت رکوع میں بلکہ مستقیم القامت پیدا کر کے بتایا کہ اے انسان میں تیرے سر پر تاج کرامت رکھ کے تجھے جمادات و نباتات و حیانات سے سر بلند کیا ہے۔ تیری پیشانی میں نے خم نہیں کی پھر اگر انسان کی پیشانی جھکے تو کس کے سامنے اور اس کا سر خم ہو تو کس کے آگے کیا جمادات اس کا سر جھکا سکتے ہیں۔ یا نباتات اپنے سامنے اس کا سر خم کر سکتے ہیں یا حیانات کی طرف یہ پیشانی جھکنا چاہئے ہرگز نہیں اب یہ پیشانی اگر جھکے تو اسی پیدا کرنے والے کی درگاہ میں۔ اگر خم ہو تو اسی معبود کی ڈیوڑھی پر۔ لیکن اسی پر اکتفا نہ کی۔ اگر صرف مستقیم القامت ہی پیدا کر دیتا تو جس طرح حیوانات کو اس نے حالت رکوع میں پیدا کیا۔ مگر آب و طعام کے سامنے انہیں اپنا سر جھکانا پڑتا ہے انسان کو بھی اگر پیشانی جھکانا پڑتی تو پھر فضیلت کیا

ہوتی۔اس لئے دو خادم عطا فرمادیئے کہ لقمہ انہیں ہاتھوں کے ذریعہ سے پہونچے۔ایک لقمہ جو ہاتھوں کے ذریعہ پہنچتا ہے جسے اس نے غذا کا گھر بنایا ہے۔ یہ نا چاہا کہ یونہی پہنچ جائے۔جب تک اس کی جانچ کرنے والے جانچ نہ کرلیں۔لامسہ لمس کے ذریعہ معلوم کرے کہ گرم وسرد میں اعتدال ہے یا قوت شامہ سونگھ کے معلوم کرلے کہ بدبو تو نہیں اگر ہو تو وہیں سے واپس کردے۔باصرہ دیکھ کے پتہ چلالے کہ یہ قابل اکل ہے یا نہیں اگر قابل اکل نہ ہو تو وہیں سے واپس کردیا جائے۔اگر ان سے غلطی ہوجائے تو ذائقہ چکھ کے پتہ چلالے کہ اس میں کوئی فساد تو نہیں ہے۔پھر دانتوں کو اس نے بطن کے لئے پہرہ دار بنادیا کہ جب تک جانچ نہ کرلی جائے اس وقت تک لقمہ آگے نہ بڑھنے پائے۔یہ حواس جانچ کرنے والے اس جسمانی غذا کے لئے اس نے بنائے کہ پہلے غذا ان پانچوں کے سامنے پیش ہولے جب یہ پانچوں جانچ کرلیں کہ اس میں اصلاح ہے فساد نہیں ہے۔تب لقمہ بطن تک پہنچے۔جب جسمانی غذا بلا جانچ کئے ہوئے آگے نہ بڑھنے دی تو پھر ہمارے اعمال کی جب تک جانچ نہ ہوجائے وہ خدا تک کیونکر پہنچ سکتے ہیں۔پہلے کچھ لوگوں کے سامنے پیش ہولیں گے تب اس قابل ہونگے کہ درگاہ الوہیت میں پیش ہوں بہرحال اس نے آپ کے گھر یعنی پیٹ میں نہ چاہا کہ فساد رہے اور اگر کچھ فاسد اشیاء پہنچ جاتے ہیں تو قوۃ دافعہ کو مقرر کردیا ہے جو دفع کرتی رہتی ہے تاکہ فساد نہ رہنے پائے۔یہاں تک کہ پانی میں بھی جو جو فاسد ہوتا ہے اسے نہیں رہنے دیتا۔یا وہ ہوا جو فاسد ہوجاتی ہے اس کے دفعہ کرنے کے لئے انتظام کیا پھیپھڑوں کو مقرر کردیا۔تاکہ ہر وقت تازی ہوا پہنچاتے رہیں اور فاسد ہوا خارج ہوتی رہے۔یہ سارا انتظام صرف اس لئے ہے کہ اس انسانی گھر میں فاسد شے نہ رہنے پائے تاکہ فساد برپا کردے جب اس نے آپ کے گھر میں نہ چاہا کہ فساد رہے تو وہ گھر جسے اس

نے وحی کی منزل بنائی ہو قرآن اتارنے کے لئے منتخب کیا ہو۔ شریعت کا محل بنایا ہو رسالت کا مستقر قرار دیا ہو۔ جسے بیت عصمت قرار دیا ہو۔ کب گوارا کریگا کہ وہاں کوئی فسادی رہنے پائے اور اگر فساد جمع ہو جائے گا تو اس کے دفع کا انتظام یوں کیا جائیگا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیگا: "قوموا عنی" میرے گھر سے دور ہو جاؤ۔ خداوند عالم نے پیکر انسان کو عناصر اربع سے بنا کر اس میں نفس کو قائم کیا وہ حکماء جن کا فیض آج تک جاری ہے۔ جن کے بتائے ہوئے نشانات پر آج تک لوگ حکیم بنتے ہیں۔ جن کی حکمت پر دنیا والوں ناز ہے اس موقع پر ایک ان کا قول ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ مطلب واضح ہو جائے وہ لکھتے ہیں کہ نفس انسانی کے لئے چار بیڑیاں ہیں جس قدر ان بیڑیوں کو قطع کرتا جائے گا۔ اسی قدر اس کی ترقی میں اضافہ ہوتا جائے گا آب و باد خاک و آتش یہ عناصر اس نفس کے لئے بیڑیاں ہیں یہ نہ سمجھے گا کہ نفس اعضاء و جوارح رکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ معنوی اقدام ہیں جنہیں یہ نگاہیں نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ بلکہ نگاہ عقل سے اگر دیکھے گا۔ تو نفس انسانی قوائم اربعہ پر قائم ہے ایک قدم اس کا خاک پر ہے ایک قدم آب پر ایک قدم باد پر ایک قدم آتش پر یہ چاروں عناصر اس کے اقدام روکے ہوئے ہیں۔ اب جتنی بیڑیاں قطع کرتا جائے گا۔ اس قدر بلند ہو جائے گا۔ اگر آتشی بیڑیاں قطع کر چکا تو آگ اس کے لئے گلزار بن جائے گی اور اگر آبی بیڑیاں قطع کر چکا تو پانی پر چلتا نظر آئے گا۔ اور اگر بادی بیڑیاں قطع کر لیں تو ہوا پر چلتا ہوا ملے گا۔ لشکر در پر ہو گا در خیبر ہاتھ پر ہو گا۔ قدم ہوا پر ہوں گے دیکھنے والے دیکھ رہے ہوں گے علی ہوا پر قائم ہوں گے اور اگر ترابی بیڑیاں کر دیں۔ تو پھر ابوتراب بن جائے گا۔ زمین کا ورق اس کے اختیار میں ہو گا۔ طنابیں اس کے ہاتھ میں ہونگی وہ لوگ جنہوں نے چاروں بیڑیاں قطع کر دیں ہیں نہ خاکی بیڑیاں ان کو روک سکتی ہیں نہ آبی بیڑیاں نہ

بادی نہ آتش ان کا نفس آزاد تھا مادیت کے تعلقات ضعیف ہو چکے تھے روحانیت غالب آچکی تھی۔اس لئے وہ ترقی کی آخری حد تک پہنچے۔آسمان ان کے تحت میں ہوگا عرش ان کے قدم کے نیچے آگیا اور اس بام ترقی تک پہنچے جس کے بعد ترقی کی کوئی حد نہیں ممکن کے لئے جو ترقی ممکن تھی اس حد پر پہنچے جسے منزل قاب قوسین کہتے ہیں اب انسان کی ترقی کا یہ آخری نقطہ ہوگا۔اس کے بعد ترقی کی گنجائش نہیں ہے ہمارے امام کی فضیلت جہاں نکل سکتی ہو ہم کیوں نہ بیان کریں جہاں فضیلت خود موقع دے قرآن خود گنجائش پیدا کردے۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود جگہ دے دے ترقی کرنے دیجئے رسول کو جہاں تک ترقی کر جائے لیکن ایک قد آدم اور ترقی کی گنجائش نکل آئے گی پیغمبر کے قدم جتنے بھی بلند ہوں بلند ہونے دیجئے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاندھے پر سوار کر کے علی کی بلندی دکھادیں گے فرق یہ ہوگا کہ کسی کے قدم عرش پر کسی کے قدم مہر نبوت پر انسان کو خداوند عالم نے فضیلت دے کر دنیا میں بھیجا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:'لقد کرمنا بنی آدم 'ہم نے بنی آدم کو مکرم کیا آئے تو بھی کرامت لے کے لیکن دنیا میں وہ کہاں گئی کرامت ایسی جگہ نہیں ٹھہر سکتی جہاں پیشانیاں اشجار کے سامنے جھک گئی ہوں۔کرامت وہیں ملے گی جہان پیشانی سوائے معبود کسی کے سامنے نہ جھکی ہو۔غیر کے سامنے سر جھکانے سے یوں انکار کیا ہو کہ دنیا آج صرف اسی کے لئے'کرم اللہ وجہہ' استعمال کررہی ہو صواعق محرقہ میں علامہ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

يقال لعلى كرم الله وجهه لم يعبد الاصنام قط

علیؑ کو کرم اللہ وجہہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی پیشانی کبھی اصنام کے سامنے نہیں جھکی اس کرم اللہ وجہہ میں مجھے تو رائحہ خلافت ملتا ہے اس لئے کہ جب صدر خلقت انسانی میں فرشتوں کو حکم ہوا کہ مختلف مقامات کی مٹی جمع کرو اور اس سے پیکر انسانی تیار ہوا روح کا

اس ترابی انسان سے تعلق ہوا فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم ہوا تا کہ فضیلت انسانی واضح ہو جائے سب نے سجدہ کیا ابلیس نے انکار کیا کہ میں سجدہ اس خاکی پیکر کو کروں گا!!! اور خداوند عالم نے پوچھا کہ اے ابلیس تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اس موقع پر ابلیس نے آدم کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا:

أَهٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَهٗ عَلَيَّ.

یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر کرامت عطا کی معلوم ہوا صدر میں خلیفۃ اللہ کے لئے لفظ: کرّمہ، استعمال کیا گیا وہی عنوان علیؑ کے لئے بھی ہے کرم اللہ وجہہ، آج تک نام کے ساتھ کہا جاتا ہے وہ کرامت آج تک خدا کی طرف سے اولاد آدم کو عطا ہو رہی ہے مگر ایسے کم ہیں جنہوں نے اس کرامت کو باقی رکھا۔ ضرورت تو یہ تھی کہ انسان آخر عمر تک باقی رکھتا تا کہ دینے والے کی درگاہ میں اس کرامت کو لے کے جاتا۔ احسان ہے ان لوگوں کو جنہوں نے اس کرامت کو خود بھی باقی رکھا اور دوسروں کو بھی اسے تعلیم دی کہ اس سے ان میں وہ کرامت باقی رہ جائے ایسے اخلاق سکھائے کہ اگر انسان اپنی ذات میں پیدا کر لے۔ تو تہذیب نفس کے بلند مرتبہ پر فائز ہو جائے۔ ایسے تدابیر اصلاح تعلیم کیئے جو تدبیر منزل کے لئے کافی ہیں۔ اگر آج انہیں اصول پر عمل ہوتا جو علی نے تعلیم کیئے تھے۔ تو دنیا میں اصلاح ہوتی فساد نہ ہوتا یہ سارا فساد اسی کا ہے کہ جو ہم نے ان کے اقوال کو چھوڑ دیا جہاں سے علم کا چشمہ جاری تھا وہاں سے علم نہ لیا بلکہ علم کو دوسرے دروازوں سے لینا شروع کر دیا جہاں منزل عصمت تھی ان کے اقوال کو چھوڑ دیا خطا کاروں کے اقوال کو صواب سمجھ لیا۔

ایک حدیث ناسخ التواریخ میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جناب

رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ چار گروہ انسان کے جب تک صلاح پر باقی رہتے ہیں اس وقت تک عوام بھی صلاح پر باقی رہ سکتے ہیں لیکن اگر ان میں سے ایک گروہ میں خود فساد برپا ہو گیا تو پھر عوام میں صلاح نہیں رہ سکتیں، ان چاروں گروہ کی تفصیل آپ نے ذکر فرمائی ہے۔

الملوك والعلماء والعبّاد والتجار

پہلا گروہ بادشاہوں کا ہے۔ جب تک ملوک وسلاطین میں اصلاح رہتی ہے۔ عوام بھی صلاح پر رہتے ہیں۔

دوسرا گروہ علماء کا ہے جب تک علماء کے آپس میں رہتی ہے عوام بھی صلاح پر رہتے ہیں۔

تیسرے عبّاد ہیں یہ گروہ عبادت گزاروں کا جب تک صلاح پر رہتا ہے عوام میں بھی صلاح رہتی ہے چوتھا گروہ تاجروں کا ہے کہ بیشک ان میں اصلاح رہتی ہے عوام میں بھی صلاح رہتی ہے۔

لان الملوك رعاتهم

چونکہ ملوک راعی ہوتے ہیں۔ رعایا کے اگر راعی خود ہی صلاح پر نہ ہو تو رعایا صلاح پر کب باقی رہ سکتی ہے اس لئے کہ اصلاح رعایا کی راعی پر موقوف ہوتی ہے۔ جب راعی خود ہی فاسد ہو جائے تو رعایا میں صلاح کہاں سے آئے اس گلے میں صلاح کہاں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ جس کا راعی خود صلاح پر نہ ہو وہ عوام جن کا انتظام و انصرام ملوک پر موقوف جن کا انضباط ملوک پر موقوف جن کی تنظیم ملوک پر موقوف وہ ملوک اگر اپنی ذات میں اصلاح نہ رکھ سکیں تو پھر رعایا میں کہاں اصلاح رہ سکتی ہے **والعلماء اطباءهم** اور علماء

طبیب ہیں عوام کے جب تک علماء اصلاح پر رہیں گے اس وقت تک عوام کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ علماء بمنزلہ طبیب ہیں۔ اگر طبیب خود صحیح المزاج ہوگا تو مریض کا مرض معلوم کر کے ان کا علاج کر سکتا ہے اگر طبیب خود مریض ہو جائے تو پھر بیماروں کی کیا دوا کرے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس گروہ کے علماء ہی بے عمل ہو جائیں۔ علماء ہی میں فساد برپا ہو جائے علماء خود باہمی صلاح نہ رکھ سکیں۔ تو عوام کب صلاح پر باقی رہ سکتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ کسی قوم کے علماء میں وہ خرابیاں پیدا ہو جائیں۔ جن سے شیرازہ قومی منتشر ہو جاتا ہے۔ جس کے علماء، علماء سوء بن گئے وہ قوم کیا دنیا میں فلاح و بہبود حاصل کر سکتی ہے۔ علم وہ عظیم ذمہ داری ہے جس کا حامل بننے کے بعد انسان خود اپنی ہی ذات کا ذمہ دار نہیں باقی رہتا ہے بلکہ عوام کی ہدایت و تبلیغ کا بار بھی ان کی گردن پر ہوتا ہے۔ عوام تو صرف اپنی ذات کے جواب دہ ہوں گے لیکن علماء سے تو جہاں یہ سوال ہوگا کہ جو امانت علم و ہدایت تمہارے سپرد کی تھی اس سے بندوں کو کیا فائدہ پہنچایا میرے عباد تک وہ امانت کیونکر پہنچائی۔ عوام کی ہدایت کی یا نہیں۔ فریضہ تبلیغ و اصلاح خلق ادا کیا یا نہیں پھر اگر وہ اپنی ہی اصلاح نہ کر سکے تو جہال کو صلاح پر کیونکر لا سکتے ہیں۔

تیسرا گروہ وہ عباد کا گروہ ہے۔ جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: **والعباد اولی لھم**

عباد عوام کے لئے اولی ہوتے ہیں رہبر ہوتے ہیں جو اپنی عبادت و عمل ادا فرائض کے ذریعہ سے عوام کی رہبری کرتے رہتے ہیں۔ چوتھا خواص کا گروہ تجار ہیں۔ جن کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ **والتجار امنائھم** تجارت پیشہ لوگ امانت دار ہیں اس سے زیادہ تجارت پیشہ لوگوں کی کیا تعریف کر سکتا ہوں کہ رسالت مآبؐ نے ان کو خواص

امت میں داخل فرمایا ہے اگر آج کوئی جاہل کہہ دیتا تو اور بات تھی وہ نقاد کہہ رہا ہے جس کی نظر خطا نہیں کر سکتی جس کا کلام جس کی ہر بات فرمان الٰہی ہوتی تھی کہ میری امت کے تجارت پیشہ لوگ امین ہیں۔ دنیا انہیں بازاری سمجھے۔ یا ان کو کم وقعت خیال کرے لیکن وہ ایسے عزت دار ہیں۔ جنہیں رسول خواص امت میں داخل سمجھتا ہے وہ چار گروہ جن کی اصلاح سے دنیا کا اصلاح قائم ہے تجار کو ان میں داخل فرماتا ہے وہ اصلاح کے عناصر اربعہ جس میں ایک طرف ملوک ہیں دوسری طرف علماء تیسری طرف عباد انہیں میں تجار کو قرار دیتا ہے پھر اس تجارت کو کون ذلیل پیشہ سمجھ سکتا ہے۔ جو صلاح عوام کا ایک رکن اور دفع فساد کا ایک عنصر ہو یہ چار گروہ ہیں۔ جن سے دنیا کی صلاح وابستہ ہے ملوک و علماء و عباد و تجار گو اصلاح کا تعلق چاروں سے ہے مگر ان میں دو گروہ وہ ہیں جن سے صرف دنیاوی اصلاح حاصل ہو سکتی ہے یعنی ملوک و تجار سے تیسرا گروہ وہ ہے جس سے صرف دینی اصلاح ہو سکتی ہے وہ عباد کا گروہ ہے۔ ایسا ان میں کوئی نہیں ہے جس سے دین و دنیا کی اصلاح حاصل ہو سوائے علماء کے کہ یہ اپنے علم سے دین و دنیا، معاش و معاد دونوں کی اصلاح کر سکتے ہیں علم سے اصلاح کرتے جائیں گے۔ عمل سے راستہ دکھاتے جائیں گے اگر آپ تلاش کرنا شروع کریں تو آپ کو یہ چاروں ذرائع اصلاح چار جگہ ملیں گے۔ اگر ملوکیت ملے گی تو علم نہ ملے گا اگر علم ملے گا تو عبادت نہ ملے گی اگر علم و عبادت دونوں ملیں گی تو تجارت نہ ملے گی اگر تجارت ملے گی ملوکیت نہ ملے گی آپ ان چاروں چیزوں کو حاصل کرنا چاہیں گے چاروں دروازوں پر جانا پڑے گا۔ ایسا کوئی دروازہ نہ ملے گا جہاں ملوکیت بھی مل جائے علم بھی ملے عبادت بھی ملے تجارت بھی ملے ایسی ذات جو ملک بھی ہو عالم بھی عابد بھی تاجر بھی ہو کوئی نہ ملے گا سوا ہمارے آپ کے مولا علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام کے آپ بادشاہ بھی تھے عالم بھی

تھے عابد بھی تھے تاجر بھی تھے چاروں اصلاح کے ذرائع آپ کی ذات میں جمع تھے اگر کسی شخص کو چاروں چیزیں ایک ڈیوڑھی پر لینا ہوں تو علیؑ کی ڈیوڑھی پر آئے آپ عالم تو ایسے تھے کہ پیغمبرؐ نے خود ارشاد فرمایا: انا مدینة العلم و علی بابها میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شہر کے علوم جس قدر ملتے ہیں وہ در ہی سے لہٰذا اس پیغمبرؐ کے علوم جو تمام معلومات کا عالم تھا لینا ہوں تو علیؑ کے دروازہ پر آیئے آج جس قدر بھی علوم جاری ہیں وہ کُل علیؑ کی ذات کا فیض ہیں۔ سیاست والوں کو علم سیاست سے آگاہ کیا اخلاق اس در سے ملے حکمت اس در سے ملی اہل فقہ کو فقہ سکھائی اصولیین کو اصول تعلیم کیے اہل نحو کو قواعد بتائے۔ علمائے تفسیر کو تفسیر تعلیم کی علمائے حدیث کو احادیث نبیؐ بتائے اہل حکمت کو حکمت کے طریقے تعلیم کیے جس علم کے ماہر کو دیکھئے اپنا استناد علی کی ذات کی طرف کرتے ہیں۔ علی کا علم اس قدر مشہور و ثابت ہے کہ جسے طول دینے کی ضرورت نہیں۔ حد یہ ہے کہ تمام انبیاء کے پاس جو متفرق علم تھا علی ان سب کے جامع تھے۔ اسی طرح آپ بادشاہ بھی تھے آپ کا مشہور لقب جناب امیر بتاتا ہے کہ کچھ تو تھا جو آپ امیر کہلائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی امارت اسباب ظاہری کی محتاج نہ تھی۔ کہ جب آپ تخت شاہی پر رونق افروز ہوں جب ہی امیر ہوں تاج شاہی ہو جب ہی امیر ہوں آپ ان چیزوں کے اپنی امارت میں محتاج نہ تھے بلکہ آپ خدا کے بنائے ہوئے امیر تھے جس طرح خدا اپنی شاہی میں تاج و تخت اور فوج و لشکر کا محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح آپ بھی اپنی امارت میں کسی چیز کے محتاج نہ تھے فوج نہ تھی۔ مگر امیر تھے لشکر نہ تھا مگر امیر تھے تاج شاہی نہ تھا مگر امیر تھے۔ ٹوٹے ہوئے گھر میں تھے مگر امیر تھے۔ بوسیدہ لباس پہنتے تھے۔ مگر امیر تھے۔ فقر و فاقہ کی حالت میں

تھے تو امیر تھے علاوہ بریں آخر عمر میں سہی دنیا نے آپ کو بادشاہ ایک نہ ایک وقت تسلیم کیا ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ آپ ملوک میں بھی داخل تھے کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے۔ اگر انسان دنیاوی ترقی کرنا شروع کرے تو اس کی آخری منزل یہ ہوگی۔ کہ بادشاہ ہوجائے اور دین کی ترقی آخری منزل الوہیت ہے۔

علیؑ کی ذات وہ تھی کہ دنیاوی ترقی کے آخری نقطہ پر فائز تھے یعنی بادشاہ تھے، اب رہ گئی دینی ترقی اگر اس کا آخری نقطہ دیکھنا ہو تو نصیریوں کو دھوکا ہونے دیجئے۔ ہم جسے اپنا امیر سمجھتے ہیں نصیری خدا کہہ دیں گے۔ اسی طرح آپ عابد بھی تھے۔ عابد ایسے کہ دنیا میں جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ دیکھنے والے جن کی عبادت کو دیکھ کے خاموش ہو جاتے تھے۔ ملائکہ جن کی عبادت دیکھ کے حیرت میں تھے معبود جن کی عبادت پر فخر کرتا تھا ہر محل پر عبادت کی ہر منزل پر عبادت کی ایسی عبادت کہ جن کی ایک ایک عبادت ثقلین کی عبادت پر گراں ہوگئی اسی طرح تاجر بھی تھے ایسا تاجر جس کی مثال پیش نہیں ہوسکتی علیؑ نے ہی تجارت کی جو آج تک جلی حروف میں موجود ہے۔ پیغمبر کا گھر تھا، نبی کا بستر تھا رسولؐ کی چادر تھی توکل پر تکیہ تھا ہجرت کی رات تھی خلیل توفیق بستر کو منیٰ بنائے ہوئے لیٹا اور یوں لیٹا کہ پتہ چلنا مشکل ہوگیا علیؑ سو رہے ہیں یا خاتم المرسلین سو رہے ہیں۔ علیؑ نے اپنا قیمتی نفس لا کے رکھ دیا تھا۔ اس بیش بہا جوہر کی کون قیمت لگاتا۔ انبیاء کیا قیمت لگا سکتے ہیں آدمؑ کیا لے کے آئیں اگر علم لے کے بڑھتے ہیں تو یہاں شکر بھی موجود ہے اگر نوحؑ شکر لے کے آئیں تو یہاں ہیبت بھی موجود ہے اگر موسیٰ ہیبت لے کے آئیں تو یہاں زہد بھی موجود ہے۔ جو نبی خریدنے کے لئے آگے بڑھ سکے پاس ایک وصف موجود ہوگا اور یہ نفس تمام صفات کا مجموعہ ہے پھر کیسے خرید سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ثمن کیا قرار دیں، ملائکہ کیا خرید سکتے ہیں؟ اس لئے کہ ان کے پاس جو

علم موجود ہے وہ انہیں کا سکھایا ہوا ہے خاتم المرسلینؐ نے تو تربیت کر کے اس نفس کو آراستہ ہی کیا ہے آخر جب اس نفس کے قابل ثمن کسی کے پاس نہ نکل سکی تو خداوند عالم نے کہا تم سب ہٹ جاؤ۔ لو میں اپنی رضا کو ثمن بنائے دیتا ہوں یا علیؑ میری رضا تیری ہو جائے۔ تیرا نفس میرا ہو جائے۔ علیؑ بستر رسولؐ پر سوئے اور اس طرح کہ اپنے نفس سے بے پرواہ ہو کے سوئے چاہے میرا نفس نہ رہے مگر رسولؐ کی جان بچ جائے چاہے میری جان نہ رہے مگر دین خدا کی حفاظت ہو جائے میں نہ رہوں میری جان نہ رہے مگر شریعت پھیل جائے چاہے میرا نفس نہ باقی رہے۔ مگر خدا کا مذہب رہ جائے اس جرأت کے ساتھ جہاں کفار تلواریں لئے ہوئے گھر گھیرے ہوئے تھے۔ مشرکین قتل کر دینے پر آمادہ تھے علیؑ آرام کر رہے تھے۔ حسینؑ اسی باپ کے بیٹے تھے وہی جری دل پہلو میں تھا وہی دین بچانے کا شوق دل میں تھا کچھ ہو مگر دین بچ جائے۔ علیؑ نے بستر رسولؐ پر سو کے دین کو بچایا حسینؑ نے کربلا کے میدان میں آ کے بچایا علیؑ نے شب ہجرت سو کے دین خدا کی حفاظت کی حسینؑ نے لب فرات کربلا میں اپنا گھر لٹا کے دین خدا کی حفاظت کی جب کوئی نہ رہا تو حرم سے رخصت ہو کر مظلوم امام میدان میں آیا اس تنہائی کے عالم اپنے جانثار رفقاء ایک ایک کر کے یاد آنا شروع ہوئے آواز دی یا مسلم ابن عوسجہ یا حبیب ابن مظاہر اے مسلم ابن عوسجہ اے حبیب ابن مظاہر اے میرے انصار اٹھو اٹھ کے اپنے امام کی مدد کرو جب انصار کو یاد کر چکے تو اب اعزا کی لاشیں نظر پڑیں جو نصرت کر کے اپنا گلا کٹائے ہوئے پڑے تھے آواز دی اے علی اکبر اے قاسم اے عباس ابن علیؑ اٹھو۔ اٹھ کر حسینؑ کی مدد کرو آخر چاہا کہ اب سب کو ایک ساتھ آواز دیں پکار کے فرمایا اے میرے شیرو اے دلیرو اب کیا ہو گیا کہ میں تم کو پکارتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے جب اس پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو آپ خود فرماتے ہیں کہ تم کیا کرو۔ تمہیں تمہاری مو نے مجبور

کردیا، ورنہ تم ضرور میری مدد کرتے یہ فرما کر آپ نے عجب بے کسی کا جملہ فرمایا خیموں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں ھذہ ذریۃ نبیکم ارے یہ تمہارے نبی کی ذریت ہے۔ جن کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے اٹھو اٹھ کر مدد کرو آخر آپ نے آواز استغاثہ بلند کی ھل من ناصر ینصرنا ھل من ذاب یذب عنا ہے کوئی مدد کرنے والا جو مجھ غریب کی مدد کرے ہے کوئی دفع کرنے والا جو ہم سے مصیبتوں کو دفع کرے آخر خود پروردگار عالم نے جواب دیا لبیک لبیک عبدی اے میرے بندے میں تیری مدد کو موجود ہوں افسوس غریب مظلوم فرزند رسول کی کسی نے مدد نہ کی چاروں طرف سے اشقیاء نے حملے شروع کردیے آثار قیامت نمودار ہوگئے آواز آئی الا قتل الحسین بکربلا کاش اسی ظلم پر اکتفا کرتے رانڈوں کو تو خیموں میں بیٹھا رہنے دیتے بچوں کو نہ ستاتے بیمار کو قیدی نہ بناتے مگر قتل حسینؑ ہی پر اکتفا نہ کی اسباب لٹا خیموں میں آگ لگادی۔ جب ایک خیمہ جلتا تھا تو بیبیاں بچوں کو لے کر دوسرے خیمہ میں چلی جاتی تھیں جب سب خیمہ جل گئے اور صرف ایک خیمہ رہ گیا تو جناب زینبؑ بیمار کربلا کے قریب آئیں۔ بیٹا سید سجاد کیا غش میں پڑے ہو تم امام زمانہ ہو اٹھو اٹھ کر بتاؤ اسی میں جل کر مرجائیں یا خیمے سے باہر نکل جائیں فرمایا اب یہ وقت خیمہ میں بیٹھنے کا نہیں ہے۔ اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالنا چاہیے۔ خیمہ سے باہر نکل جائیے۔ شہزادیاں نبیؐ زادیاں خیمہ سے باہر نکلیں اسی حال میں نہ معلوم کس طرح ایک بچے کے دامن میں آگ لگ گئی جس قدر وہ بچہ دوڑتا جاتا تھا آگ کا شعلہ اور بھڑکتا جاتا تھا راوی کہتا ہے کہ میں نے دوڑ کے دامن کی آگ بجھادی بچے نے اپنے حال پر شفیق پا کے مجھ سے پوچھا اے شیخ اگر تجھے نجف کا راستہ معلوم ہو تو بتادے میں نے پوچھا اے صاحبزادے نجف جا کے کیا کیجئے گا۔ جواب دیا اپنے دادا علیؑ مرتضیٰ سے فریاد کروں گا۔

(۳)

مجلس: تصور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا السید اظہر حسن زیدی اعلیٰ اللہ مقامہ

معزز سامعین!

آج میں اپنے ایک عزیز کے عقد کے سلسلہ میں حاضر ہوا ہوں لہٰذا آج کی یہ مجلس بغرض حصول برکت وسعادت منعقد کی جارہی ہے۔ کیونکہ یہ نکاح سادات کے دو خاندانوں کے درمیاں میں ہے اور دنیا کی یہ رسم ہے کہ وہ اپنی تقریب کو زیادہ سے زیادہ باعزت اور بااحترام بنانے کے لئے بڑے سے بڑے آدمیوں کو بلاتے ہیں جنہیں وہ بلاسکتے ہوں تاکہ یہ یادگار رہے کہ فلاں تقریب میں فلاں بزرگ تشریف لائے تھے۔ بہر نوع ہر آدمی کا یہ جی چاہتا ہے کہ کوئی بڑی ہستی تقریب میں شریک ہو۔

لہٰذا سادات کا دل بھی چاہتا ہے کہ ہم بھی اپنی تقریب میں بڑی سے بڑی ہستیوں کو بلائیں چنانچہ یہ سیدہ زادے تمام کائنات پہ نظر ڈالتے ہیں کہ بڑی سے بڑی ہستی کون ہے جسے ہم بلائیں۔ جب چاروں طرف نظریں اٹھتی ہیں تو سادات کو اپنے سے بڑی ہستی نظر ہی نہیں آتی۔ لہٰذا اب ہم سوچتے ہیں کہ اپنے ہی بزرگوں میں سے کسی کو بلالیں تاکہ ہماری یہ تقریب بابرکت ہوجائے مگر اتفاق سے ادھر ان کو بزرگ ایسے مل گئے کہ یہ تو ان کی اولاد ہوئے۔ مگر وہ تو خدا کے گھر بھی بن بلائے نہیں جاتے بلکہ بلانے سے جانا تو اور بات ہے قرآن میں تو یہ ہے کہ

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ۔

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو آ کر لے گئی۔

گویا اتنے نازک مزاج اور اعلیٰ قدر بزرگ ہیں جو خدا کے پاس بھی بن بلائے نہیں جاتے بلکہ خدا کی ذات خود آ کر انہیں لے جاتی ہے۔

بہر نوع سید زادے یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم انہیں کیسے تکلیف دیں تا کہ وہ ہماری محفل میں شریک ہوں۔ آخر ہم مولوی صاحبان کے پاس پہنچے اور عرض کی

مولانا! ہم اپنے بزرگوں کو خوشی کی تقریب میں بلانا چاہتے ہیں۔ بتایئے! کس طرح بلائیں۔

مولوی صاحبان فرماتے ہیں:۔

تمہارا خیال غلط ہے۔ اگر دس بیس جگہ شادی ہوئی اور سب سیدوں نے بلا لیا تو وہ بیچارے کہاں کہاں جائیں گے۔ کیوں خواہ مخواہ کے لئے بزرگوں کو تکلیف دیتے ہو لہٰذا یہ ارادہ ہی مت کرو۔

میں کہتا ہوں۔

مولانا! دس بیس جگہ کی بات کیا ہے۔ اگر دس کروڑ جگہ بھی بیک وقت انہیں بلایا جائے تو وہ ہر جگہ جائیں گے۔ کیونکہ جگہ اور مکان ان کے لئے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ مکانوں کی قید میں وہ جسم رہتے ہیں جو ہمیشہ مکان تک ہی محدود رہے ہوں اور جو انسان لامکان کی سیر کر آئے ہوں، انہیں مکان کی قید نہیں رہتی لہٰذا وہ ہر جگہ بیک وقت تشریف لاتے ہیں۔

سامعین!

بات سے بات نکلتی ہے۔ دیکھو نا! ہم یہاں امام بارہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

سورج سر پر آ گیا۔ دھوپ لگنے لگے۔ ہم یہاں سے اٹھ کر کسی دوسرے امام باڑہ میں پہنچے مگر وہاں بھی کہہ رہے ہیں کہ سورج سر پر آ گیا۔ اس کے بعد کسی اور جگہ پہنچے تو وہاں بھی یہی کہا جا رہا ہے کہ سورج سر پر آ گیا۔ ایک ہی سورج ہے اور کروڑہا انسان بیک وقت کہہ رہے ہیں کہ ہمارے سر پر آ گیا حالانکہ سورج وہیں ہے جہاں ہے۔

گویا جب معمولی سی نور کی کرنوں کو پہنچانے والا نور بیک وقت کروڑہا جگہ ہونے کے باوجود اپنی جگہ رہتا ہے تو اس نور کو نور عطا کرنے والے "نوروں" کے لئے کوئی بے نور آنکھ ہی ہوگی جو کہہ دے گی کہ یہاں کیسے اور وہاں کیسے۔؟

بہر نوع وہ مجسمہ نور بیک وقت ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں جگہ تشریف لا سکتے ہیں۔ اگر انہیں تصور کرو تو وہ دل میں خیال بن کے آ جاتے ہیں۔ اور اگر انکے مصائب سنو تو قلب میں ملال بن کے آ جاتے ہیں اور کہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارو تو وہ اس کے ساتھ اس کی آل بن کے آ جاتے ہیں، غرض وہ ہر وقت آنے کے لئے تیار ہیں مگر ذرا کوئی انہیں بلا کے تو دیکھے۔ وہ ضرور تشریف لاتے ہیں۔ مگر ان کے بلانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک، دن ایک عقیدت مند حضور امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حضور کے غلام زادے کی شادی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حضور بھی اس میں تشریف لائیں۔ تا کہ میری یہ تقریب بابرکت ہو جائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

بھائی! انکار کرتے شرم آتی ہے کیونکہ تو بڑی محبت سے آیا ہے مگر میں کیا بتاؤں کہ میں نے سانحہ کربلا کے بعد خوشی کی تقریبوں میں شرکت بند کر دی ہے۔

یہ سنکر وہ عقیدت مند بولا۔

حضور! مجھے معاف کر دیں۔ میں نے حضور کو دعوت دے کر اذیت پہنچائی ہے

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔کوئی بات نہیں۔خدا تیرے بچے کو پروان چڑھائے اللہ تیری نسل کو بڑھائے۔

وہ شخص خاموش ہوگیا۔اور جب جانے لگا تو امام علیہ السلام نے فرمایا۔

بھائی عرب! ٹھہر جا۔دل تھوڑا نہ کر۔میں تیری تقریب میں ضرور آؤں گا۔مگر ایسا کر کہ تھوڑی دیر کے لئے میرے بابا علیہ السلام کی مجلس بھی کر لے۔میں مجلس میں آجاؤں گا اور تیرے ہاں شرکت بھی ہو جائے گی۔

بزرگان من!

امام علیہ السلام زین العابدین کے اس فرمان کی روشنی میں ہر سیدہ زادہ اپنی خوشی کی تقریب میں اس لئے مجلس عزا منعقد کرتا ہے تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان موقعوں پر تشریف لائیں اور یہ تقریب بابرکت ہو جائے۔لہٰذا آج ہم پورے فخر سے اعلان کرتے ہیں کہ آج ہماری اس تقریب میں وہ آئے ہیں جن کے گھر قرآن آیا ہے۔جن کے گھر نبوت آئی ہے جن کے گھر امامت آئی ہے۔جن کے شہادت آئی ہے۔جن کے گھر عصمت آئی ہے۔جن کے گھر صداقت آئی ہے۔جن کے گھر امانت آئی ہے۔جن کے گھر ہدایت آئی ہے۔جن کے گھر فرشتے خادم بن کے آئے ہیں گویا آج ہم اعلان کرتے ہیں کہ

"جبرائیل بہ ملائیک درباں شداست"

آج ہمارا دروازہ معمولی نہیں ہے بلکہ جبرائیل تمام فرشتوں کے ساتھ آج ہمارے گھر کی دربانی کر رہے ہیں۔

بہرکیف آج ہماری اس تقریب میں حضرات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف

فرما ہیں۔وہ یہاں آکر ہمارے عشق کا امتحان لیتے ہیں کہ تم نے تو ہمیں بلا لیا اور ہم اللہ جانے کہاں سے چل کر آئے ہیں۔(یہ غلط بات ہے کہ محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت سے آتے ہیں)

دیکھو نا!

ایک دفعہ میں نے منبر پہ دو باتیں کہہ دیں تھی جس کی مجھے جواب دہی کرنی پڑی۔پہلی بات تو یہ تھی کہ کسی نے پوچھا۔

زیدی صاحب! حسین علیہ السلام نماز پڑھتے تھے۔؟

میں نے کہا۔

جھوٹ کہتے ہو۔حسین علیہ السلام کو نماز پڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔چونکہ حسین علیہ السلام کے صدقے میں نماز باقی رہ گئی۔لہٰذا حسین علیہ السلام نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ نماز حسین علیہ السلام پڑھتی تھی۔

دوسری بات یہ تھی کہ کیا "آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں رہیں گے"؟

میں نے کہا:

"توبہ کرو" "آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کیوں جنت میں جائیں کیونکہ جنت تو ان کے ادنٰی غلاموں کے لئے بنی ہے۔لہٰذا گورنمنٹ ہاؤس کہا اور سرونٹ کوارٹر کہا۔یہ تو سرونٹ کوارٹرز ہیں جن کا نام جنت ہے۔خدا نہ کرے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں جائیں کیونکہ جنت تو آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے رہنے کی جگہ اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رہنے کی جگہ وہاں ہے جس جگہ کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

دیکھو نا! جب ہمارا یہ ایمان ہے کہ آل محمد دنیا کی ہر شئی سے پہلے پیدا ہوئے

تھے۔ تو وہ جنت سے پہلے بھی پیدا ہوئے تھے۔ لہٰذا جب جنت نہیں تھی تو وہ کہاں رہتے تھے۔؟ بس جہاں تھے وہیں رہتے تھے۔ خداوند نہ کرے کہ آل محمد جنت میں رہیں۔ جنت تو ہمارے لئے بنی ہے۔ جنت تو آل محمد کے غلاموں کے (Servant Quarters) ہیں جو ان کے محل کے قریب ہیں۔ انشاءاللہ ہم ان کوارٹرز میں جائیں گے۔ اور ہمارے کوارٹرز کی صفائی اور درستی کے لئے اللہ نے حوریں مقرر کی ہوئی ہیں جن کا کام صرف اتنا ہے کہ ہمارے جانے سے پہلے وہ ہمارے مکانوں کو صاف ستھرا رکھیں اور جب ہم چلے جائیں گے تو ہم انہیں چھٹی دے دیں گے۔

گویا وہ حوریں ہمارے (Servant Quarters) میں رہیں گی۔ بہر نوع آل محمد جنت سے کہیں دور سے تشریف لاتے ہیں۔ اور یہاں آ کر ہمارا امتحان لیتے ہیں۔ کہ

ہمیں بلانے والے! تیری شادی مبارک ہو تیرا سہرا مبارک ہو تیرے گھر والے خوش رہیں، تیرے ماں باپ کے کلیجے ٹھنڈے رہیں۔ تیرے بہن بھائی خوش رہیں، تیرے دوست احباب خوش رہیں۔ تو نے ہمیں بلایا ہے، تیرے دل میں ہماری محبت ہے۔۔ مگر

اپنی خوشی میں تو ہمیں بھول تو نہیں گیا؟

ہم عرض کرتے ہیں:۔

اے آل محمد ﷺ: ہم نہیں بھولے جب ہمارے ہاں "بیٹا" ہوتا ہے تو ہم اس کے کان میں آذان دینے سے پہلے تیرے "اصغر" کو یاد کرتے ہیں۔ اور جب اپنے "جوان" کی شادی کرتے ہیں تو ہم تجھے بھولتے نہیں بلکہ اپنے جوانوں کو سینے سے لگا کر تیرے اکبر و قاسم کے سہرے کو یاد کرتے ہیں۔

اے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

ہم تمہاری خوشی اور غمی کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں ہم کسی لمحہ کے لئے بھی تمہاری یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ ہمارا رونا بھی تمہارے لئے ہے اور ہمارا ''ہنسنا'' بھی تمہارے لئے ہے۔

اے رب العزت!

ہم بڑے کمزور اور نالائق گناہ گار ہیں اور دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت ہمارے پاس ہے۔ اس کی تو حفاظت فرما۔ ہمارے وارث کے ظہور میں تعجیل فرما کیونکہ دنیا نے ہمیں یتیم اور لاوارث سمجھ لیا ہے۔ لہٰذا ہم دنیا کو دکھا سکیں کہ ہم تنہا نہیں ہیں بلکہ ہمارا وارث بھی موجود ہے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

اللھم صل علی محمد و آل محمد

(۴)

مجلس: یقین

علامہ رشید ترابی مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ کُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۹۸﴾ وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ ﴿۹۹﴾ (سورہ حجر)

سورہ حجر کلام مجید کا پندرھواں سورہ ہے۔ یہ سورے کی آخری آیتیں ہیں اور آخری آیت کا آخری لفظ میرا موضوع ہے یعنی "یقین"۔

عبادت کا کمال سجدہ ہے اور سجدہ اس طرح سے مسلسل رہے، اس طرح سے باخلوص رہے اور عبادت کی اس طرح روح بن جائے۔

ارشاد ہوتا ہے "اتنی عبادت کر اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے"۔

پھر ذہن میں رکھیے۔ "اپنے رب کے نام کی تسبیح کر، اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا، اور اپنے رب کی اتنی اطاعت کر، اتنی عبادت کر کہ تجھے یقین آجائے۔"

یقین کی منزل علم کا وہ کمال ہے جہاں غیب، شہود سے بدل جائے۔ جہاں غیب، غیب نہ رہے حضور بن جائے، اب اگر علم یہ مشاہدہ دنیا میں عطا کر دے تو وہ یقین اور اگر موت اس مشاہدہ کو مہیا کرے تو وہ موت یقین ہے اس لیے تفسیر میں یقین کے دونوں معنی لیے گئے ہیں۔ کہ اتنی عبادت کر کہ علم مشاہدہ کی منزل پر آجائے یا موت آجائے اس لئے

کہ موت قفس کے دروازے کو کھول دیتی ہے روح کو آزاد کردیتی ہے، ماورائے حجاب اشیاء کو سامنے لاتی ہے اور انسان کو ہر شئے سے آگاہ کردیتی ہے جس سے وہ یہاں بے خبر تھا۔

اتنی عبادت کر کہ یقین آجائے۔ یقین بڑی دولت ہے۔ یعنی اگر یقین کو سمجھنا ہو، تو ضد کو سمجھو، کہ شک کیا ہے۔ عنوان کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ کتاب الٰہی قانون ربانی، کہ جو ہمارے لئے قیامت تک دستور حیات ہے۔ وہ اس طرح سے شروع نہیں ہوتا، کہ یہ رحمت کی کتاب ہے۔ یا یہ علم کی کتاب ہے یہ معرفت کی کتاب ہے، یہ حکمت کی کتاب ہے۔ بلکہ شروع کیا جاتا ہے اس کتاب کو اس طرح سے " ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ " یہ وہ کتاب ہے جس میں شک نہیں ہے۔ ریب نہیں ہے۔

آپ نے دیکھا اس کی اہمیت کو۔؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کا یہ دوسرا سورہ ، سورہ بقرہ جو سورہ حمد کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اس کا جو ابتدائی حصہ ہے وہ صاحبان ایمان کی تعریف میں ہے۔ اس کے بعد کافروں کی تعریف ، اس کے بعد ان لوگوں کی تعریف ہے جو کبھی کفار کے پاس جاتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ کبھی ان کی باتیں سنیں، کبھی ان کی باتیں سنیں۔ تو نوع انسانی کی تقسیم کی گئی ہے۔ آغاز قرآن میں۔ مگر جب مومنین کا تذکرہ کیا، اور کہا:۔

لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ،

اور پھر یقین۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

یہی لوگ ہیں جن کے لیے یہ کتاب ہدایت بن کو آئی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز کا قیام ان کا فریضہ ہے اور پھر جو کچھ رزق ہم نے دیا ہے اس میں انفاق کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں، جو کچھ تجھ پر نازل ہوا تجھ سے قبل ہم نے نازل کیا۔ اور اب آیت یہاں پر ختم ہوئی۔ "بالاٰخرۃ ھم یوقنون"۔

انجام عمل پر، انجام کار پر، آخرت پر، نتیجہ پر، انتہا پر نظر نہیں یقین ہے۔ اب آپ نے دیکھا کہ کلام ربانی کا آغاز ہی یہ ہے کہ شک نہیں، اس کتاب پر، اور ایمان کا کمال یہ ہے کہ یقین کی منزل پر پہنچے تو سجدے کے بعد جو منزل حاصل ہوئی ہے۔ وہ بجز یقین کچھ نہیں۔ اب اس طرح سے آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر یقین سے گفتگو کی گئی ہے۔ کہیں عین الیقین پر گفتگو ہے۔ کسی مقام پر یہ بتلایا کہ کس طرح سے انسان منازل یقین کو طے کرتا ہے۔

مختصر سے وقت میں ایک ذرا سا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ قرآن کو بیان سے ملا کر قرآن نے ۲۸ مقامات پر یقین پر گفتگو کی ہے۔ اور اس طرح سے کلام معصوم نے جو صراحت کی میں اس کو بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ارشاد فرماتے ہیں۔ سنو! وہ یہ ہے! کہ: علم اور یقین یہ بڑی دولتیں ہیں اور اس طرح کی دولتیں ہیں کہ، اذا علمتم فاعملوا (اگر علم ہے تو عمل کرو) اذا تیقنتم اقدموا (اگر یقین ہے تو اقدام کرو) یہ علم اور یقین کی منزل ہے۔

"لا تجعلوا علمکم جھلاً ویقینکم شکاً"۔

خبردار! اپنے علم کو جہل سے نہ بدلو۔ اور اپنے یقین کو شک میں تبدیل نہ کردو

علم اپنی منزل پر رہے۔علم کی ضد شک نہیں۔علم کی ضد جہل ہے یقین کی ضد شک ہے،اور جہاں شک آجائے اور شک پر شک آئے تو پھر وہ بیماری ہے۔دل کی بیماری ہے،روح کی بیماری ہے۔

جسم کی چھ حالتیں ہیں۔جسم خوابیدہ ہے یا بیدار،جسم مردہ ہے یا زندہ جسم صحت مند ہے یا بیمار۔

بالکل اسی طرح روح کی زندگی علم ہے۔روح کی موت جہل،روح کے لیے نیند غفلت ہے۔روح کے لیے بیداری انتباہ ہے۔تنبیہ کرتے جاتا ہے کہ ہاں ہوشیار اور روح کی بیماری شک،روح کی صحت یقین ہے صحت روح یقین،اور جب انسان کو یہ دولت مل جاتی ہے تو روح اپنی صحت کے ساتھ قلب کی بیماریوں کو دور کرکے،اپنے آپ کو معرفت کی راہوں میں پاتی ہے

ارشاد فرمایا کہ ایمان کے لیے لازم ہے کہ صبر و یقین،عدل و جہاد۔یقین کی چار حالتیں۔ایک تبصرۃ الفطنۃ،یعنی زیرکی میں ڈوبا ہوا،عقلمندی ہی عقلمندی ہو یقین کی پہلی حالت۔دوسری حالت تاول الحکمۃ۔جب عقلمندی میں ڈوب جائے تو حکمت کے موتی لائے۔تیسری حالت تبصرۃ الموعظۃ،کہ برابر دنیا کو دیکھتا جائے اور عبرت حاصل کرتا جائے۔صاحب یقین عبرت حاصل کرتا جائے۔چوتھے سنت ماضیین جانے والوں پر نظر رہے کہ ان کے یقین کا کیا عالم ہے۔اس لئے کہ ہمارا مستقبل ہمارے ماضی سے کٹا ہوا نہیں ہے۔ماضی سے کٹ کے جی نہیں سکتے ہیں۔ہم اپنے یقین کو اسی یقین سے ملانا چاہتے ہیں۔

"اگر حجاب ہائے آسمانی میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیے جائیں تو یقین کی

منزل سے ہم ہٹیں گے ہی نہیں۔ جو یقین میرا اس وقت ہے اس سے آگے نہیں بڑھے گا۔تو یہ ہے ماضیین کا تذکرہ۔"

بیٹے کو وصیت کی یعنی امام حسن علیہ السلام کو صفین سے واپسی پر وصیت نامہ، اس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"بیٹا! اپنے دل کی زندگی چاہتے ہو تو ہمیشہ اس دل کو نصیحت کرتے رہو اور زہد کی باتیں سنا کرو۔ اسے گوشہ نشین رکھو۔ اس کو کسی ایک مقام پر سکون سے رہنے دو۔ دل کو نور حکمت دو اور اس کو یقین سے قوت عطا کرو۔"

دیکھا آپ نے! دل کی قوت یقین ہے۔ روح کی صحت یقین ہے۔ علم کا کمال یقین ہے۔ غیب کو شہود میں بدلنا یقین ہی سے ممکن ہے اور یہ اس طرح سے نہیں آتا کہ انسان فلسفیانہ افکار میں اپنے آپ کو مبتلا کر کے یقین کو ڈھونڈیے نہیں۔ یہ یقین آتا ہے کہ اپنے رب کی اتنی عبادت کر کہ یقین آجائے۔ اگر تھوڑی سی توجہ اور دی جائے اس بیان پر تو ارشاد ہوا:

"علم و معرفت الٰہی کا مدار کچھ مسائل پر ہے۔ عارفوں کی باتیں عارفوں کی زندگی تین اصولوں پر قائم ہے۔ یا خوف پر، یا امید پر یا محبت پر۔

عارفوں کی باتوں کی بنیادیں تین امور پر ہیں: یا خوف ہے یا امید ہے یا محبت ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: خوف نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ علم نہ ہو۔ اس لیے قرآن نے کہہ دیا۔ "اللہ سے ڈرنے والے وہی ہیں جو صاحبان علم ہیں" خوف ضروری ہے انسان کے دل میں، مگر اللہ کے لئے یہ خوف ہو، اور خوف پیدا نہیں ہوتا جب تک علم نہ ہو۔

اور اس کے بعد ارشاد ہوا۔ "امید بخی کیسے ہے اگر یقین نہ ہو تو کوئی امید نہ باندھے۔ جس کی ذات میں یقین ہوتا ہے اسی سے امید بھی وابستہ ہوتی ہیں، جس کی ذات پر یقین نہیں ہوتا اس سے امیدیں وابستہ نہیں ہوتیں اس لیے کہ لازمہ ہے امید کا طلب اور طلب کسی ایسے سے نہ ہو کہ جو خالی ہاتھ لوٹا دے اس مقام پر ثاقب لکھنوی مرحوم نے کہا تھا۔

دے صدا اے دل مگر نقش قدم کو دیکھ کر
ایسے بھی در ہیں کبھی جن پر کوئی سائل نہ تھا

تو امید وہیں ہے کہ جہاں انسان اپنی طلب کے لیے آگے بڑھے اور طلب اسی وقت ممکن ہے کہ جہاں انسان کو یقین آجائے کہ جس سے مانگ رہا ہوں اس میں صلاحیت بھی ہے۔

اس لیے فرمایا کہ "اپنے رب کی عبادت کر، رب سے بڑھ کر کون؟ یہاں تک کہ تجھے یقین آجائے، تاکہ رجا معبود حقیقی سے ہو۔ طلب اسی کی بارگاہ سے ہو۔"

سو آپ نے دیکھا، یہ خوف ہے، یہ رجا ہے کہ جہاں انسان اپنے آپ کو عارفین میں شامل کرتا ہے۔

تیسری منزل، خوف فرع علم ہے، رجا فرع یقین ہے، محبت فرع معرفت ہے۔ معرفت نہیں تو محبت نہیں یقین نہیں تو امید نہیں، علم نہیں تو خوف خدا نہیں۔

تو یہ منزل ہے یقین کی کہ جہاں انسان اپنے آپ کو ایک ایسی راہ پر پاتا ہے کہ جہاں اگر یہ یقین مٹ جائے تو پھر سامنا ہے شک کا اور شک کی حالت یہ ہے کہ اس میں تماری ہے، تردد ہے، ہول ہے، فرار ہے۔ یہ چار ماتیں تماری، یعنی بیکار، بے موقع، بے محل

محل گفت وشنید، شک اگر ہے تو باتیں ہی باتیں ہیں۔دوسرے۔اگر شک ہے تو ہر آن ہول ہے۔

دیکھیے! وہاں لفظ خوف، استعمال کیا، یہاں لفظ ہول استعمال کیا۔خوف کچھ اور ہے، ہول کچھ اور ہے۔محبت کی منزل پر خوف ہے اور جہاں انسان اپنی جان کی حفاظت کے لیے دن رات پریشان ہو، وہ ہول ہے خوف نہیں۔ہول سے تماری ہے۔اس کا لازمی نتیجہ تردد ہے۔آگے بڑھوں، نہ بڑھوں۔پیچھے ہٹوں کہاں جاؤں؟ جہاں شک پیدا ہوا، تردد پیدا ہوا۔ جہاں تردد آیا نتیجہ یہ کہ حق کی راہ میں آگے بڑھنا ممکن نہیں بجز فرار کے، جہاں فرار پاؤ تو سمجھو کہ یقین مٹ گیا۔جہاں حق سے فرار ہے سمجھو کہ یقین نہیں ہے۔

آپ نے جب ان منازل کو طے کیا تو یقیناً آپ کو علم ہو چکا ہوگا کہ انبیا کو اللہ نے یقین کی دولت عطا کی اور اس منزل پر جو قابل ذکر دولت ہے جس کو قرآن مجید نے بہت ہی خاص انداز میں بیان کیا ہے:۔

''ہم نے ابراہیم کو زمیں و آسمان کا ہولڈ (hold) بتلایا، کنٹرول بتلا دیا، ارتباط بتلا دیا، کائنات کا تعلق باہمی بتلایا اور یہ بتلایا کہ اس کا ارتباط واقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔فقط اس لیے کہ ابراہیم کے دل میں یقین پیدا ہو۔نبی اولوالعزم، شیخ الانبیاء صاحب شریعت، خلعت وورع، نبوت ورسالت وامامت کی منزل پر فائز ہیں جن کے لیے ارشاد ہوا:

''ہم نے ابراہیم کو آسمان وزمین کے ملکوت دکھا دیئے تاکہ وہ یقین کی منزل پر آجائے یہاں یقین موت نہیں ہے۔بلکہ قلب ابراہیم علیہ السلام میں وہ صحت روح پیدا ہو جائے کہ اندازہ ہو سب کا مالک تو وہی ہے۔

اب اگر نمرود یہ کہے کہ بہت بڑا مکان بناؤ، چہار دیواری بناؤ۔ اس میں آگ بھر دو، اس کو آگ میں ڈال دو۔ تو یقین ابراہیم علیہ السلام متزلزل نہیں ہوتا جس کو یقین ہوتا ہے وہ آگ میں جا کر محفوظ رہ سکتا ہے۔

نمرود نے حکم دیا۔ اس کو آگ میں ڈال دو۔

پھر یہاں یقین کا یہ عالم کہ جہاں یہ کہا گیا کہ حقیقت میں یقین جان خلیل آتش نشین ہے کہ وہ روح خلیل ہے آگ میں بیٹھنے والا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں نے ملکوت سماوات والارض کو دیکھا ہے۔

آگ اس نے جلائی ہے کنٹرول اس کا ہے ہولڈ اس کا ہے۔ تو یقین مثل خلیل آتش نشین ہے۔ یقین اللہ مستی، خود گزینی، ایک کیف ہے، ایک مستی ہے، ایک سرور ہے یقین جس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ نے یہ دولت دی ہے۔

سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار! "غلامی سے ہے بدتر بے یقینی ظاہر ہے وہ کون سا مسلمان ہے جس نے صبح سے شام تک کسی سے یہ نہ سنا ہو اور جس کو یہ آواز نہ پہنچائی جاتی ہو" اقبال کی؛

"یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم"

یقین محکم نہ ہو تو عمل کس کام کا، اسی منزل یقین پر جب ابراہیم علیہ السلام کو وہ کمال عطا ہوا کہ آگ کی طرف چلے اور ملکوت سماوات والارض کو دیکھ کر اس کا یقین کر لیا کہا جبریل ہٹ جاؤ، میرا خالق تم سے بہتر جانتا ہے کہ وہ کب میری مدد کرے۔

رب نے حکم دیا، اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔ سلامت رکھ ابراہیم کو، اب میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف، اب وہی میری ہدایت کرے گا ابراہم! تمہارا کہاں

نہیں ہے؟

یہ تین منزلیں ہیں آپ کی معرفت طلب نگاہوں اور دلوں کے لیے۔ یہ مزید روشنی مہیا کرتے ہیں: اِنِّیْ ذَاھِبٌ میں جا رہا ہوں رب کی طرف یعنی جہاں ہوں وہیں ہوں۔ مگر سفر کمال انسانیت کی منازل طے کر رہا ہوں۔ خیر کمال بشر آگے بڑھ رہا ہوں، اور وہیں ہوں مجھے حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قدم اٹھا کے رکھنا نہیں ہے۔ بیٹھو اور سفر کرو اپنی جگہ پر رہو اور ترقی کرو۔

پروردگار! تیری طرف آ رہا ہوں۔

اب ایک بیٹا آتا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں یقین کا عالم ہے، یقین دولتیں ہیں، ابراہیم ضعیف ہیں، اور اولاد نہیں، ابراہیم کی بیوی ضعیفہ ہیں اولاد نہیں ہے۔ مگر جانتے ہیں یقین اس پر ہے پروردگار! مجھے ایک بیٹا عطا کر۔ ابراہیم! اللہ کی طرف جانے میں اور بیٹے کے لیے دعاء میں کیا ربط ہے؟ میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف۔ مجھے بیٹا تو عطا کرتا کہ میرے یقین کا اور بھی امتحان ہو جائے۔ اب اس منزل پر رکتا ہوں۔ امیر المومنین یقین کی تعریف فرماتے ہیں:

''اسلام تسلیم ہے، تسلیم یقین ہے، یقین نام ہے تصدیق کا، تصدیق اعتراف ہے اعتراف فرض کی بجا آوری ہے اور فرض کی بجا آوری عمل کو کہتے ہیں۔''

اور اسلام نہیں ہے مگر تسلیم، تسلیم نہیں ہے مگر یقین۔ اور جہاں یقین آیا۔ تصدیق کی۔ جہاں یقین نہیں آیا تصدیق نہیں کی گئی۔

اس لئے کہا گیا ہے کہ عقل کو جو بہترین دولت دی گئی ہے وہ یقین کی دولت ہے یعنی اس کا کام یہ ہے کہ وہ یقین کے ساتھ یہ پہنچانے کہ اللہ پر سچ کون بول رہا ہے اس کی

تصدیق کرے۔ اور اللہ پر جھوٹ کون بول رہا ہے اور تکذیب کرے۔ تصدیق و تکذیب عقل کا کام ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ یقین ہو۔

اسلام نہیں مگر یقین۔ صبح سے شام تک کوئی "لا الہ الا اللہ" ہزاروں مرتبہ کہہ جائے مگر یقین نہ ہو تو۔؟ اور صبح سے شام تک کوئی محمد رسول اللہ کہے جائے اور اگر یقین نہ ہو تو کیا ہوگا۔ ایک مرتبہ کوئی یقین سے کہہ دے تو وہ ہزاروں مرتبہ کی بے یقینی کے عالم میں کہنے سے بہتر ہے۔

اس لیے ارشاد فرمایا جناب امیر المومنین علیہ السلام نے:

"عمل القلیل بالیقین خیر من کثیر العمل بلا یقین"

یقین کے ساتھ عمل قلیل کا انجام دینا اس کثیر عمل سے کہیں بہتر ہے جو بے یقینی کے عالم میں کیا جائے۔

"عبادت کرنے کا شوق اگر شک کے ساتھ ہے، بے یقینی کے ساتھ ہے تو اس سے یقین کے عالم میں سو جانا بہتر ہے۔"

بے یقینی کی عبادت نہ تو اللہ کو پسند ہے۔ نہ فرشتے اس عبادت کو قبول کر کے لے جاتے ہیں اور نہ انبیاء کو یہ عبادت پسند ہے ان کی امتوں کی کہ بے یقینی میں عبادت کی گئی۔

تسلیم یقین ہے تو مجھے ایک بیٹا عطا کر۔

بیٹا عطا ہوا اور جب یہ بچہ اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اس سے کہا۔ "بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں خواب میں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، تمہاری کیا رائے ہے؟

باپ نے خواب کا ذکر کیا بیٹے سے رائے پوچھی۔ باپ ہو تو ایسا ہو، اور بیٹا ہو تو ایسا

ہو۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کی دولت یقین کی جہان بیٹے نے بے اختیار (فوراً) کہا بابا! بجالایئے، جو حکم آپ کو ملا ہے۔

بیٹے نے یہ نہیں کہا کہ آپ علیہ السلام نے خواب دیکھا ہے۔ بیٹا خواب کو حکم الٰہی سمجھ رہا ہے۔ کہتا ہے کہ ''انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ آپ حکم تو بجا لائیں۔''

باپ کے یقین کا یہ عالم کہ خواب کو حکم الٰہی جانے۔ اور بیٹا جس نے خواب نہیں دیکھا، باپ کی زبان سے سن رہا ہے، باپ پر اتنا یقین کہ میرا باپ غلطی نہیں کرسکتا۔ ذبح کی منزل پر آئے۔ یہ وہ منزل تھی جب دونوں نے تسلیم کیا۔

"التسلیم هو الیقین"

ارشاد الٰہی ہوا۔

''ہم نے آواز دی۔ ابراہیم نے خواب کو سچا کر دکھا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یہی صلہ دیتے ہیں۔ یہ کھلا امتحان ہے، ہم نے اسے ذبح عظیم سے بدل دیا ہے اور ہم نے چھوڑ دیا اسے آخر زمانے کے لیے۔ سلام ہو ہمارا ابراہیم پر۔''

یہ یقین کی منزل ہے جہاں باپ خواب میں حکم پائے اور بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو جائے بیٹا انکار نہ کرے اور کہے، ہاں آپ عمل کیجئے اس گھرانے سے اگر محمد عربی اس یقین کی دولت کو آگے لیکر بڑھتے ہیں اور اگر اپنے چھوٹے نواسے سے یہ کہتے ہیں کہ ''میں تجھ سے ہوں'' تو مجھے اس لیے حیرانی نہیں کہ قرآن نے پہلے ہی کہہ دیا تھا ''ابراہیم علیہ السلام سے قرب رکھنے والا وہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔''

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانچ ہزار برس کے بعد آتے ہیں اور ابراہیم کی میت میں جاتے

ہیں انسانوں میں سب سے زیادہ قریب ابراہیم سے وہ ہے جو ان پر ایمان لائے یا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے "تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔"

دیکھا آپ نے یہ یقین نسلاً بعد نسل آیا اس گھرانے میں آیا۔ اب کیا ڈھونڈتے ہیں کہ ایمان کہاں تھا، کہاں نہ تھا، اسلام کہاں تھا، کہاں نہ تھا۔

یہ گھرانہ یقین کا گھرانہ، صدق و عدالت کا گھرانہ، اور اس گھرانے کی کیفیت ہی یہ ہے کہ جہاں بے یقینوں کو یقین عطا ہو۔

اسی منزل پر بیقرار ہو کر اقبال نے ایک عجیب فیصلہ کیا:

"آنکہ بخشد بے یقیناں را یقیں
آنکہ لرزد از سجود او زمیں"

وہ انسان جو بے یقینوں کو یقین عطا کرتا ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس کے سجدہ سے زمیں کانپتی ہے۔

"لا الہ الا اللہ کی تلوار کے سائے میں جس کا خون بہے تو اس کے خون کی بوند سے آواز آئے لا الہ الا اللہ۔ وہ حسین ہے جو بے یقینوں کو یقین بخشتا ہے۔"

۲۸ رجب کو مدینے سے نکلے، ۲۷ کا دن گزارنے کے بعد روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے، بڑے یقین سے آئے اور ایک مرتبہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ میں تھاما اور آسمان کی طرف سے اٹھا کر کہا۔

"پروردگار! یہ تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اب دیکھیے یقین کا عالم، الٰہی وہ وقت آگیا ہے جس کا تجھ کو علم ہے۔"

یہ یقین ہی کی منزل ہے۔ ابن عباسؓ نے حسین علیہ السلام سے پوچھا:

مولا! کہاں جائیں گے؟

کہا، عراق جاؤں گا۔

کہا مولا! دشمن بہت ہیں بچے ساتھ ہیں۔

فرمایا، ابن عباس! حکم الٰہی یہی ہے۔

عرض کیا، بہنوں کو تو چھوڑتے جایئے۔

ناگاہ کسی بی بی کا ہاتھ پردہ محمل پر پڑا اور آواز آئی ''ابن عباس! کیا تم بہن کو بھائی سے جدا کرنا چاہتے ہو۔''؟

ابن عباس نے مناسب نہیں جانا۔

آپ علیہ السلام نے تسلی دی۔ ''ابن عباس! میرے نانا کا حکم ہے۔''

اسماعیل اپنے پدر گرامی کا حکم لے رہے ہیں۔

حسین علیہ السلام ابن علی کہتے ہیں نانا کا حکم ہے۔ اللہ نے بھی یہی چاہا ہے کہ تم اس کی راہ میں قتل ہو جاؤ

''یقین کی منزل ہے۔''

منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے تیسری شعبان کو مکہ معظمہ پہنچے۔ ۸ ذی الحجہ کو مکہ چھوڑا، منزل صعلبیہ پر پہنچے۔ بیٹے نے آکر سلام کیا اور عرض کیا: بابا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ علیہ السلام کا بایاں ہاتھ کٹ گیا ہے، اور دایاں ہاتھ بھی کٹ گیا، آپ علیہ السلام کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔

کہا، سچ ہے۔ وہ قاسم ہیں جو قتل کیے جائیں گے، وہ عباس ہیں جو مارے جائیں گے، میرے اعزاء قتل کیئے جائیں گے۔ میں کربلا کی طرف جا رہا ہوں۔

آہستہ سے کہا، بابا! وہ آپ علیہ السلام کا سیدھا ہاتھ کون ہے؟

حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام تیزی سے کھڑے ہوئے علی اکبر کا ہاتھ تھاما، اور میدان کی طرف چلے اور کہا۔ ''علی اکبر''! تمہاری ماں سن رہی ہیں، بیٹا آہستہ بولو۔ وہ سیدھا ہاتھ تم ہو میرے لال۔''

یقین کی منزل

تو علی اکبر علیہ السلام نے برجستہ کہا، بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

ہم حق پر ہیں بیٹا۔ !''عرض کیا، جب ہم حق پر ہیں تو ہم کو موت پر ڈر کیا ہے۔''

وہ جس کو یقین کی منزل حاصل ہے، موت سے نہیں ڈرتا، اس کو تیر وسنان وخنجر وشمشیر نہیں ڈرا سکتے، اس کو لشکروں کا ہجوم خائف نہیں کرتا اس طرح سے میدان کربلا میں آئے۔ چوتھی سے لشکر پر لشکر آنے لگے حسین علیہ السلام کے خیمے دریا سے ہٹائے گئے، ساتویں سے پانی بند ہوا، آٹھویں اور نویں کو حسین علیہ السلام لشکروں کی کثرت کی وجہ سے گھرتے چلے گئے۔ نویں محرم کو حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام محصور ہو چکے تھے۔

اللہ! دسویں کا دن آیا قیامت کا دن تھا۔ ایک کے یقین نے ۷۲ کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا۔ اب سب یقین کے عالم میں آگے بڑھے۔

بھانجے گئے، بھتیجے گئے، اعزاء گئے، احباب گئے، اٹھارہ برس کا لال گیا، بتیس برس کا بھائی گیا، اور اب میرے امام علیہ السلام اکیلے رہ گئے۔ سر سے پاؤں تک زخمی تھے۔ خیمہ میں آئے سب کو خدا حافظ کہا۔ عابد بیمار کا بازو تھا سورہ حمد کی تلاوت کی، بیمار نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا بابا زخمی ہیں۔ پوچھا، بابا! کیا چچا مارے گئے؟ کہا۔ بیٹا! سب

مارے گئے۔

بیمار نے کہا، بابا مجھے اجازت دیجیے۔

"کہا نہیں بیٹا، نسل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باقی رہنا ہے۔" خدا حافظ کہہ کر چلے۔ جاتے جاتے بہن سے صرف اتنا کہا کہ عابد علیہ السلام بیمار تم سب کا خیال رکھیں گے، مگر زینب علیہا السلام بددعا نہ کرنا۔ یہ کہہ کر ایک مرتبہ خیمے کے قریب آئے گھوڑے کو آواز دی۔ کوئی ہے میری سواری کا لانے والا۔ گھوڑا اچھل کر آیا۔ بہن نے آگے بڑھ کر رکاب کو تھاما، حسین علیہ السلام گھوڑے پر آگے بڑھے، خیمے سے آگے بڑھے مگر گھوڑے نے چلنے سے انکار کر دیا۔

پوچھا، تو گھوڑے نے گردن کو جھکا لیا۔ دیکھا تو گھوڑے کے پاؤں سے سکینہ لپٹی ہیں۔ اس منزل پر بیٹی کو رخصت کیا کہا"۔ سکینہ علیہا السلام نہ روؤ بیٹے۔ شاید کہ میں پانی لاسکوں۔"

سکینہ نے صرف اتنا کہا۔ "چچا عباس علیہ السلام بھی یہی کہہ کر گئے تھے۔"

حسین علیہ السلام گئے کربلا کے میدان میں شام ہوتی گئی۔ سکینہ علیہا السلام دروازے پر کھڑی رہیں، بابا شاید اب آئیں گے، اب آئیں گے۔

ہائے کوئی بیٹی اس طرح سے منتظر نہ ہو۔ شام ہوگئی۔ بابا نہ آئے دوڑ کے پھوپھی کے پاس گئیں۔ پھوپھی اماں میرے بابا نہیں آئے۔

کہا "بیٹا بابا نہیں آئے تو پھوپھی جاتی ہے۔ پھوپھی میدان میں آئیں ہر طرف آواز دیتی چلیں، میرا بھائی کہاں ہے؟

ایک لاشہ کے قریب پہنچ کر آواز آئی۔ ادھر آؤ بہن، ادھر۔

بھائی کو خدا حافظ کہا، بھائی نے کہا جاؤ، اب خیمے میں جاؤ خیمے سے باہر نہ آنا۔ انتہا

تھی نا شہادت حسین علیہ السلام امتحان تھا نہ قتل حسین اس کے بعد ضرورت کیا رہی تھی۔ لشکر شام نے کہا۔ ”دل تو ہمارا سیر ہو چکا، خیمے تو جل چکے، بچے طمانچے کھا چکے، بی بیاں لٹ چکیں، اب اتنی اجازت اور دیں کہ قوم عرب جس کو ذلیل کرتے ہیں اس کی لاش کو گھوڑوں سے روندتے ہیں۔ پامال کرتے ہیں۔

اجازت مل چکی، حر علیہ السلام کا قبیلہ سامنے آیا، تلواریں کھینچ لیں کہا ہمارا سردار امیر قوم تھا، بڑی ذلت کی بات ہے اگر اس کا لاشہ پامال ہو۔ ہم اس کی اجازت نہ دیں گے۔ کہا، اچھا لے جاؤ۔ ایک ایک قبیلہ آتا تھا۔ ایک ایک کی لاش کو اٹھا کر لے جاتا تھا۔ ساری لاشیں اٹھ گئیں، مگر کون تھا، وارث اس لاشہ کو اٹھانے والا کربلا کے میدان میں۔

الٰھی و سیدی و مولائی

۵

مجلس: حج

خطیب اعظم مولانا سید محمد دہلوی اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

حضرات اس آیہ گرامی کے متعلق بانیان مجلس کی وجہ سے کچھ بیان دبانا پڑتا ہے اور کچھ بیان کر دیتا ہوں۔ مگر دبا ہوا مال اکثر قیمتی ہوتا ہے۔ میری پورعمر کا حصہ اسی کام میں گزرا ہے کہ میں اہلبیت علیہم السلام کے ان فضائل کو جو چھپے ہیں اجاگر کر دوں اور ان کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کروں کیونکہ اصل دین محبت ہے محبت۔ میں چاہتا ہوں کہ محبت ابھرے مگر کیا کروں اللہ چاہتا ہے کہ نفرت بھی ابھارو اور غالباً اس بات کا آپ کو یقین نہیں آتا ہوگا لیکن مجھے تو حج کے موقعہ پر میدان عرفات میں جانا پڑا تھا۔ وہاں مجھے اس کا اندازہ ہوا اور پتہ چلا ۹ ذی الحجہ کو جب ہم چلے تو صبح کو مشعر الحرام کی جانب سے منیٰ کی طرف گئے وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ یہاں آج بڑے شیطان کو دیکھا تھا یا ہم دیکھیں گے کہ کس شکل کا ہے مگر جب ہم وہاں پہنچے تو بڑی مایوسی ہوئی دیکھا کہ ایک پتھر کا مینار ہے جس پر حاجی بے حساب کنکریاں مار رہے ہیں بعض نے پتھر مارے اور بعض نے جوتے ہی مار دیے غرض ہم نے بھی سات کنکریاں لیں اور اس اسٹیچو کو ماردیں مگر شیطان کو نہ دیکھا۔ بڑی مایوسی ہوئی۔ اگلے دن کتابیں دیکھیں تو پتہ چلا کہ اب تین شیطانوں کی ٹھکائی کرنا ہے۔ ہم گئے تو پوچھا کہ شیطان کتنے ہیں کہا گیا کہ تین۔ ایک بڑا ہے ایک منجھلا اور ایک چھوٹا۔ خدا

گواہ کہ تینوں کی ٹھکائی ہوئی مگر ان میں سے ایک بھی کام کا نہ تھا۔ حضرت آدم کے قصہ کو ہزاروں سال گزر گئے مگر پتہ نہیں کہ خدا نے کیوں ٹھکائی کرائی لیکن صرف اس لئے کہ یہ رسم جاری رکھی جائے تا کہ نفرت کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ شیطانوں کے مارنے کا سلسلہ میں نے جب معلوم کیا کہ واقعہ کیا تھا تو پتہ چلا کہ یہاں جناب حاجرہ کو بہکانے آیا تھا۔ اب ہم کو معلوم ہوا کہ شیطان جب نبی کو نہیں بہکا سکتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیبیوں کو بہکاتا ہے اور ان کو بھی صرف تین مقامات پر شیطان تھک گیا یعنی تین ہی دفعہ میں اس لئے کہ بہکانے کی میعاد یہی ہے۔

میں نے سوچا کہ اللہ میاں حکم دیتے کہ شیطان بد شکل ہو جاتا اس کی ٹھکائی کرائی جاتی مگر ٹھکائی بھی کرائی تو نقل کی تو حضرات یہ حکم اس لئے دیا تا کہ سمجھ لیں بندے کہ اگر اصلی نہ ملے تو نقلی بنا کر ٹھوک لیا کرو، اب کریں حاجی انکار، ذرا پوچھو تو کسی حاجی سے۔

جب تینوں کی مرمت کر چکے تو اب چلے مکہ میں۔ پہلے نفرت قائم کی پھر محبت، تینوں کی ٹھکائی کے بعد اب جو چوتھے کو دیکھا تو وہ کعبہ، وہاں پہنچے طواف کیا۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑ دھوپ کی۔ جب کعبہ پہنچے تو تصور ہوا کہ یہاں کوئی پیدا ہوا تھا۔ یہ تصور صرف ہمارے ساتھ تھا، اوروں کو کہنے کا حق ہی نہیں۔ صرف ہمیں خیال آیا کہ یہاں ہمارا امام پیدا ہوا تھا لہٰذا کعبہ دیکھ کر دل میں محبت پیدا ہوئی۔ ادھر خدا کی اور ادھر خدا والے کی۔ لوگ نہ جانیں مکہ گھر والا کون اور کعبہ والا کون۔ رات کو بارہ بجے ایک صاحب فردوس کالونی میں گلیوں میں گھوم رہے تھے۔ پولیس نے دیکھا تو پکڑ لیا پوچھا کیا کر رہے تھے تو جواب ملا کہ دوست کا گھر تلاش کر رہا تھا۔ سپاہی نے کہا کہ نام بتایئے دوست کا مگر نام نہ بتا سکے تو پکڑ لئے گئے اور حالان در صیغہ آوارہ گردی درج ہو گیا کیونکہ صا مکاں

تلاش کر رہے تھے اور مکان والوں کا نام نہ جانتے تھے۔ مجھے معاف فرمائیں کہ آپ چاروں طرف کعبہ کے گھومتے رہیں اور کعبہ والے کو نہ پہچانیں تو شرعی آوارہ گردی میں چالان ہو جائیگا لہذا صرف بیت کے گرد چکر کاٹنا کافی نہیں جب تک کہ اہلبیت علیہم السلام کو نہ پہچان لیا جائے۔ ذرا اہلبیت کو بھی پہچان لیجئے۔

ہم وہاں ایک شے کو دیکھ کر ڈر گئے وہ یہ کہ اتنے بڑے کعبہ کو پردے نے چھپا رکھا تھا۔ غلاف چڑھا ہوا تھا۔ ہم سوچتے رہے کہ یہ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ نہ پتھروں کو سردی لگتی ہے نہ گرمی۔ یہاں اب بتوں کی شکل بھی نہیں۔ پھر کیا سبب کہ حرم تو ننگا مگر کعبہ غلاف میں۔ تو جواب ملا کہ آتے ہیں وہ جو سن سنا کر یہاں آ گئے تو اس لئے یہ اہتمام کیا کہ سارے حرم کا طواف نہ کیا جائے بلکہ صرف کعبہ کا لہذا تمیز پیدا کرنے کے لئے پردہ ڈال دیا تاکہ پتہ چل سکے کہ جو پردے میں ہے وہ اور ہے اور جو باہر ہے وہ اور گویا جو چاروں طرف ہے وہ بیت حرام یعنی محترم جگہ یہاں آ کر نماز پڑھئے مگر طواف اس کا کیجئے جس کے گرد پردہ ہے۔ اب سمجھ میں آیا کہ یہ پرانی ترکیب ہے کہ جو پردے میں رہے وہ زیادہ قابل احترام اور جو پردے کے باہر رہے وہ کوئی اور۔ جناب والا ہمارے نزدیک جملہ ازواج رسول قابل احترام ہیں مگر اس وقت تک جب تک کہ اپنی حد میں رہیں مگر تطہیر کی سند ان کے لئے ہوگی جن کو نبی نے چادر میں چھپایا جیسے کہ تمیز کے لئے کعبہ کو چھپایا۔ یہ سب چیزیں محبت کے لئے ہیں۔ کعبہ کی طرف رخ کریں۔ محبت کریں کعبہ کو دیکھیں اور کعبہ والے یاد نہ آئیں تو تعجب ہے اللہ اللہ شیطان تک کو تو یاد کر لیا کنکری مارنے کے لئے نیت کی شیطان کے مارنے کی تو آپ سمجھے کہ بیت کو تو آپ سمجھے مگر اہلبیت کو نہ سمجھے۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ اہلبیت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک پکے اہلبیت اور ایک

کچے اہلبیت۔ وہ اس طرح سمجھئے کہ میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں لیکن میری ہوگئی شادی اور جب میں بیوی کے گھر پہنچا تو دیکھا خسر صاحب کو۔ میں نے کہا۔ ابا جان سلام جواب دیا کہ بیٹا زندہ باد۔ گھر میں خسرانی ملیں۔ بھیا میں نے سسری نہیں کہا۔ نہ معلوم کیا بات ہے کہ بیوی کے سلسلے میں جتنے رشتے والوں نے بنائے۔ سب سین سے ایک بھی شین سے نہیں۔ میں نے خسرانی سے کہا کہ اماں جان آداب، جواب دیا کہ جیتے رہو بیٹا۔ قاعدہ تو یہ تھا کہ جب ان کے ابا کو ابا کہا تو بیوی کو کہنا چاہیے تھا کہ بہن جی آداب عرض لیکن جب انہیں دیکھا تو خاموش۔ پتہ چلا کہ اپنائیت کا رخ ماں اور باپ تک رہتا ہے لیکن بعد میں ندارد۔ آپ نہیں سمجھے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بیوی پر جا کر یہ طریقہ بدل جاتا ہے، ذرا اسے واضح کردوں۔ میں تقریباً دس برس بعد ایک دوست کے یہاں گیا۔ وہ بڑی محبت سے ملا کچھ دیر بعد دیکھا کہ ایک لڑکی آئی۔ میں نے دوست سے پوچھا یہ کون کہا کہ آپ ہی کی بیٹی ہے۔ ہم نے دعائیں دیں۔ کچھ دیر بعد دیکھا کہ ایک لڑکا آیا، میں نے دوست سے پوچھا کہ یہ کون کہا کہ آپ ہی کا لڑکا ہے۔ ہم نے پیار کیا۔ اتنے میں ان کا ایک داماد آ گیا۔ پوچھا یہ کون تو کہا کہ آپ ہی کا داماد ہے۔ پھر آ گیا کھانے کا وقت اندر گھر میں گئے۔ میں نے پوچھا گھونگھٹ نکالنے والی صاحبہ کو کہ یہ کون ہیں لہٰذا سابق رشتوں کے تعارف کے اعتبار سے کہنا تو یہ چاہئے تھا کہ فرماتے آپ ہی کی بیوی ہیں مگر اب خاموش۔

معلوم ہوا کہ وہ رشتے جنہیں اپنا بنایا جاتا ہے۔ وہ یا بیٹے کا ہوتا ہے یا بیٹی کا اور یا داماد کا لیکن بیوی کا رشتہ کبھی اپنا نہیں ہوتا۔ البتہ بھائی کا رشتہ اپنا ہوسکتا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ میں نے کچے اور پکے کیوں کہے صرف اس لئے کہ چند دن بعد اتفاق سے میرے اور بیوی کے درمیان ہوگئی کھٹ پٹ اس کا چلس ا مرا اچلس ا اس

کی تربیت اور میری تربیت اور جھگڑا پہنچا خدا تک توضیح کی ضرورت نہیں مجبوراً میں نے دے دی طلاق بیوی کو مگر ان کی اماں اور ابا کو خود بخود ہو گئی نہ اب ابا رہے اور نہ اماں اماں رہی یہ عجب نازک رشتہ ہے کہ دو بول پڑھے جڑ گیا اور ایک بول پڑھا ٹوٹ گیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ پکے وہ ہوتے ہیں جو ٹوٹ نہ سکیں انہیں طلاق نہ عاق۔ مثلاً باپ ماں بھائی وغیرہ۔ مسلمانوں کی کوشش صرف اس بات پر صرف ہوتی ہے کہ نبی کے ماں باپ کو کافر قرار دیں اور پھر یہی سلسلہ حضرت علی علیہ السلام تک پہنچایا جاتا ہے لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ جب ماں مسلمان اور باپ کافر تھے تو پھر پیغمبر نے جدائی کیوں نہ کرادی۔ اصول تو یہ تھا کہ مشرک کی بیوی مومنہ نہیں ہو سکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابو طالب تھے تقیہ میں میں نے جھوٹ بولا کہ وہ تقیہ میں تھے مگر معتبر ترین کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے نعوذ باللہ تین مرتبہ جھوٹ بولا۔ بھائی مسلمان اصل میں وہ ہے جو سنے سب کی اور سب کچھ مگر سمجھے کچھ نہیں۔ خدا کہتا ہے ابراہیم کے لئے ''ان کان صدیقاً نبیاءً'' وہ بیشک سچے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اب ایمان سے کہیے کہ عقل وعدل سے خدا تو کہتا ہے کہ وہ سچے تھے اور آپ کہتے ہیں کہ جھوٹے۔ تو اب میں آپ کے تین جھوٹوں پر ایمان لاؤں یا اللہ کے ایک سچے پر۔

جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹا کہا وہاں تو کتاب کافی نہ ہوئی اور جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلانا چاہا وہاں کتاب کافی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی کونسی کتاب کافی ہے۔ بہر حال ہم نے کعبہ میں جا کر ابراہیم کے مقام کو بھی دیکھا اور مصلے پر نماز بھی پڑھی **وا تخذو مقام ابراھیم**۔ وہاں ان سب کو یاد کیا اور گھر کو دیکھا تو گھر والے بھی یاد آئے۔

میرے عزیزو اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ خدا کی کتاب کو اکیلا چھوڑا اور نہ کعبہ کو

دونوں کے وارث کو اہلبیت کہہ کر تعارف کرایا اور بتادیا کہ یہ دونوں علیحدہ نہ ہوں گے جب تک کہ حوض کوثر پہ نہ پہنچ جائیں بشرطیکہ ان سے تمسک اختیار کیا ہے۔ دنیا والوں نے بہت چاہا کہ قرآن اور اہلبیت علیہم السلام میں جدائی پیدا کرلیں مگر ناکام رہے۔ سر و گردن میں جدائی تو کردی مگر بازار کوفہ و شام میں سر حسین نے سورہ کہف کی تلاوت کر کے ثابت کردیا اور قول رسول کی صداقت واضح کردی کہ کبھی آپس میں جدا نہ ہونگے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب سیدانیوں کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ کے بازاروں میں پہنچا تو کہرام بپا ہوگیا۔ ایسے عالم میں جب شہزادی جناب زینب نے خطبہ شروع کیا تو مجمع پر سناٹا چھا گیا اور چاروں طرف سے آوازیں آنے لگی کہ آج کوفہ میں علی بول رہے ہیں۔ شہزادی کا وہی انداز وہی طریقہ خطابت، وہی جراءت جس کو سن کر لوگ کہہ رہے تھے کہ کیا کہنا اس گھر کا مرد تو مرد اس گھر کی عورتیں بھی اطمینان نفس میں اور اپنی صفات میں فخر مریم و حوا ہیں۔ اسلام پر ان کا احسان ہے کہ ان کے ثبات قدم نے دنیا سے اسلام کو فنا ہونے سے بچالیا۔ دل چاہتا ہے کہ یہاں تھوڑا سا ذکر جناب زینب کا کروں تو مومنین کرام سنیئے جناب زینب کے اطمینان نفس نے معرکہ کربلا میں حسین علیہ السلام مظلوم کی کا فرمائیوں کو حقیقی مقصد تک پہنچادیا، ورنہ امام کے ساتھ بہتر شہداء کی جان فشانیاں خاک میں مل جاتیں۔ آپ کے نفس مطمئنہ کو لنگر سفینہ نجات کہئے تو بے جانہ ہوگا۔ میدان قتال میں تلوار کھا کر داد شجاعت دینا ضرور جہاد ہے لیکن جہاد نفس کا مرتبہ جہاد اکبر کے منصب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حکم شریعت اور مرضیٔ امام علیہ السلام سے آپ مجبور تھیں ورنہ شیر خدا کی بیٹی تھی، فاطمہ کا شیر بیٹا تھا۔ آپ کو خدا نے جو جوہر شجاعت اور اطمینان نفس عطا فرمایا تھا۔ اس کا مصرف یہی تھا جو راہ کوفہ و شام اور دربار عام میں ظاہر ہوا۔ خدا نے اسی کام کے لئے خلق کیا تھا۔ انہیں مصائب کے اٹھانے کے لئے پہلو میں شیر کا دل عطا ہوا تھا یا تھا صرد

رضا کی تعلیم پائی تھی، حضرت کو جب آمادہ سفر دیکھا تھا، اسی وقت سمجھ گئیں کہ جس کی خبر بابا دے گئے ہیں، وہی سفر ہے۔

آ گیا وقت امتحان۔ حکم شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے شوہر جناب عبداللہ کے پاس آئیں۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے، چہرے پر امید وبیم کے آثار نمودار، آ کر بیٹھ گئیں۔ جناب عبداللہ سمجھ گئے کہ کسی خاص ضرورت سے بنت حیدر کرار تشریف لائی ہیں۔ پوچھا، ثانی زہرا آپ نے کس لئے زحمت گوارا کی۔ کیا حاجت ہے۔ فرمایا اے ابن عم آج ایک حاجت لائی ہوں۔ آپ کو معلوم ہے۔ بھائی حسین علیہ السلام آمادہ سفر ہیں۔ آپ کو معلوم ہے مجھے بھائی سے جدائی گوارا نہیں۔ ان کی مفارقت میں زندگی محال ہے۔ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو پھر زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ کہہ کر مثل ابر نو بہار رونا شروع کر دیا۔ جناب عبداللہ رونے لگے اور کہا، اے فخر زنان ہاشمیہ آپ شوق سے بھائی کے ساتھ جا کر سعادت دارین حاصل کریں۔ میں آپ کو مانع نہیں۔ یہ کلمات سن کر آپ خوش ہو گئیں۔ آثار مسرت نمایاں ہونے لگے۔ شوہر سے رخصت ہو کر گھر آئیں۔ معلوم نہیں کیا کیا امور پیش نظر تھے جن کے سرانجام دینے کی امیدوں نے فراق شوہر و دوری وطن کو دل سے بھلا دیا۔ یہ نفس مطمئنہ کا پہلا کرشمہ تھا کہ انجام پر نظر پہنچ گئی۔ راہ میں اسی صبر و استقلال سے کام لیا۔ آیا وقت مصیبت جب رفقاء اپنی جانیں نثار کر چکے۔ مسلم کے نونہالوں نے شہادت میں سبقت کی۔ لاشیں خیمہ میں آئیں۔ جناب زینب کو حمیت کا جوش ہوا کہ بھائی پر پہلے میرے فرزند کیوں نہ نثار ہوئے۔ عون و محمد کو لیکر خدمت امام علیہ السلام میں آئیں۔ خود اذن دلوایا۔ بچوں کو سنوار کر میدان بھیجا۔ صاحبزادوں نے شیر مادر کا اثر دکھلایا۔ داد شجاعت دی۔ بچوں نے دادا جعفر طیار اور نانا اسد اللہ کا نام روشن کیا لڑ بھڑ کر ماموں پر جانیں نثار کیں۔ حضرت

لاشیں خیمہ میں لائے۔ ماں نے اطمینان نفس کا نمونہ دکھلایا نہ لاش پر روئیں نہ بیقرار ہوئیں لیکن شہادت شہزادہ علی اکبر کے وقت کچھ ایسی حالت دل پر طاری ہوئی کہ جب حضرت کو مقتل میں دیر ہوئی تو خود لاش علی اکبر پر پہنچ گئیں۔ وہ بھی جوش محبت میں اضطراری فعل نہ تھا۔ امام کی تنہائی پیش نظر تھی۔ کڑیل جوان فرزند کا لاشہ بوڑھے باپ سے کیونکر اٹھے گا۔ عجب نہیں یہ خیال آیا ہو کہ بہ تقاضہ محبت پدری حضرت بے ہوش نہ ہو گئے ہوں۔ چل کر بھائی کو سنبھالوں۔ لاش اٹھانے میں مدد دوں۔

یہ ثبات نفس اور اطمینان قلب کے ادنیٰ نمونے تھے۔ سخت امتحان کا وہ وقت تھا۔ جب سوائے امام زین العابدین اور جناب زینب کے لاوارث عورتوں اور یتیم بچوں کا کوئی سنبھالنے والا نہ تھا۔ خود امام زین العابدین کو۔۔۔۔۔۔ غش پر غش آتے تھے۔ ایک بیمار بے آب و غذا میں تحمل کہاں کہ وہ دوسروں کی خبر لے، تنہا بی بی مکرمہ معظمہ سب کی خبر لیتی تھیں۔ رات بھر جلے ہوئے خیموں میں طلایہ پھر کر بسر کی، کبھی مقتل میں لاشوں کے پاس جاتی تھیں، کبھی بچوں کو دلاسہ دیتی تھیں، کبھی بیمار کی تیمارداری میں مصروف ہوتی تھیں۔

وہ نازک وقت آیا کہ امیر لشکر عمر سعد نے اسیروں کے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ بیوہ عورتیں اور بچے مقتل میں اپنے وارثوں سے لپٹ لپٹ کر رخصت ہو رہی ہیں، ناگاہ بیمار کربلا گرتے پڑتے قتل گاہ میں پہنچے، دیکھا کہ ایک طرف جوان بھائی علی اکبر سینہ پر برچھی کھائے پڑا ہے، ایک طرف نہر کے کنارے چچا عباس شانے کٹائے زمیں پر پڑے ہیں۔ بنی ہاشم کے چھوٹے بڑے خون میں نہائے پڑے ہیں اور سر کسی کے جسم پر نہیں ہے۔ ایک نشیب میں باپ کا جسم بے سر تیروں زخموں سے چور چور رو بقبلہ پڑا ہے۔ ضعف و ناتوانی سے دل پر ہو صدمہ ہوا کہ ضبط نہ رہ سکا، زمیں پر غش کھا کر گرے۔ جناب زینب

نے دیکھا، دوڑ کر یادگار برادر کے پاس پہنچ گئیں اور تسکین و تشفی دینے لگیں۔ اے یادگار برادر، اے بقیہ اہلبیت رسالت، یہ کیا حالت ہے تمہاری اٹھو آنکھیں کھولو۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار سے سنی ہوئی روایت قدامہ بن زائدہ سے بیان فرماتے ہیں۔ اے ابن زائدہ! میرے جد بزرگوار کی اس وقت یہ حالت تھی کہ قریب تھا، جسم مبارک سے مفارقت کر جائے چنانچہ بزرگوار اس وقت کی اس حالت کو بیان فرماتے تھے۔ ''وکادت نفسی تخرج'' قریب تھا کہ میری جان نکل جائے۔ میری پھوپھی زینب قریب آ گئیں اور مجھے گود میں لے لیا اور فرمایا اے میرے بھائی اور باپ کے یادگار یہ کیا حالت ہے تمہاری۔ حضرت بیان فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ اے پھوپھی، مجھے کیونکر صبر آئے، حالانکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا آقا میرا مولا، میرا باپ اور میرے بھائی اور چچا اور تمام کنبے والے اور ناصر و مددگار بے غسل و کفن اپنے خون میں نہائے ہوئے پڑے ہیں اور ان کے پاک جسموں پر لباس تک باقی نہیں ہے۔ نہ تن پر سر ہے نہ کوئی غسل دینے والا ہے، نہ کفن میسر ہے، نہ کوئی قبر میں رکھنے والا ہے بلکہ اس کی طرف سے کوئی گزرتا بھی نہیں۔ گویا قبیلہ دیلم کے یہ مردے ہیں۔ پھر بھلا کیونکر نہ میری حالت تباہ ہو، جناب زینب نے یہ سن کر فرمایا۔ یہ پھوپھی تم پر قربان ہو جائے، اے نور چشم یہ مصائب جو اس وقت پیش آ رہے ہیں۔ قسم ہے اقدس الٰہی کی یہ ایک عہد میثاق ہے خدا کی طرف سے جو نانا رسول خدا سے لیا گیا تھا جس کو ہمارے پدر بزرگوار بھائی حسن اور بھائی حسین سب جانتے تھے۔ مجھ سے ام ایمن نے یہ تمام واقعات بیان کئے ہیں اور میں پہلے سے جانتی تھی کہ اس زمین پر کیا کیا مصائب ہم پر واقع ہوں گے۔

عزادارو! حدیث ام ایمن بہت طولانی ہے جس کو خود امام نے نقل فرمایا ہے اور سن لیجئے کہ جناب زینب نے سب واقعات بیان کر کے اپنے پارہ جگر بیمار کربلا سے کہا۔

اے بیٹا میں نے شب ضربت بابا کی وفات سے ایک روز قبل یہ حدیث بیان کی تھی۔ بابا بہت روئے اور فرمایا۔ اے خنکی چشم زینب، یہ امر اس طرح یقینی ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تجھکو اور دختران اہلبیت کو بذلت ورسوائی اسیر کیا ہے اور اسی شہر کوفہ میں پھرا رہے ہیں۔ اے بیٹی جب وہ روز آئے تو ایسا صبر کرنا جو صبر کا حق ہے۔

حضرات یہی وہ تعلیم تھی جس نے زینب کے قلب میں اطمینان پیدا کر دیا کہ امام زمانہ کو حالت علالت وہجوم مصائب میں بزرگوں کے عہد میثاق کی یاد دلا کر مطمئن کر دیا۔ گویا ایک سیلاب غم تھا جس کو ثانی زہرا نے صبر کی دیوار سے روک دیا۔ بیمار وناتواں اسیر فوج شام امام غم کا پہاڑ سر پر اٹھانے کو تیار ہو گیا۔ امام مظلوم کو تو اس کا موقع نہیں ملا کہ فرزند سے وصیت فرماتے مگر خدا نے اس کام کے لئے جناب زینب کو پیدا کیا تھا کہ قافلہ سالار اہلبیت بیمار کربلا کو یہ سب واقعات پہنچ جائیں پھر تو امامت پر فائز ہو کر خود راز دار قدرت ہو جائیں گے اور صبر کی قوت آجائے گی۔

مومنین! ویسا ہی ہوا پھوپھی نے جس وقت یہ حدیث بیان کی، بیمار کربلا کو صبر آ گیا، مقتل سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ گویا ثابت کر دیا کہ اگر میرے بزرگوں نے خدا سے اقرار کیا ہے تو میں اب حاضر ہوں، اشقیاء مجھے طوق پہنائیں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پاؤں میں بیڑیاں ڈالدیں، دختران فاطمہ کو سر برہنہ اسیر کر کے بازاروں میں پھرائیں، میں اُف نہ کروں گا، چنانچہ ایسا ہی کر کے دکھلایا۔ قدم قدم پر ذلت ورسوائی اور تازیانوں سے سابقہ تھا مگر نہ لب پر شکوہ تھا، نہ منہ سے اف نکلی۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

(٦)

مجلس: میراث، عقل اور وحی الٰہی

حجۃ الاسلام علامہ طالب جوہری مدظلہ العالی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

عزیزان محترم! میراث عقل اور وحی الٰہی کے عنوان سے ہمارا سلسلہ گفتگو ہے۔ پروردگار نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا:

مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا

ہم اس وقت تک کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک اس قوم پر پیغام نہ پہنچادیں، رسول کو نہ بھیجیں۔ یعنی ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے پیغام پہنچے، پھر نافرمانی ہو، پھر عذاب آئے۔

آج جو ہمارے پاس تہذیب کی میراث ہے، علم و فضل کی میراث ہے، یہ جو آگہی کی میراث ہے، یہ صدقہ ہے رسولوں کے آنے کا۔ رسول اس لیے بھیجے گئے کہ وہ بتلائیں کہ نیک کیا ہے بد کیا ہے۔ نیکی کیا ہے بدی کیا ہے، حلال کیا ہے، حرام کیا ہے۔ رسول اس لیے بھیجے گئے کہ وہ ہمیں بتلائیں کہ اللہ کی مرضی ہے کیا۔ تو اللہ کی مرضی کو انسانوں تک

پہنچانے کا نام رسالت ہے۔ رسول اتنے معتبر ہیں کہ اللہ آواز دیتا ہے:

امرنا مترفیھا۔

ہم نے حکم دیا۔

حکم دیا رسولوں نے، اللہ اس کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے بڑے معتبر لوگ ہیں اور اللہ کے نظام ہدایت کا نام ہی رسالت ہے۔ آئے، انہوں نے اللہ کی مرضی بتلائی۔ حلال بتایا، حرام بتایا، نیک بتایا، بد بتایا، خبیث بتایا، طیب بتایا۔ چلے گئے۔

میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیا، اس نے حلال کیا، حرام کیا، نیک بتایا، بد بتایا۔ اللہ کی مرضی بتلائی، پورا دین دیا اور میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلا گیا۔ اب پوری ملت اسلامی سے سوال کر رہا ہوں۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب دی، قلم دیا، وحی دی، دین دیا وہ تمہیں مل گیا یا نہیں؟ تو جس کام کے لیے آیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ اس کی ضرورت ختم ہو گئی تو اب کیا ضرورت ہے کہ ہم اس کا احترام کریں؟ (یہ مرحلہ فکر ذرا سا نیا ہے)۔

دیکھو تم ہو افادیت پسند معاشرہ میں۔ سگریٹ لائٹر کی گیس ختم ہو گئی تم نے اٹھا کر پھینک دیا کہ افادیت ختم ہو گئی۔ بال پوائنٹ کی روشنائی ختم ہو گئی اٹھا کر پھینک دیا۔ دوسرا لے لیا کیوں کہ اس کی افادیت ختم ہو گئی۔ ایک مرتبہ سرنج سے انجکشن لگا لیا اب اس کی افادیت ختم ہو گئی تم نے پھینک دیا۔ تو تم جس معاشرہ میں ہو وہ **disposable** معاشرہ ہے۔ افادیت ختم ہو جائے تو اٹھا کر پھینک دو۔

بھئی تم تو غیر متمدن ہو (معاف کر دینا یہ جملہ بڑا تلخ ہے) وہ متمدن یورپ والے جب ماں باپ کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو ان کو اسپتالوں میں پھینک دیتے ہیں جو بوڑھوں کے لئے مخصوص ہیں۔ یہ متمدن معاشرہ ہے اور قرآن نے آواز دی کہ ماں باپ

کے سامنے اف بھی نہ کرو۔ تو یہ فرق کیسے ہو گیا؟

ان سے پوچھو کہ یہ جو عقلیں تم لیے بیٹھے ہو یہ بازار سے خریدیں ہیں یا تمہیں والدین سے میراث میں ملی ہیں۔ یہ عقل خریدی ہوئی نہیں ہے یہ میراث میں آئی ہے اور آئی کس کے ذریعے والدین کے ذریعے۔ تو قرآن یہی چاہتا ہے کہ تم والدین کا احترام کرو تا کہ تمہیں وسیلہ کا احترام کرنے کی عادت ہو جائے۔

میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام دیا لیکن اس کی افادیت ختم نہیں ہوئی اس لیے کہ قرآن نے آواز دی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورہ احزاب۔۲۱)

قیامت تک کے لیے ہم نے رسول کے کردار میں نمونہ دیا ہے۔ تو کوئی کسی بھی پیشے کا ہو نمونہ رسول ہے۔ قرآن عام لفظ استعمال کر رہا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

ہم نے پوری انسانیت کے لیے، قیامت تک آنے والے ایک ایک انسان کے لیے اپنے رسول میں نمونہ رکھا ہے۔ ہر پیشے کے لیے نمونہ ہے۔ تو جب رسول ہر پیشے کے لیے نمونہ ہے۔ تو وہ کھجور کے درخت لگانے والے۔۔۔۔۔ انہیں کیسے غلط بتائے گا؟

بڑے بڑے مسلم مفکرین یہ کہتے ہیں کہ رسول کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک ''عین وحی الٰہی'' جب اللہ سے رابطہ میں ہیں۔

اور ایک ''اجتہاد'' کہ کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقتی طور پر اس کا جواب دے دیا اور وہ مسئلہ وہیں ختم ہو گا، وہ جواب وہیں ختم ہو گیا گا وہ اب قیامت تک نہیں جائے گا۔

تو بھائی آپ کون ہیں جو قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فتویٰ لگائیں کہ یہ وقتی ہے اور یہ دائمی۔۔۔۔آپ تو امی ہیں آپ کو یہ حق کس نے دیا؟ اللہ نے تو اپنے رسول کے قول و عمل پر مہر لگائی:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ.(سورہ انعام آیت ۵۰)

جو کرتا ہوں وحی الٰہی ہے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۝۴ (سورہ نجم)

جو کہتا ہے وہ وحی الٰہی ہے۔تو پورا رسول مجموعہ ہے وحی الٰہی کا۔تو کان کھول کے سن لو! وحی الٰہی وقتی نہیں ہوا کرتی۔

جو طاقت اللہ نے اپنے آخری رسول کو دی ہے اس سے پہلے کسی رسول کو نہیں دی۔

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ.(سورہ حشر آیت ۷)

رسول جو دے وہ لے لو جس سے روکے رک جاؤ۔یہی کہا تھا نا! یہ تو نہیں کہا تھا جو مانگے مت دینا۔

رسول کا کوئی حکم وقتی نہیں ہوتا دائمی ہوتا ہے۔حضرت سمرہ ابن جندب کا ایک کھجور کا درخت تھا ایک دوسرے شخص کے گھر میں۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔جب تشریف لے جاتے تھے تو اس گھر والوں کو پریشانی ہوتی تھی۔جب ملکیت ہے تو جب چاہیں گے جائیں گے۔گھر والے یہ کہا کرتے تھے کہ بھائی پوچھ کر آیا کرو بغیر پوچھے آتے ہو تو ہمیں بھی پریشانی ہوتی ہے۔وہ نہیں مانے۔گھر والوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔بڑا

مشہور واقعہ ہے اور میں چاہوں گا کہ اس واقعے کو ذہن میں محفوظ رکھو۔

رسول نے کہا: بلاؤ حضرت سمرہ تشریف لائے۔

کہا: کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ درخت دے دیں میں آپ کو ایک اور درخت دے دوں گا۔

کہا: نہیں یا رسول اللہ۔۔۔ کہا: اچھا یہ ایک درخت دے دیں اور اس کے بدلے ایک سے زیادہ درخت لے لیں۔

کہا: نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

یہ منزل اطاعت تمہاری سمجھ میں آرہی ہے؟۔۔۔ اس واقعے کے پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ "محمد رسول اللہ" کہے تو بھی نافرمانی ہو سکتی ہے۔ بھئی رسول تو وہ ہے کہ جس کے حکم پر جان دی جاسکتی ہے۔ یہ درخت کیا چیز ہے؟

پھر کہا: ایسا کرو کہ یہ درخت دے دو میں جنت میں تمہیں ایک درخت دوں گا۔

کہا: نہیں یا رسول اللہ!

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مڑے اور انہوں نے حکم دیا کہ اس درخت کو اکھاڑ کے باہر پھینک دو اور اس کے بعد فرمانے لگے:

لاضرار ولاضرر فی الاسلام.

اسلام میں نہ ضرر برداشت کرنا جائز ہے۔ نہ ضرر پہنچانا، کرنا جائز ہے، قیامت تک کے لئے کلیہ دے دیا یا نہیں؟۔۔۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئینہ دے دیا کہ اس آئینے میں اپنی بگڑی ہوئی شکلیں تو دیکھ لو۔

نوجوانوں سے ایک جملہ کہہ رہا ہوں کہ جب آیات میں کوئی گوشہ تمہیں نظر آئے

تو ایسے ہی خوش ہوا کرو جیسے فضیلت علیؑ پر خوش ہوتے ہو۔ اس لیے کہ علیؑ میں اور قرآن میں جدائی نہیں ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان جتنے بھی ہیں وہ شریعت میں اور دین میں دو بنیادی باتوں پر متفق ہیں۔ ایک اللہ کی کتاب، دوسرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت۔ یہ ہیں sources علم کے شریعت کے، قرآن کے صرف دو sources۔۔۔۔اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت۔

اللہ کی کتاب سب جانتے ہیں کہ یہ پہلا ماخذ ہے جس سے دین لیا گیا اور جس سے شریعت دی گئی۔ اب دوسرا ماخذ۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور سنت کے تین معنی۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہے وہ سنت، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کرے وہ سنت اور تم اس کے سامنے کچھ کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں نہ ٹوکے وہ بھی سنت۔

لیکن قول و فعل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرق ہے وہ میں تمہیں ہدیہ کرنا چاہ رہا ہوں۔ دیکھو عمل سے زیادہ اہم ہے قول۔ اس لیے کہ عمل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ اس عمل کو ہمیں کرنا چاہیے یا نہیں۔ اب تم سوچو گے کہ یہ کیا بات میں نے کہہ دی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمل کرے اور ہم نہ کریں۔ میاں! رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ایک وقت میں نو یا گیارہ ازواج مطہرہ تھیں۔ کرو گے؟

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو ہم آنکھ بند کر کے نہیں لے سکتے۔۔۔۔عمل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لیے اس وقت تک حجت نہیں ہے جب تک قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ نہ آ جائے۔

تو جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا وہ تم نہیں کر سکتے جب تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بتلائے اور جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا وہ بھی تم نہ کرو ایسا نہیں ہے۔ مثال دے دوں (مات

ذرا سطح عمومی سے بلند ہوگئی لیکن کام کی ہے) چار رکعتی نماز میں اگر چوتھی اور تیسری میں شک ہو جائے تو اس کا حل فقہ جعفری نے کیا بتایا ہے؟ کہ یہ فرض کو لو کہ یہ چوتھی ہے پھر نماز کو مکمل کرو اور ایک رکعت نماز احتیاط پڑھو۔

چیلنج کر رہا ہوں کہ یہ کام تمہیں کرنا ہے، نماز احتیاط پڑھنی ہے۔ کیونکہ شک ہوگیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی نماز احتیاط نہیں پڑھی۔ اس لئے کہ اس نماز کی بنیاد شک ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شک نہیں ہوا کرتا۔ تو عمل کے مقابلے پر قول کی اہمیت زیادہ ہے۔

اب میں آیا تقریر پر کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تم کوئی کام کرو اور رسول نہ ٹوکے یہ بھی سنت ہے۔ یہ میں نے کہاں سے کہہ دیا؟۔۔۔

یامرو ھم بالمعروف وینہا ھم عن المنکر۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب ہے کہ وہ اچھائی کا حکم دے، نبی پر واجب ہے کہ وہ برائی سے روکے۔ اگر اس کے سامنے برائی ہو رہی ہے تو اس پر روکنا واجب ہے اور اگر نہ روکے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ برائی نہیں ہے۔ تو رسول حالت صحت میں ہو تب واجب ہے، حالت مرض میں ہو تب واجب ہے۔ اگر منہ سے نہ ٹوک سکے تو منہ پھیرے اور اگر منہ بھی نہ پھیر سکے تو محفل سے تو اٹھا دے نا!

یہ میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال بیان کی۔ ہر رسول اپنے زمانے میں اتنا ہی اہم تھا اپنی امت کے لیے۔ بس یہ کہ ان کی رسالتیں محدود وقت کے لیے تھیں اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت لامحدود وقت کے لیے ہے۔

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً

وَنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (قصص آیت ۵)۔

ہم نے یہ طے کیا ہے کہ لوگ جنہیں کمزور بناتے ہیں انہی کو ہم امام بنائیں گے اور انہی کو وارث بنائیں گے۔ یہ پانچویں آیت ہے درمیان سے ایک آیت چھوڑ رہا ہوں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

ہم نے موسیٰ کی ماں پر وحی کی۔۔۔ کہ بیٹے کو دودھ پلاؤ۔۔۔ وحی آ رہی ہے دودھ پلانے کے لیے۔۔۔ مالک! ہر ماں اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے، یہ کیسا حکم ہے؟ کہا: ہم بتلانا یہ چاہ رہے ہیں کہ جو ہمارا رسول ہوتا ہے اس کی غذا حلال ہوتی ہے اور واضح کر دوں۔ اسے جانا ہے فرعون کے محل میں۔ جہاں بھی جائے غذا پاک ہو۔ یہ نظیر اس لیے بنا رہا ہوں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی گھر میں پلے تو سمجھ لو کہ اس گھر کی غذا پاک ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ

اور ہم نے موسیٰ کی ماں پر وحی کی کہ اسے دودھ پلاؤ۔

فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ

اور اگر تجھے خوف ہو کہ فرعون کے سپاہی اسے مار ڈالیں گے تو نہ گھبرا۔۔۔ اسے پانی میں پھینک دے۔

وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ

دیکھ نہ گھبرانا، دیکھ خوف نہ کرنا۔

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ

ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس بچے کو تیرے پاس پلٹا کے لائیں گے۔ کبھی میرا جی

چاہتا ہے کہ میں اللہ کے کلام سے قریب ہو جاؤں۔۔۔۔ تو دیکھو اللہ کے

إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ

ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس بچے کو تیرے پاس پلٹا کر لائیں گے

وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ.

۔ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس بچے کو رسول بنائیں گے۔

اب سورہ طٰہ بیسواں سورہ قرآن کا:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ (سورۂ طه)

موسیٰ جب کوہ طور پر گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ جاؤ فرعون کے دربار میں تو موسیٰ نے مدد مانگی ہے تو کہا: جاؤ ہم نے تمہیں ہارون کو بطور وزیر دیا ہے۔اور موسیٰ کچھ یاد ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ۔ ہم تم پر پہلے بھی ایک احسان کر چکے ہیں۔

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ (سورۂ طه)

اور ہم تمہاری ماں پر ایک وحی کر چکے ہیں

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ (سورۂ طه)

ہم نے موسیٰ کی ماں پر یہ وحی کی تھی کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھو اور اس صندوق کو پانی کے حوالے کر دو۔ پانی اسے لے کر جائے گا (اور کنارے تک پہنچائے گا)۔

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ (سورۂ طه)

اور پھر اس بچے کو وہ اٹھائے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے۔

وہ چاہے تو دشمن کے گھر موسیٰ علیہ السلام کو پلوا دے، موسیٰ کی پرورش کروا دے۔

میں تاریخ انبیاء سے موسیٰ کا واقعہ بیان کر رہا ہوں۔ اب فرمایا:

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ (سورۂ طٰہ)

میں نے اس دشمن کے دل میں تمہاری محبت ڈال دی۔

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (سورۂ طٰہ)

تاکہ تم پلو دشمن کے گھر میں لیکن میری آنکھوں کے سامنے۔ موسیٰ علیہ السلام کی پوری زندگی اللہ کی نظروں میں۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی محبت کا مرکز بنایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کو کام لینا ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ (سورۂ طٰہ)

میں نے تمہیں اپنے لیے بنایا ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں پلوایا ہے اپنی نگاہ کے سامنے ہر نبی اللہ کی نگاہ کے سامنے پلتا ہے اسی لیے کسی نبی کا بچپن کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ (اس جملے کی قدر سمجھتے رہنا) ہر نبی کو اللہ پالتا ہے اس لیے اس کا کوئی دوست نہیں ہوتا اللہ اس کا دوست ہوتا ہے۔ تاریخ قرآن ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (سورہ انعام)

پروردگار نے ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد ۱۸ نبیوں کے نام لیے۔ سارے نبیوں کے نام گنائے اور کہا:

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورۂ انعام)

ہم نے جب بھی ہدایت کے لیے لیا۔ یا نبیوں کے آباؤ اجداد سے لیا یا نبیوں کی

نسلوں سے لیا یا نبیوں کے بھائیوں سے لیا۔ تو ہادی یا سلسلہ نبوت سے آئے گا یا سلسلہ نبوت کے بھائیوں میں سے آئے گا یا سلسلہ نبوت کی نسل سے آئے گا۔ کبھی سلسلہ احباب سے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں آیا

انہیں نبیوں کے نام لے کر اللہ کہتا ہے:

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ (سورہ انعام)

اگر انہوں نے شرک کیا تو ان کے سارے اعمال ضائع کر دوں گا۔

تو پروردگار! جو نبی تیری نگاہوں کے سامنے پلے بڑھے ہیں ان میں شرک کہاں سے آجائے گا؟ سارے انبیاء کو تو۔ تو اپنے لیے بناتا ہے، اپنے سامنے ان کی پرورش کرواتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اگر یہ شرک کریں تو ان کے سارے اعمال ان کے منہ پر مار دوں گا۔

پروردگار! جو بچپنے سے تیری نگرانی میں پل رہا ہے اس میں شرک کی گنجائش کہاں سے آئے گی ۔۔۔۔ ہے سوال؟ ۔۔۔۔ دیکھو یہ اتنا بڑا مسئلہ ہے کہ پوچھو عالم اسلام سے جا کر کہ یہ کیا ہو گیا؟ وہ جو معصوم ہیں، وہ جو پوری ذمہ داری خدا کی قبول کرتے ہیں ان سے اللہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سارے اعمال تمہارے منہ پر مار دوں گا۔

یہیں سے اتصال ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ (سورۃ ضحیٰ)

حبیب تو یتیم تھا میں نے تجھے پالا ہے۔ حبیب کبھی تجھے اکیلا نہیں چھوڑا ۔۔۔ تو

آدم علیہ السلام سے خاتم تک۔۔۔ تمام نبیوں کا پالنے والا اللہ، اور وہ نبی جو آخری ہے اس کے لیے کہتا ہے:

تو یتیم تھا ہم نے تجھے پالا اور جانتے ہو قرآن میں اس کے لیے کیا ہے؟

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (سورہ زمر آیت ۶۵)

حبیب اگر تو نے شرک کیا تو سارے اعمال تیرے منہ پر ماردوں گا۔ وہ حبیب جس کی قسمیں تو کھاتا ہے اس سے کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سارے عمل تمہارے منہ پر ماردوں گا۔

بھئی ہوا کیا؟۔۔۔ نبی تو شرک کر ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ آدم علیہ السلام ہوں یا خاتم ہوں شرک تو کر نہیں سکتے تو یہ کس شرک کا تذکرہ ہے؟

بھئی یہ شرک "فی اللہ" نہیں ہے۔ یہ شرک "فی التبلیغ" ہے۔ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، ہم نے تمہیں پالا ہے۔ ہم نے تمہیں سہولتیں دی ہیں، ہم نے تمہیں علم دیا ہے، ہم نے تمہیں عصمت دی ہے، ہم نے تمہیں ہادی بنا کر بھیجا ہے۔ اب تبلیغ اکیلے کرو۔ میری وحی تمہارے ساتھ ہے اگر کسی کو ساتھ لیا تو یہ شرک ہوگا۔ تو تمہارے سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔

اب وہ موسیٰ علیہ السلام ہوں، ہارون ہوں یا داؤد علیہ السلام ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ کسی کو حق نہیں ہے کہ "اذن الٰہی" کے بغیر کسی کو بھی اپنی تبلیغ میں شریک کرے۔

ادھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا پہلا دن ہے اور پوچھ رہے ہیں کہ ہے کوئی میری مدد کرنے والا؟ اب میں پوچھوں۔۔۔ رسول نے اپنی مرضی سے مانگا ہے یا اس کی مرضی سے مانگا ہے؟

ذوالعشیرہ کی دعوت میں جہاں بڑے بڑے بزرگ بیٹھے ہیں، بڑے بڑے صنادید قریش بیٹھے ہیں، بڑے بڑے سردار بیٹھے ہیں۔ میرا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوچھ رہا ہے:

ہے کوئی میری مدد کرنے والا تبلیغ اسلام میں؟ کوئی بزرگ نہ اٹھا۔

بچہ اٹھا اور کہا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ! میں آپ مدد کروں گا۔

کہنے لگے: یہ علی علیہ السلام ہے، یہ میرا بھائی ہے، یہ ابوطالب کا بیٹا ہے۔ اس کی بات سنو اس کی اطاعت کرنا۔ بچے کی بات!؟

یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اس کی اطاعت تو آپ کے بعد ہوگی نا یہ پہلے ہی سے کیوں اعلان کر رہے ہیں؟

کہا: بھئی قرآن کہہ چکا ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے وہ معصوم ہو۔ اس کی عصمت کا اعلان کر رہا ہوں۔

فرمایا:

فاسمعوا له واطیعوا۔

یہ بچہ جو بڑوں کے مجمع میں کھڑا ہو گیا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یا رسول اللہ میں آپ کی مدد کروں گا تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

عجیب بچہ ہے بھرے ہوئے بڑوں کے مجمع میں اکیلا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کا وعدہ کرتا ہے۔

ابھی تین چار دن پہلے یہاں ایک بچے نے کھڑے ہو کر نعرہ لگا دیا تھا۔ تو بزرگوں نے اسے روک دیا کہ بڑوں کی محفل میں بچے کا کام کیا۔ اچھا ہی کیا اسے روک دیا کہ اس کی جرأت کیسے ہوئی کہ بڑوں کی محفل میں بولے تو بڑے نے اسے روک دیا۔

اب وہ کیسا بچہ ہے کہ بڑوں میں کھڑا ہوا بول رہا ہے اور کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اسے ٹوکے آج پتہ چلا کہ اللہ جسے عصمت دیتا ہے اسے ہیبت بھی عطا کرتا ہے۔

علی علیہ السلام نے پوری زندگی اپنے لیے دعا نہیں مانگی اور اگر مانگی تو یہ دعا کہ مالک مجھے ایک ایسا بچہ دے دے جو کربلا میں حسین علیہ السلام کے کام آئے۔

کیا شہزادہ عطا ہوا ہے علیؑ کو!

نو محرم کی شام کو شمر رشتہ ملا رہا تھا عباس علیہ السلام سے۔ قریبی نہ سہی لیکن عباس علیہ السلام کی والدہ اسی قبیلے کی تھیں جس قبیلے کا شمر تھا۔ شمر عباس علیہ السلام کے لیے اور عباس علیہ السلام کے بھائیوں کے لیے امان کا پروانہ لکھوا کے لایا تھا۔ اس نے خیمہ حسینی کے پاس آ کر عباس علیہ السلام کو آواز دی۔ عباس نے جواب نہ دیا دوسری آواز دی عباس علیہ السلام خاموش رہے۔

تیسری آواز پر حسین علیہ السلام نے کہا: بھائی مل آؤ۔ سن تو لو۔

حکم امام علیہ السلام پر اٹھے شمر کے پاس آئے کہا: کیا ہے؟۔۔۔

کہا! میں تمہارے لیے اور تمہارے بھائیوں کے لیے امان نامہ لایا ہوں۔

عباس علیہ السلام کا جملہ مقتل کی کتابوں میں آج تک موجود ہے کہنے لگے: **تبت یداك** تیرے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ میرے لیے امان ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کے لیے امان نہیں ہے؟

تم نے غور کیا کہ عباس علیہ السلام نے کیا کہا۔ تبت یداک۔ شمر تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ یہ وہی جملہ قرآن کا جو رسول کے چچا کے لیے آیا تھا **تبت یدا ابی لھب وتب**۔۔۔

اللہ نے رسول کی رشتہ داری چچا سے کاٹی۔ عباس علیہ السلام نے اپنی رشتہ داری شمر

سے کاٹی۔

بڑا بہادر ہے۔۔۔ حسن علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کی جب شام کی فوج سے جنگ ہوئی ہے تو بہت بڑی فوج تھی۔ حسن علیہ السلام کے پاس لوگ کم تھے۔ کسی نے حسن علیہ السلام کا گھوڑا چھین لیا۔ کہیں بندھا ہوا تھا۔ اس گھوڑے کو کھول کر لے گئے۔ اس گھوڑے کا نام تھا۔ طاویہ۔ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔

عاشورہ کے دن ایک شخص نے عباس علیہ السلام کو مخاطب کیا اور کہا: یہ گھوڑا پہچانتے ہو؟ یہ وہی گھوڑا ہے جسے حسن علیہ السلام سے چھینا گیا تھا۔ عباس علیہ السلام کہنے لگے: ہاں پہچانتا ہوں۔ یہ کہ کر نیزہ کا وار کیا وہ شخص گرا۔ گھوڑے کی لگام تھامی واپس لائے اور کہا ہم اپنی چیز کو ایسے واپس لے لیتے ہیں۔ پہچان لیا عباس علیہ السلام کو؟

آئے: مولا مجھے جنگ کی اجازت ہے؟

کہا: عباس علیہ السلام تم مجھے اکیلا چھوڑنا چاہتے ہو؟

کہا: نہیں مولا آپ کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا بلکہ آپ کے بعد اکیلا جینا نہیں چاہتا۔

حسین علیہ السلام نے کہا: ابھی نہ جاؤ عباس

عباس علیہ السلام نے کہا: مولا کب تک روکیے گا؟

اب یہ بات ہو رہی تھی کہ خیمے میں سے آواز آئی: پھوپھی اماں میں بہت پیاسی ہوں۔

حسین علیہ السلام نے کہا: عباس علیہ السلام جنگ بعد میں دیکھی جائے گی ذرا بھتیجی کے لیے پانی تو لاؤ۔

سکینہ سے مشکیزہ لیا: بیٹی میں تیرے لیے پانی لانے جا رہا ہوں۔

بچی مڑی اور بچوں سے کہنے لگی: بچو! اب مت گھبراؤ۔ میرا چچا جا رہا ہے۔ اب نہ تڑپو پانی کے لیے میرا چچا پانی لینے جا رہا ہے۔

عباسؑ گھوڑے پر بیٹھے گھوڑے کی رکابوں میں پاؤں ڈالے۔ داہنے کندھے پر علم رکھا مشکیزہ ساتھ لیا، ہاتھ میں ایک نیزہ ہے۔ گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے میدان میں آئے اور کہا: اب اگر روک سکتے ہو تو روک لو۔ بوتراب کا بیٹا فرات پر جا رہا ہے۔

فوجیں بھاگ گئیں۔ مشکیزہ کو بھرا۔ واپس ہوئے۔ لیکن سکینہ جس نے بڑی امید سے اپنے چچا کو بھیجا تھا اس کی نہ پیاس ختم ہوئی نہ انتظار۔

الا لعنۃ اللہ علی قوم الظالمین۔

(۷)

مجلس: علم اور ارادہ

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا عقیل الغروی مدظلہ العالی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰ لِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ (سورہ روم آیت ۳۰)

برادران عزیز! قرآن حکیم کے سورہ مبارکہ روم کی تیسویں آیت مسلسل آپ کے سامنے تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور اس آیہ کریمہ کا جو بنیادی موضوع ہے وہ دین اور فطرت کا اتحاد۔

آیت اس مضمون کو پیش کر رہی ہے کہ دین اور فطرت میں دوئی ممکن نہیں ہے، ثنویت کو دخل نہیں ہے۔ یہ نکتہ توحیدی بہت دقت طلب ہے، ممکن نہیں ہے کہ کسی ذمہ دار عالم کا قول اس کے فعل سے مختلف ہو۔ یہ ہمارا روزمرہ کا تجزیہ ہوتا ہے۔ جب ہم کسی سے ملتے ہیں تو اس کی شخصیت کے متعلق سب سے اہم نکتہ جو قابل تجزیہ ہوتا ہے جس پر کسی شخصیت کی قدر و قیمت کا دار و مدار ہوتا ہے، روزمرہ کے معاملات میں، جب آپ کسی شخصیت کو پرکھتے ہیں، دو تین ملاقاتوں میں (ابھی عالم سے نیچے ہی رہیے) تو آپ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔ یا اس کے قول و فعل میں کوئی تضاد ہے۔ بنیاد اسی پر ہوتی ہے نا! کہ وہ جو کہہ رہا ہے وہی کرتا ہے یا

کہتا کچھ اور ہے کرتا کچھ اور ہے۔ دعویٰ کچھ کرتا ہے عمل کچھ اور کرتا ہے۔ وعدہ کی وفا کرتا ہے یا نہیں۔

قول و فعل کے اتحاد کا ایک نام ہے وفا۔ اور یہ وہ قدر بنیادی ہے، یہ وہ نفیس ترین اخلاقی قدر ہے جو آپ تلاش کرتے ہیں ہر فرد بشر میں۔ آپ کو آفس میں کسی کو ملازم رکھنا ہے آپ دیکھیں گے، اس کا انٹرویو کریں گے۔ کہیں یونیورسٹی میں کسی کو پروفیسر بنانا ہے انٹرویو ہوگا۔ اب وہ جو کچھ بھی آپ انٹرویو میں کرتے ہوں لیکن ذہن انسانی میں، انسان کی نفسیات نے اس طریق کار کو مقرر ہی کیوں کیا؟

پی ایچ ڈی، کی کسی نے۔ اس کا لکھا ہوا مقالہ ممتحنین نے پاس کر دیا۔ کچھ یونیورسٹی کے داخلی ممتحن تھے کچھ خارجی تھے (یہ خارجی فارسی زبان کی اصطلاح میں کہہ رہا ہوں اسلامی تاریخ کی اصطلاح میں نہیں) تھیسس THESIS لکھا اور بھیج دیا گیا اب انہوں نے کہا کہ یہ مقالہ بالکل اس قابل ہے کہ پی ایچ ڈی Award کر دی جائے۔

اس کے بعد کیا ہوگا؟ viva Interview, مقابلہ یا مصاحبہ کچھ experts آئیں گے اور اس (مقالہ لکھنے والے) سے گفتگو کریں گے تا کہ یہ اندازہ ہو جائے کہ جو کچھ لکھا ہے اسے اچھی طرح سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ جو لکھا ہے کچھ کر کے لکھا ہے یا یونہی لکھ دیا ہے۔۔۔ مانگے کا اجالا تو نہیں ہے۔ تو زندگی کے ہر شعبے میں آپ کسی کو سرٹیفکیٹ دینے کے لئے، کسی پر اعتماد کرنے کے لئے، کسی بھی شخص کے قول و فعل میں ذرا بھی تضاد نظر آیا وہ آپ کے معیار سے گر جاتا ہے۔

جب عام انسان کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہو سکتا تو پھر ایک عالم اس کے قول و فعل میں تو تضاد ہونا ہی نہیں چاہیئے۔ اور اگر کسی عالم کے قول و فعل میں دوئی نظر آتی ہے تو

دو ہی سبب ہیں۔ یا کوئی واقعاً مجبوری ہوگی جس مجبوری پر قابو پانے کی قدرت اس میں نہ ہوگی یعنی علم تو ہوگا مگر قدرت نہ ہوگی۔ یہ ہے عام عالم کے زمرے کی بات۔ عام سطح زندگی میں ایک انسان جب علم حاصل کرتا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ علم وقدرت کا توازن بھی اس کی شخصیت میں پایا جائے۔ ممکن ہے کہ علم ہو لیکن قدرت کا توازن بھی اس کی شخصیت میں پایا جائے۔ ممکن ہے کہ علم ہو لیکن قدرت اتنی نہ ہو کہ اپنے ہی علم کے تمام تقاضوں کو پورا کر سکے۔ ایسا ممکن ہے۔ اس موقع پر وہ معذور ہے

علم ہے جانتے ہیں مگر مجبوری ایسی تھی، حالات ایسے تھے، مسائل ایسے تھے، پابندیاں تھیں، گرفتاریاں تھیں عمل نہ ہو سکا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پھر آپ اس کے علم پر ہی شبہ کریں کہ واقعاً علم ہے بھی یا نہیں؟ زبان پر کچھ اصطلاحیں چڑھی ہوئی ہیں۔ کچھ **definitions** ہیں، سمجھا نہیں ہے۔ اس لئے کہ دل میں اگر یہ نور علم اتر جاتا تو ناممکن تھا کہ علم ہوتا اور عمل اس کے برخلاف ہوتا۔

جب عام انسان کے قول فعل میں تضاد نہیں ہو سکتا، ایک عالم کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہو سکتا تو وہ رب کریم، اس کے قول وعمل میں کیسے دوئی اور تضاد ہو سکتا ہے جو اس نے کہا وہ ہے دین جو اس نے کیا وہ ہے کائنات اور فطرت۔۔۔۔۔ دونوں میں تضاد ممکن نہیں ہے۔ ممکن نہیں ہے کہ دین کا کوئی اصول، کوئی قانون، کوئی فلسفہ دین حقیقت وجودیہ سے مختلف ہو جائے۔ چنانچہ اس آیہ کریمہ میں

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا.

یہ نکتہ ہے کہ دین وفطرت میں دوئی نہیں ہے، ثنویت نہیں ہے لیکن اسی وحدت کو دریافت کرنے کے لئے میں مسلسل گزارش کررہا ہوں کہ حقیقت علم کا اجاگر ہونا ضروری ہے۔

علم وارادہ کی بحث تک کل گفتگو پہنچی بلکہ گزشتہ دو تین روز سے علم اور ارادہ کی گفتگو چل رہی ہے۔ یہ گفتگو صرف ذہنی مسائل سے وابستہ نہیں ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ صرف ذہنی مسائل ہیں یہ۔ ارادہ اگر ذہنی مسائل سے کہیں بھی مربوط ہوتا ہے تو وہ غیر مرئی پہلو ہے اس کا، ارادہ کا زیادہ تعلق آپ کے عمل سے ہے۔ آپ کی عملی زندگی سے ہے۔

کل میرے عزیز نے، ایک محترم مومن نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں منبر سے عملی درس ملے۔ یہی تنہا منبر ہے کہ جہاں بے عملی کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے۔ دنیا کے کسی بھی stage سے ایسی آواز بے عملی کے خلاف نہیں اٹھائی جاتی جیسے یہاں سے اٹھتی ہے۔ منبر حسینی۔ ہماری ہر فکر عمل کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہئے یہاں تک کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

العلم یھتف بالعمل۔

اگر عمل آگیا تو علم بھی ٹھہرتا ہے اور اگر عمل نہ ہوا تو پھر علم رخصت ہوجاتا ہے۔

دوئی نہیں ثنویت نہیں یہ بھی تعبیر ہے ورنہ علم ممکن نہیں ہے کہ عمل سے جدا ہوجائے جب تک کہ علم کا مرتبہ ضعیف نہ ہو اور جس کے پاس علم ہے وہ عاجز نہ ہو۔ اسی لئے جہاں علم بھی ہے اور قدرت بھی ہے وہاں ممکن نہیں ہے کہ ثنویت کو دخل ہوجائے۔ ممکن ہی نہیں ہے۔ نظریہ علم کا واضح ہونا ضروری ہے۔

دو تین تقریروں سے میں کہہ رہا ہوں کہ ایک نکتہ بھی واضح ہوگیا تو ایک پورا نظام

فکر منظم ہو جائے گا۔ کیوں عرض کر رہا ہوں؟۔۔۔۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے، اپنی کسی بات پر اصرار نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ماہیت وحقیقت وجود یہ علم آپ کی نظر میں آجائے تو یہ نکتہ خود روشن ہو جائے گا۔

علم نور ہے۔ حدیث محمد مصطفیٰ ﷺ ہے، مشہور حدیث ہے، میں اس منبر سے پڑھ چکا ہوں۔ اکثر سنتے رہتے ہوں گے "العلم نور"۔ علم نور ہے۔

یقذفه الله فی قلب من یشاء

اللہ جس کے دل میں چاہتا ہے یہ نور، یہ علم ڈال دیتا ہے۔

نور کی جب تعریف علم ہے تو بتایئے نور کی خصوصیت کیا ہوتی ہیں؟ کتنی ہی تاریکی ہو کیسی ہی تاریکی ہو، نور کی ایک کرن بھی آئے گی تو پورے ماحول کی تاریکی کمزور پڑ جائے گی، تاریکی کا رنگ کٹنے لگے گا، ایک کرن بھی اگر آئی۔ یعنی نور محدود نہیں ہو سکتا، نور مقید نہیں ہو سکتا، نور کو کسی سمت میں مقید کرنے کے لئے، کسی سمت کا، کسی **direction** کا پابند بنانے کے لئے بڑے جتن کرنے پڑیں گے۔ آئینہ بندی کرنی پڑے گی۔ شعاعیں بکھریں نہیں، ایک ہی طرف کو شعاعیں جائیں۔ اور اگر نور پر پابندیاں نہیں ہیں، اگر نور کو منعکس کرنے والے آئینے نہیں ہیں تو نور ہر سمت میں پھیلے گا، کسی ایک سمت میں محدود نہیں ہو سکتا۔

اگر علم کی یہ حقیقت ذہن میں آجائے۔ کیوں کہہ رہا ہوں؟ نظریہ علم کی کتنی اہمیت ہے یہ سمجھیں۔

اگر نظریہ علم ہی مادی ہے اگر نظریہ علم ہی ظلمانی ہے، اگر نظریہ علم ہی میں تاریکی ہے تو پھر کائنات میں تاریکی ہی تاریکی نظر آئے گی اور اگر آپ کا نظریہ علم مصطفوی ہے، اگر

آپ کا نظریہ علم مرتضوی ہے، اگر آپ کا نظریہ علم الہی ہے، اگر آپ کا نظریہ علم قرآنی ہے، اگر آپ کا نظریہ علم برہانی ہے تو پھر آپ یہ تسلیم کرلیں کہ اگر علم نور ہے تو پھر اسے مقید نہیں کیا جاسکتا۔ اور کوئی ایک کرن بھی علم کی آگئی تو پھر تمام اطراف وجوانب کو روشن کرتی چلی جائے گی۔ اور ایک مکمل نظام حیات سامنے آجائے گا، ایک مکمل نظام فکر سامنے آجائے گا۔ اس میں کوئی غلو اور مبالغہ نہیں ہے، استغراق نہیں ہے۔ اس بات کو exaggerate کر کے پیش کیا جارہا ہے ایسا نہیں ہے۔

ایک نکتہ علمی بھی اگر روشن ہو گیا تو اس کے اطراف وجوانب بھی روشن ہوتے چلے جائیں گے۔ اگر حقیقت علم روشن ہوگئی اگر حقیقت ارادہ روشن ہوگئی تو پھر دوسرے علوم کی تعریفات بھی حاصل ہوتی چلی جائیں گی۔ علم ایک بسیط حقیقت ہے۔ علم تقسیم ناپذیر حقیقت ہے، علم مجرد حقیقت ہے صرف اس میں مراتب کا تفاوت ہے۔ یہ بات پہلے بھی کہی ہوگی میں نے، میرے دلچسپ موضوعات میں سے ہے۔ آج بھی کہہ رہا ہوں لیکن اس کے معنی کیا ہیں؟

اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کو اس علمی اور فلسفیانہ اور scientific حقیقت سے مربوط کریں کہ ہمارے یہاں تو علوم کی قسمیں ہیں۔ کچھ علوم دین ہیں اور کچھ کو کہتے ہیں علوم دنیا۔ یہ میری تقسیم نہیں ہے۔۔۔ علوم کی قسمیں ہیں classification ہے science کی، knowledge کی branches ہیں۔ تقسیم علم پر بعض مفسرین نے توجہ دی ہے کہ علم تقسیم کیسے ہوتا ہے۔ اس کی دستہ بندی کیسے ہوئی۔ ارسطو نے بہت پہلے علم کو تقسیم کیا تھا کہ فلسفہ دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے ایک فلسفہ نظری ایک فلسفہ عملی۔ اس کے بعد پھر فلسفہ نظری تقسیم ہوتا ہے الٰہیات وریاضیات وطبیعیات وغیرہ، وغیرہ میں اور ادھر فلسفہ عملی میں علم اخلاق اور علم

تدبیر منزل اور علم سیاست مدن۔

علم کی تقسیمات ارسطو نے کیں اور وہ چلی آرہی ہیں اب تک ایک مکتبہ فکر میں۔ اس کے بعد پھر کچھ دوسرے لوگوں نے علم کی دوسری اقسام کی تقسیم کی۔ انسائیکلوپیڈیا لکھنے والوں نے اپنے انداز سے تالج کی classification اور branches کو مقرر کیا اور اس میں رتبے مقرر کئے۔ اور ادنیٰ سی مثال اور دے دوں کہ library science نے جب ترقی تو مسئلہ اتنا سا تھا کہ کتابیں کس ترتیب سے رکھی جائیں انہوں نے اپنے انداز سے ایک نئی classification کی۔ رکھنا تھا کتابوں کو ترتیب سے بانٹ ڈالا علم۔ جیسے ہمارے سیاست دان کرتے ہیں۔

انسانیت کی قدر تو کر نہیں پاتے، انسانوں کو بانٹ دیتے ہیں۔ انسانوں کو تقسیم کر دیا اب بکھرے ہوئے انسانوں کو مجتمع نہیں کر سکتے ہیں تو بانٹتے ہیں، گروپ بنا دیتے ہیں۔ پارٹیاں کیسے وجود میں آتی ہیں، یہ فرقے کیسے وجود میں آتے ہیں، یہ مختلف مسلک کیسے وجود میں آتے ہیں؟۔۔۔۔۔۔ارے بھائی! انسانیت تقسیم ناپزیر ہے۔ انسانیت کی فکر کرو اور انسان کی۔ یہ مغربی انسان اور یہ مشرقی۔ اور یہ اس ملک کا انسان اور وہ اس ملک کا انسان اور پھر بھی انسانوں کی قدر و قیمت ایسی ہوتی ہے کہ ہمارے ملک کا ایک انسان مر گیا تو کسی اور ملک کے سارے انسانوں کا خون مباح۔

آپ کے ملک میں اتنی جرات تھوڑی ہے یہ کسی اور ملک کی بات ہو رہی ہے (میں مہمان ہوں مجھے ایسی بات کہنی نہیں چاہیئے تھی مگر یقین کیجئے طنزاً نہیں ہمدردی سے کہی ہے۔ طنز کرنے کا عادی نہیں ہوں)۔

حال ہیں کچھ جا - اگر ہما ملک کا کوئی • تو کمک آ دی

بھی مر گیا تو اس کی قیمت بہت زیادہ ہے اور اگر دوسرے ملک کے ہزاروں افراد مر گئے تو کوئی قیمت نہیں ہے۔ تو انسانیت کی قدر نہیں، انسان کی قدر نہیں ہے۔ ملک classified ہو گیا ہے۔ سیاسی سرحدیں، جغرافیائی سرحدیں، رنگت کے حوالے سے سرحدیں، زبان کے حوالے سے سرحدیں، تہذیبوں کے حوالے سے سرحدیں، مذہبوں کے حوالے سے سرحدیں، سرحدیں گھٹائی نہیں جارہی ہیں روز بروز بڑھائی جارہی ہیں۔

آپ کہیں گے یہ ذہنی مسائل ہیں؟---------یہ تو ہماری زندگی کے عملی مسائل ہیں۔ بات ہو رہی تھی علم کے classification کی آ گئی انسانوں کی تہذیب کی بات۔

تو علم کو مختلف نکتہ نظر سے بانٹا گیا، تقسیم کیا گیا۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ اگر نظریہ علم درست ہو تو علم کے صحیح تقسیمات چاہے مجازی ہوں سمجھ آئیں گے۔ اور ان تقسیمات کو تقسیمات نہ کہہ کر مراتب علم قرار دیا جائے گا۔ یعنی نکتہ نظر کو بدل لیں۔ معاف فرمائیں گے وہ حضرات جو علمی مسائل سے روز مرہ کی زندگی میں وابستہ نہیں ہیں۔---وہ بھی قابل مبارک باد ہیں جو کہ اپنی محنت کی، مزدوری کی، زندگی سے کسب حلال کر رہے ہیں۔ بہت سے بے عمل علماء سے وہ افضل ہیں۔

ایک مزدور کا ایک قطرہ پسینہ بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے نگاہ پروردگار میں، وہ یہ نا سمجھیں کہ میں ان سے ملتفت نہیں ہوں، مخاطب نہیں ہوں۔ ایسا نہیں ہے مگر میں بعض باتیں ان دانشور ذہنوں تک پہنچانا چاہتا ہوں جو مزدوروں کے پسینے کی قدر نہیں جانتے۔

یعنی اگر نظریہ علم درست ہے یعنی اگر theory of knowledge درست ہے،

گر علم کو نو سمجھے تو پھر علم) تقسیم کر کر گر نہیہ کہیو ہم علم)

تین قسمیں ہیں، علم کی تیس قسمیں ہیں علم کی تین سو قسمیں ہیں۔ قسمیں نہیں کہیں گے۔ کہیں گے علم کے مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ فقہ ہے اس سے بلند مرتبہ اخلاق ہے اس سے بلند تر مرتبہ عرفان ہے۔۔۔۔ یعنی ہے ایک ہی شئی ،ضعیف سے قوی ہوتا چلا جائے گا تو نام بدلتا جائے گا۔

مرتبے بڑھتے چلے جائیں گے۔ جب ضعیف تر ہوگا علم تو سلمانؓ کہلائے گا قوی تر ہوگا تو علیؑ کہلائے گا۔ اور قوی تر ہوگا تو محمدؐ کہلائے گا اور قوی تر ہوگا تو جس نام سے پکارو سارے اچھے نام اسی کے ہیں۔

یہ نظریہ علم کی بات ہے کہ علوم میں مراتب ہیں تقسیمات نہیں ہیں۔ اور اسی طرح کون علم افضل ہے اور کون علم مفضول خود ہی سمجھ لیجئے۔ جو علم زمین سے متعلق ہے زمینی کہلائے گا۔ علم تقسیم ناپذیر ہے۔ علم کے مرتبے ہیں۔ اب فزکس کی اپنی جگہ اہمیت ہے کیمسٹری کی اپنی جگہ اہمیت ہے جیولوجی کی اپنی جگہ اہمیت ہے دوسرے علوم بھی اہمیت رکھتے ہیں لیکن جو انسانی روح سے متعلق علوم ہوں ان کا رتبہ یقیناً ان سب سے بڑھ کر ہوگا۔ توہین کسی علم کی نہیں ہے اس کی حیثیت کو سمجھنا ہے کہ اس کی سرحد کہاں تک ہے۔

مراتب ہیں علم میں تقسیمات نہیں، اور جب یہ بات سمجھ میں آجائے گی تو پھر تعریفات بدل جائیں گی۔ میں نے ایک یا دو روز قبل علامہ محمد بہاؤ دینی کا ایک جملہ آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ فقہ مقدمہ اخلاق ہے۔ اسی جملے سے واضح ہوگیا کہ وہ مرد فقیہ، وہ عارف بتا رہا تھا کہ فقہ پہلے مرتبے پر ہے اور اخلاق اس سے بلند تر مرتبہ پر اور اسی سے سمجھئے کہ اخلاق کی حیثیت کیا ہے اور عرفان اسے بلند تر ہے۔ اس لیے کہ اخلاق ہے مقدمہ

عرفا

میں نے ایک دو مثالوں سے اس حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کے ذہنوں میں ہوگا کہ کس طرح مقدمہ اخلاق ہے۔ آج لفظوں کو بدل کر بات کو مزید ذہن نشین کرنے کے لئے ایک بات عرض کر رہا ہوں۔ دیکھئے انسانی زندگی میں کچھ قدریں ہیں، کچھ تقاضے ہیں۔ ان قدروں کو محفوظ رکھنے کے لئے ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے انسان ایک ضابطے کا پابند بنایا گیا ہے۔

ضابطہ بنایا کب جاتا ہے، قانون بنایا کب جاتا ہے؟ آئے دن **parliaments** میں قوانین بنتے ہیں۔۔۔۔ کیوں بنتے ہیں؟۔۔۔۔ آج دنیا کی ہر حکومت **terrorism** کے خلاف نئے نئے قانون بنا رہی ہے۔ کیوں؟۔۔۔ جب **terrorism** بڑھا تو اس کو گرفت میں لینے کے لئے قانون کی ضرورت ہوئی۔ اگر یہ بے امنی وجود میں نہ آتی تو قانون بنانے کی فکر پیدا نہ ہوتی یعنی جب کسی قدر کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تو قانون کا سہارا لیا جاتا ہے یا جب کسی حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، جب کسی فرد کے مکمل نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو قانون کا سہارا لیا جاتا ہے۔

اگر معلوم ہے کہ سب لوگ نیک ہیں، شریف ہیں کوئی بے امنی نہیں ہوگی تو یقین مانئے کہ ایک بھی کانسٹیبل یا پولیس میں نظر نہیں آئے گا لیکن جہاں یہ اندیشہ ہو کہ بے امنی ہو سکتی ہے وہاں فورس لگ جائیں گی۔ کیوں لگیں گی؟۔۔۔ اس لئے کہ اندیشہ تھا بے امنی کا۔۔۔ قانون اور ضابطہ کیوں بنا اس لئے کہ وہ قدر انسانیت کو محفوظ رکھ سکے۔ تو اب دو سطحیں ہوں گی انسانوں کی۔ کچھ وہ ہوں گے کہ جب تک قانون کے سانچے میں انہیں ڈھالا نہ جائے ان میں اخلاقی قدریں پنپ نہیں سکتیں اور کچھ وہ ہوں گے کہ جن کو دیکھ کر قانون بنایا جائے گا

اخلاقی قدروں کا تصور کہاں سے آئے گا؟۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو کس نے دیکھا ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ۔ ہمارے منبروں سے کہا جاتا ہے، مسجدوں سے کہا جاتا ہے، خانقاہوں میں اسی فقرے کا ورد ہوتا ہے، کہ اللہ کے اخلاق کو اختیار کرو۔۔۔ اللہ تعالیٰ تو عرش پر تشریف فرما ہیں۔ کون جا کر ان کے بغل میں کرسی پر بیٹھا؟ کس کو اللہ تعالیٰ نے چائے کے لئے مدعو کیا؟ کس کو اللہ نے شربت عطا فرمایا؟ ہمارے یہاں تو چائے اور شربت پر اخلاق محدود ہے نا! اللہ تعالیٰ کا اخلاق کس نے دیکھا؟۔۔۔ اب کچھ ایسے پیکر ہیں کہ جنہیں دیکھ لو تو اخلاقی قدریں سمجھ میں آ جائیں۔ اب سمجھئے علم فقہ۔ علم شریعت وہ سانچہ ہے جو خطا کار انسانوں کو بے خطا بنانے کے لئے بنایا گیا اور علم فقہ وہ سانچہ ہے جو بے خطا معصوم انسانوں کو دیکھ کر بنایا گیا۔

ایک طرف وہ معصوم انسان ہیں، ایک طرف وہ پیکر اخلاق ہیں کہ جنہیں دیکھ دیکھ کر قانون بنایا گیا۔ یعنی کسی کی سیرت ہے ہمارے لئے قانون۔ ان کے لئے اخلاق ہے ہمارے لئے قانون۔

اب علم اخلاق کی ایک تعریف عرض کر رہا ہوں۔ ایک **definition**۔ علم اخلاق وہ ہے کہ نفس میں وہ ملکہ پیدا ہو جائے (کاش الفاظ محفوظ رہ جائیں۔۔۔ کتابوں میں جو لکھا ہے وہ نہیں دہرا رہا ہوں چار ہزار برس سے کتابوں میں علم اخلاق کے لئے کیا **definition** ہے وہ نہیں عرض کر رہا ہوں) علم اخلاق یہ ہے کہ نفس میں وہ ملکہ پیدا ہو جائے کہ انسان سے کوئی فرض چھوٹنے نہ پائے، کوئی حق ضائع نہ ہونے پائے۔

حق اور فرض کی بحث قانون کے دائرے میں ہوتی ہے۔ شریعت میں ہوتی ہے، پارلیمنٹ میں روزانہ حقوق کے مطالبے ہوتے ہیں۔ حقوق کو پرکھا جاتا ہے، ناپا جاتا ہے،

تولا جاتا ہے اور اس کے بعد قانون بنائے جاتے ہیں، فرائض مقرر کئے جاتے ہیں، duties مقرر کی جاتی ہیں۔

قانون دیکھ کر جو حق و فرض کو پہچانے وہ الگ انسان ہے اور جس انسان کو دیکھ کر حق و فرض سمجھ میں آئے وہ الگ انسان ہے۔ دونوں کو ایک جیسا کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ مصطفیؐ اس انسان کا نام ہے جسے دیکھ کر حق و فرض سمجھا گیا، یہ اس کے لئے انکساری کا مرتبہ تھا کہ کہا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

ارے! میں تمہارے جیسا بشر ہوں ورنہ کہاں تم اور کہاں مصطفیؐ۔

بحث سنگین ہے ذہنوں تک منتقل ہو رہی ہے اس میں میرا کمال نہیں ہے یہ تو منبر کی اس نسبت کا کمال ہے جو حسینؑ سے ہے۔

عزیزو! حوزہ ہائے علمیہ میں ان بحثوں کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے خون تھوکنا پڑتا ہے۔ فلاسفی کی کلاسز میں مہینوں گزر جاتے ہیں اور سمجھ میں نہیں آتا اور آپ ایک گھنٹے اور چند جملوں کے دوران باتوں کو سمجھ لیتے ہیں۔ خدا آپ کی ذہانتوں کو پروان چڑھائے اور اس مکتب کو ہمیشہ آباد رکھے کہ جس مکتب میں یہ ذہانتیں پروان چڑھتی ہیں۔

ایک طرف وہ افراد ہیں کہ جنہیں دیکھ کر اخلاق و فرائض معین کئے گئے۔ ایک طرف وہ ہیں جو اخلاق و فرائض پڑھ پڑھ کر سیکھتے ہیں کہ فرائض کیا ہیں، حقوق کیا ہیں۔

اخلاق وہ ملکہ ہے کہ جو نفس انسانی میں راسخ ہو جائے۔ یعنی سامنے قانون ہو یا نہ ہو نفس بے قانونی نہ کرے۔ یہ بات تصور میں آ رہی ہے یا نہیں؟ سمجھ آ رہی ہے یا نہیں؟ کہ ایک ایسا انساں بھی ہو سکتا کہ جس کے تو مگر

قانونی نہ کرے۔ ایسے افراد ہوتے ہیں معاشرے میں۔ انہیں قانون معلوم نہیں ہے مگر وہ غلط کام نہیں کرتے اس لئے کہ ان کی فطرت صحیح ہوتی ہے۔ اگر فطرت درست ہو تو پھر قانون کی ضرورت نہیں ہوگی اور ایک صاحب فطرت سلیم جیسی روش زندگی اختیار کرلے وہ قانون بن جاتا ہے۔ اسی لئے سیرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرچشمہ قانون ہے۔

ہمیں جب قرآن سے کوئی حکم نہیں ملتا تو دیکھتے ہیں کہ مصطفیٰؐ نے کیا کیا وہی قانون اور بہت سی زندگی کے مسائل ایسے ہیں جو حضورؐ کی ظاہری زندگی میں نہیں ملتے۔ اب دنیا والوں سے پوچھیں کہ ایسے مسائل جب سامنے آجائیں کہ نہ قرآن میں صاف صاف نظر آئے، نہ سیرت کے پیکر میں ملیں تو پھر کس سے ملیں گے؟ کیا فطرت عقیم ہوگئی؟ یا اس نفس مصطفیٰؐ کی شکل میں کسی کو دنیا کے سامنے بھیج دیا کہ اگر تم سے قانون نہ بن رہا ہو تو اسے دیکھ لو کہ اس نے کیا کیا اور قانون بنالو۔

تو ہے ایک سلسلہ کہ اگر پیغمبرؐ کی سیرت میں کوئی چیز نہ ملے تو پھر معصوموں کا ایک سلسلہ ہے۔ پیغمبرؐ کی حدیث ہے اور عظیم الشان کتاب صحیح بخاری میں ہے، فرماتے ہیں:

لا یزال ھذا الدین عزیزاً۔

یہ دین سربلند رہے گا، پرقوت رہے گا، بلند و بالا رہے گا، باعزت رہے گا جب تک اس میں میرے بارہ جانشین رہیں گے۔ بتادیا کہ یہ بارہ وہ ہیں جو مجھ سے ہمنیت کی نسبت رکھتے ہیں۔ اگر میری سیرت میں قانون نظر نہ آئے تو ان کی سیرت دیکھ لینا۔

یہ جو سیرتیں ہوتی ہیں یہ قانون کی محتاج نہیں ہوتیں، قانون ان کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ سیرتیں، معصوم سیرتیں ہوتی ہیں۔ اور کچھ تو وہ ہیں کہ علم لدنی رکھتے ہیں۔

ہمارے سامنے تو ایسی سیرتیں بھی ہیں کہ جو عہدہ الٰہی نہیں رکھتیں، منصب

خداوندی پر نہیں ہے، نبوت پر فائز نہیں ہیں، امامت پر فائز نہیں ہیں، وصایت پر فائز نہیں ہیں مگر تاریخ آج تک ان کے کردار میں کوئی کمی تلاش نہ کرسکی اور بعض ایسے اخلاق اصول اور معیار ہیں کہ جن کے لئے شریعت میں کوئی قانون بھی نہیں مگر اگر قانون بنانا چاہو گے تو ان کی سیرت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا پڑے گا۔

انہیں ہم محفوظ عن الخطاء کہتے ہیں۔ وہ وہ ہیں جو خطا سے محفوظ رہے، جن سے کبھی کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ وہ کون ہیں؟ میں بتاؤں؟ یا آپ بتائیں گے یا دے دیں اذن عام کہ جا کر تاریخ بشر میں تلاش کرو۔

ایسے اخلاق کے پیکر کہ جن سے زندگی میں کبھی کوئی گناہ نہ ہوا۔ تقریر کے شروع میں، میں نے ایک کلمہ کہا تھا "علم وعمل میں دوئی ممکن نہیں ہے" علم وعمل کے اتحاد کا نام ہے وفا۔ قانون شریعت میں بتاؤ، وفا کے کتنے قانون ہیں، وفا کی کیا definition ہے، وفا کی کتنی سرحدیں ہیں، وفا کے کتنے مراتب ہیں، وفا کے کتنے تقاضے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ وفا آیا ہے۔ قرآن مجید میں وفا کا حکم ہے۔۔۔۔ کہاں؟۔۔۔۔ سورہ مبارکہ مائدہ۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

اے ایمان لانے والو! اپنے عہد وپیان کی وفا کیا کرو۔

آپ کہیں گے یہ فقہ کے دائرے میں نہیں، ہم کہیں گے اخلاق کی جان ہے۔

بہت سنگین ہوگئی بحث۔ میری آواز بھی سنگین تھی بحث بھی سنگین ہوگئی مگر میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ بہر حال انسان عادت کا پابند ہوجاتا ہے۔ وہ انسان کوئی اور ہوتا ہے جو تصرف کرے تو دوسروں کی عادتیں بھی بدل دیتا ہے۔ میں بہت گنہگار انسان ہوں اور ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اس لئے بحث سنگین ہوگئی لیکن ایک اہم حقیقت کو سمجھنے کے لئے

اخلاق وہ ملکہ ہے کہ جو کوئی حق ضائع نہیں ہونے دیتا۔ کوئی فرض چھوٹنے نہیں پاتا وہ ملکہ ہے چاہے سامنے شریعت ہو یا نہ ہو۔ اخلاق کی تمام صفتوں میں بنیادی صفت کیا ہے؟۔۔۔ پھر میں ذرا اختلاف کر رہا ہوں۔ عام طور پر کہا گیا کہ تین بنیادوں پر اخلاق قائم ہے۔ شجاعت، حکمت، عفت، بالکل درست ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے لیکن ایک نئے زاویے سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے، کہ تمام مسائل اخلاق کا محور ایک ہے وفا۔۔۔ مبالغہ نہیں ہے۔ علمی انداز میں سوچئے گا۔ فکری انداز میں سوچئے گا، فلسفیانہ انداز میں سوچئے گا اور غالب بن جایئے گا تب بھی یہی بات سمجھ میں آئے گی۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

اس سے زیادہ سچا مصرعہ پوری اردو شاعری میں کہا نہیں گیا۔ اس سے زیادہ محکم اور سچا کوئی دوسرا مصرعہ آپ کو نہیں ملے گا۔ وفاداری بشرط استواری۔ مستقیم۔۔۔ صراط مستقیم۔۔۔۔ بشرط استواری اصل ایمان ہے۔

تمام مسائل اخلاق ایک قدر وفا کے گرد گھوم رہے ہیں۔ اور وفا کے بارے میں اگر سوچتے چلے جائیں تو ایک نئی سطح علمی قائم ہو جائے۔ ایک نئی جہت سامنے آجائے۔

قرآن مجید نے کہا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ.

اے ایمان لانے والو! جو عہد و پیمان کرو، جو agreement کرو، جو معاملہ کرو اس کی وفا کرو۔ تو یہ حکم شریعت بھی ہو گیا۔ حکم شریعت ہے یعنی اب واجبات میں سے ایک اہم واجب ''وفا'' بھی ہے۔ ایک واجب نماز، ایک واجب روزہ ایک واجب حج، ایک واجب زکوٰۃ ایک واجب خمس، ایک واجب جہاد، ایک واجب وفا۔

وفا واجبات میں گنیں گے؟ ''اوفوا'' امر کا صیغہ ہے۔ کہتے ہیں یہ معاملات سے متعلق ہے سبحان اللہ! ارے جس سے بھی پیمان باندھو۔۔ اسی لئے نماز کی عرفانی تعبیر میں یہ بھی ہے کہ نماز کیا ہے؟۔۔۔ خدا سے وفا!

نماز کیا ہے؟۔۔۔ کلمہ توحید۔ ''لا الہ الا اللہ'' سے وفا۔ روزہ کیا ہے؟۔۔۔ پروردگار سے عہد اخلاص کی وفا! جہاد کیا ہے؟۔۔۔ اس سے وفاداری کے وعدے کی وفا۔ اور وفا کی بھی قسمیں ہیں۔ عملی زندگی میں انسان اگر ایک قدر وفا پیدا کرلے تو اس کی زندگی بہشت بن جائے۔

اب دیکھیے یہ عملی بات ہے یا ذہنی۔ سب سے پہلے انسان اپنی ذات سے تو وفا کرے۔ اپنے دل سے جھوٹ نہ بولے، اپنے دل کی سچی بات سنتا رہے۔ دل جھوٹ نہیں بولتا، نفس جھوٹ نہیں بولتا، ٹوکتا رہتا ہے ہر انسان کا نفس داخل سے۔ اگر قدم غلط سمت میں اٹھایا دل پکارے گا غلط اٹھا رہے ہو قدم۔ اب دل کو فریب نہ دو اگر تم اپنی ذات سے وفا کر رہے ہو۔

اپنی ذات سے وفا۔ گھر کو جنت بنانا ہے تو بیوی سے وفا، بیوی کی شوہر سے وفا۔ ازدواج کے رشتے میں وفا۔ وفا سے بڑھ کر زندگی کے لئے کوئی نسخہ نہیں ہے جو بہشت بنا سکے اور بے وفائی سے بڑھ کر کوئی سبب نہیں ہے کہ زندگی جہنم بن جائے۔ جہاں زن و شوہر کے درمیان بے وفائی کا شبہ آیا زندگی ختم۔ انکحت کا عقد کوئی اثر نہیں رکھتا جب تک دلوں کا عقد وفا نہ ہو۔

باپ اور بیٹے میں، اولاد اور والدین میں سب سے اہم چیز وفا۔۔۔ دوست کسے کہتے ہیں؟۔۔۔ دنیا والے مجھے دوست کی تعریف تو بتائیں۔ اعزا اور اقرباء کے دائرے

سے نکل کر دوست وہ ہوتا ہے جس میں ہو قدر وفا۔۔۔

دوست کسے کہتے ہیں جو بڑا عالم ہو؟۔۔۔۔ ہرگز نہیں۔

دوست کسے کہتے ہیں جو بڑا شجاع ہو؟۔۔۔

دوست کسے کہتے ہیں جس میں عفت پائی جائے؟

دوست کسے کہتے ہیں جو بڑا غیور ہو؟

غیور ہونا ایک صفت ہے مگر دوستی کی بنیاد یہ صفت نہیں بن سکتی۔

علم ایک صفت ہے مگر دوستی کی بنیاد نہیں بن سکتی،

عفت ایک صفت ہے مگر دوستی کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

دوستی کی بنیاد ہے وفا۔ اور وفا کے اقسام ہیں قرآن کے حوالے سے۔ ایک جو سورہ مائدہ کے مطلع میں کہا گیا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ.

اے ایمان لانے والو! عہد و پیمان کی وفا کرو

اور اسے ہمارے فقہا نے بیشتر معاملات سے جوڑا۔ کہ جب تجارت کرو، جب کوئی عقد ہو جائے، جب نکاح ہو، تو کہا کہ عقود کی بنیاد ہے وفا۔

ہماری نظر سے ایک حدیث گزری۔ خدا آپ کے جذبہ ایمانی کو فروغ دے۔ حدیث میں ہے کہ آیت میں عقود جمع کا صیغہ کیوں آیا؟ اور بتایا کہ معصوم نے کہا کہ اس آیات کے نازل ہونے سے پہلے دس مرتبہ (دس جمع کثرت ہے قلت نہیں) جبرئیل آئے اور کہا:

یارسول اللہ اپنی امت سے، اپنے کلمہ گویوں سے علیؑ کی ولایت کا عقد کر لیجئے۔

جب دس مرتبہ عقد ولایت ہو چکا تو کہا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ۔

یہ جو دس مرتبہ عقد باندھا ہے اس کی وفا کرو۔

دس مرتبہ جبرئیل جب آچکے اور بار بار دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر اور اس کے بعد جو جو ایمان لاتا گیا کہا ان سے ولایت کا عقد کر لیجئے، عہد ولایت لے لیجیے۔ جب دس مرتبہ آچکے تو اب ایک عام حکم آیا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ۔

اپنے عہد ایمان کی وفا کرو۔

یہ عہد معاملات سے بھی ہے عبادات سے بھی ہے، ولایت سے بھی ہے۔ ولایت کے مسائل سے بھی مربوط ہے۔ یہ نہیں کہہ رہا ہوں صرف اسی سے مربوط ہے۔ یک جہت نہ ہو جائے نظر۔ ایک یہ ہے مگر دوسرا مقام۔ وفا عہد کی ہوتی ہے، وہ پیمان کی ہوتی ہے، وفا نذر کی ہوتی ہے۔

مثال دے رہا ہوں کہ کسی نے کوئی معاملہ پیش کیا۔ پیش کرنے والا اور ہے۔ ابتدا آپ کے دل میں اس کی طلب نہ تھی۔ جب اس نے پیش کیا تو آپ نے قبول کر لیا۔ ایجاب ہوا، قبول ہوا۔ اب ایجاب و قبول کے بعد وفا واجب۔ لیکن یہ ایک رتبہ ہے وفا کا اس میں قوت کتنی ہوگی؟ اس لئے کہ ابتدائی طلب تو ادھر سے تھی نہیں۔ پیشکش تھی ادھر سے۔ اب قبول کر لیا۔ (بڑے بوڑھے تو سمجھ رہے ہیں۔ جوانوں کی سمجھ میں نہیں آرہا ہوگا۔ تو میں کہوں) آج کل ایسا ہوتا ہے کہ پرانے لوگ بیچارے کیا شریف ہوتے تھے یا بیچارے ہوتے تھے، سادہ لوح، ماں باپ نے جہاں رشتہ کر دیا، دل چاہ رہا ہے یا نہیں ہاں

کہہ دی۔ نہ لڑکی کو دیکھا، نہ گفتگو ہوئی نہ آواز سنی۔ کچھ بھی نہیں پرچھائیں تک بھی نہیں دیکھی تو طلب پیدا ہونے کا کیا سوال؟ ماں باپ نے کہا:

یہاں کرلو۔ ایک پیشکش ہوئی۔ انہوں نے سر جھکا کر اطاعت میں کہہ دیا کہ جی قبول!

پیشکش کسی کی تھی قبول کرلیا مگر کیا عہد وفا نبھاتے تھے لوگ!

آج کل معاشرہ میں کتنی طلاقیں ہیں اور پہلے کتنی تھیں؟ census کیجئے، statistic سے کام میں لائیے، پہلے طلاقوں کا ratio زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے؟۔۔۔ پہلے پیشکش ہوئی، قبول کرلیا اور نبھادیا اور اب دیکھ کر، بن کر، پرکھ کر قبول کیا اور پھر بھی نہیں نبھا پائے۔

اب ایک بات عرض کروں کبھی کبھی پیشکش قبول کر لینے میں نبھانا اچھا ہوتا ہے خدا نے جسے پیش کیا اسے قبول کرلو۔ تم جسے انتخاب کروگے ہوسکتا ہے اسے قتل کرنے کے درپے ہوجاؤ۔

خدا کی قسم ہم تو علیؑ کو بھی سمجھ نہیں سکتے۔ خدا نے پیش کیا، مصطفیٰؐ نے پیش کیا، ہم نے قبول کرلیا اور نبھا رہے ہیں۔ اللہ نے کہا مصطفیٰؐ سے پیش کرو علیؑ کی ولایت۔ مصطفیٰؐ نے پیش کی اور ہم نے قبول کرلی۔ غدیر کا دن اور آج کا دن!

رسولؐ نے کہا: ہمارے بعد بارہ ہیں۔ ہم نے تیرھویں کو تلاش ہی نہیں کیا۔ بارھواں پردہ غیب میں ہے تو ہو۔۔۔ جو آقا کی مرضی۔۔۔ ہم تو وفا کرتے رہیں گے۔ ہم ان میں سے نہیں کہ آج انتخاب کیا اور کل قتل۔ آج انہیں منتخب کیا کل انہیں اتارا۔

بہرحال مثال دے رہا تھا کہ ایک مرتبہ وفا وہ ہے کہ پیشکش کہیں سے ہوئی قبول کرلیا۔ وفا واجب۔ دوسرا مرتبہ وہ ہے کہ دونوں طرف سے آگ لگی ہوئی ہے۔

کیونکر رکیں قدم کہ کشش جانبین ہو

ادھر بھی طلب ہے، ادھر بھی طلب ہے۔ ادھر سے پیشکش ہے ادھر سے قبول، ادھر سے پیشکش ہے ادھر سے قبول۔ یہ بھی برابر سے ہے عہد وفا لیکن جب ایجاب وقبول ہو جائے۔ وفا واجب۔۔۔ یہ اس سے برتر ہے۔ ہم نے بے عملی سے کم تر کر دیا۔ یہ اس سے بہتر مرتبہ ہے۔

پہلے تو عذر تھا بھی! مجھے طلب نہ تھی، میرے اوپر تو مسلط کر دیا گیا، ہر شخص کی ہمدردی ہو گی۔ لیکن جب معلوم ہو جائے کہ طلب دونوں طرف سے تھی اب کہا جائے گا کہ نہیں یہ بے شرمی کی بات ہے، یہ بے حیائی کی بات ہے، یہ بے وفائی کی بات تھی۔ طلب دونوں طرف سے تھی اب نبھائیں۔ انسانیت کا شرف ہے وفا۔

تیسرا مرتبہ۔۔۔ وہ ہے کہ طلب کرنے والے نے طلب نہیں کیا، ہم نے پیشکش کی اور جب پیشکش کی تو موقع تھا کہ بعد میں کہیں کہ پیشکش تو کر دی تھی جذبات میں آ کر مگر معاف کر دیں ہم پورا نہیں کر سکتے تو یہ معافی بھی قبول ہو جائے گی۔ شریعت کے احکام۔ نذر کے تمام احکام بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ مگر سورہ مائدہ سے پہنچے سورہ دہر تک:

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ.

کچھ وہ ہیں جو نذر کی وفا کرتے ہیں۔

جو نذر مان لی، جو منت مان لی، اسے پورا کرنا۔

اب گھر میں افطار کے لئے کچھ ہو یا نہ ہو۔ روزہ رکھنا ہے۔ عام حالات میں کیا ہے؟ نذر کے احکام۔۔۔ کہ اگر اضطراری حالت میں نذر مانی ہے تو وہ نذر ہی نہیں ہے۔

اور اگر نذر مان لی، منعقد ہوگئی اور اس موقع پر پتہ چلا کہ نہیں اضطرار نہیں تھا۔ بہت وقت کی نہیں نذر تو منعقد ہوگئی۔ اب نذر پوری کرنے کے موقع پر حالات باقی نہیں رہے یعنی معذور ہوگیا، مضطر ہوگیا، مجبور ہوگیا تو پروردگار نے حکم مرتفع کرلیا، وفا واجب نہیں، مگر یہ تو ہم جیسے عاجز بندوں کے لئے ہے۔ محمدؐ وآلِ محمدؐ کے لئے نہیں ہے۔ وہ جو کہہ دیا پروردگار ہم تیری راہ میں یہ اقدام کریں گے تو بس وفا کریں گے۔

پیغمبرؐ کے زمانے میں سورہ دہر نازل ہوا اور حسنینؑ کا مسئلہ تھا۔ وہ بھی ایک وفا ہے۔ نذر کی وفا۔ یہ سب قرآن، حدیث اور احکام کے حوالے آرہے ہیں درمیان میں۔ مگر یہ بتاؤ خدا کی قسم وفا کو اگر مجسم دیکھنا چاہو گے تو جو بھی تاریخ پر نظر رکھتا ہے اس کے ذہن میں ایک ہی نام آتا ہے عباسؑ! میری طاقت ساتھ چھوڑ چکی مگر ابھی تو آپ کی آنکھوں نے آنسو برسانا شروع کئے ہیں۔ آج بخل نہ ہو رونے میں۔ بس کل یہاں اس عزاخانے کی آخری مجلس ہے۔ محرم آیا اور رخصت ہوگیا۔ کیا انتظار تھا محرم کا۔ محرم آئے گا، رسولؐ کو پرسہ دیں گے، محرم آیا اور جا رہا ہے۔

عباسؑ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ عباسؑ وہ کہ جس میں علم اخلاق مجسم ہوگیا، عباسؑ وہ کہ جس سے نام وفا وابستہ ہوگیا۔ عباسؑ پیکرِ وفا۔ حسینؑ نے وعدہ کیا تھا لیکن حسینؑ کے ساتھ ساتھ وفا کرنے والوں میں عباسؑ بھی ہیں۔ کیسا باوفا ہے، کیسا شجاع ہے، کیسا جری ہے۔

وفا کی بحث ادھوری رہ جائے گی اگر ایک روایت نہ سنادوں۔ مولا علیؑ کے فضائل کے باب میں غالباً عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے اور دوسرے صحابہ سے بھی ہے۔ سب سے کہا کرتے تھے کہ علیؑ میں تین فضیلتیں ایسی تھیں کہ ان میں سے اگر ایک بھی مجھے مل جاتی

تو بڑی سے بڑی دولت سے اہم تھی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک آیت ایسی ہے کہ جس پر سوائے علیؑ کے کوئی عمل نہ کر سکا۔ اور وہ ہے آیت نجویٰ۔

آیت نازل ہوئی کہ کہہ دیجیئے اے حبیب کہ جو آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں وہ پہلے صدقہ دیں۔ چاہے معمولی سا صدقہ ہو، ایک جو صدقہ کر دیں، پہلے صدقہ دیں پھر آپ کے قریب آئیں۔ حضورؐ نے حکم الٰہی سنایا اور کوئی حضورؐ سے نجویٰ کے لئے نہ آیا۔ اب کس کس کی وفاداریاں زیر بحث لاؤں؟ حضورؐ سے شرف گفتگو کرنے کے لئے ایک جو صدقہ نہیں کر سکتے، ایک درہم صدقہ نہیں کر سکتے۔۔۔ جان کون دے گا؟

علیؑ کے پاس ایک دینار تھا، دینار سرخ اسے خورد کیا دس درہم ملے۔ ایک ایک درہم صدقہ دیتے تھے سوال کرتے تھے۔

پہلا سوال کیا:

یا رسول اللہ ما الوفا۔۔۔

وفا کیا ہے۔۔

سنو یہ وفا کی تعریف کبھی ذہن میں نہ آئی ہو گی۔۔

حضورؐ نے کہا:

الوفا ھو التوحید۔

وفا توحید ہے۔

میری تقریر کا پہلا جملہ اور یہ آخری جملہ مربوط ہو گیا۔

الوفا ھو التوحید۔ ھو الشھادۃ لا الہ الا اللہ

یہ وفا کی تعریف ذہن میں ہے۔ اب دیکھو پیکر وفا کی سرت میں ایک چھوٹی سی

روایت ملتی ہے۔ علیؑ نے عباسؑ کو بچپن میں زانو پر بٹھایا اور جیسے باپ تربیت کرتا ہے بچے کی کہا: بیٹا کہو ایک۔

عباسؑ نے کہا: ایک۔

بیٹا اب کہو دو۔ خاموش ہو گئے۔ وفا کی بنیاد دیکھ لو۔

مولا نے مسکرا کر کہا: بیٹا کہو دو۔

واحد جب کہا کہہ دیا احد۔ اور جب کہا: اثنین۔

کہا: نہیں بابا جس زبان سے واحد کہہ دیا اب اثنین نہیں کہوں گا۔

یہ عباسؑ کا بچپنا۔ یہی عباسؑ ہے کہ جو میدان میں ایڑیاں رگڑ رہا تھا حسینؑ کہہ رہے تھے کہ بھیا کہہ دو مجھے بھائی۔

کہا جس زبان سے کہا آقا، اب اس سے بھائی نہیں کہوں گا۔

عباسؑ کے نام سے یہ پرچم جڑا ہوا ہے۔ یہ پرچم، پرچم اسلام ہے۔ یہ پرچم، پرچم مصطفیٰؐ ہے۔ یہ پرچم وہ ہے جو بدر سے شروع ہوا اور کربلا تک پہنچا مگر عباسؑ کے ہاتھ میں آنے کے بعد اب قیامت تک یہ پرچم عباسؑ ہے۔ اس لئے کہ عباسؑ نے اس پرچم کے اٹھانے کا حق ادا کر دیا۔

سنو گے کہ کیسا حق ادا کیا ہے؟۔۔۔ یہ میں روایت اکثر پڑھتا ہوں۔ مصائب کے واقعات تو پڑھ نہیں پاتا نا۔ یہ روایت اکثر پڑھتا ہوں۔ خدا کسی سربراہ مملکت کو یہ صدمہ نہ دکھائے، کسی بادشاہ کو، کسی امیر کو، کسی قائد کو، کسی رہبر کو یہ صدمہ نہ دکھائے۔ حسینؑ نے جو دیکھا۔ حسینؑ نے جو خراج پیش کیا ہے عباسؑ کی وفا کو وہ بے نظیر ہے اور آج تک ہماری جدید تہذیب میں جب کوئی سربراہ مملکت گزر جاتا ہے تو غم میں پرچم کو نیچا کر دیتے

ہیں۔ ہے نا!

نیچا پرچم دیکھ کر نظر آتا ہے کہ مملکت کا کوئی بڑا فرد گزر گیا۔۔۔ ہے نا!۔۔۔ یہی ہوتا ہے نا آج کل ساری دنیا میں؟ اور حسینؑ نے کیا کیا روز عاشورہ؟۔۔۔

ایک علم سجایا اور اسے درخیمہ پر نصب کر دیا اور دوسرا علم عباسؑ کو دے دیا اور جب روز عاشورہ ظہر کے بعد سپاہ حسینؑ ختم ہوگئی تو عباسؑ آئے: آقا اب مجھے بھی اجازت ہو۔۔۔

حسینؑ نے کہا: تم تو میری فوج کے سپہ سالار رہو۔

عباسؑ نے کہا: آقا فوج کہاں ہے؟

حسینؑ خاموش ہوئے۔ عباسؑ نے دوسری چیز پیش کی: آقا یہ دیکھ رہے ہیں؟ آقا نے دیکھا سکینہؑ کی سوکھی ہوئی مشک۔ کہا اچھا اگر پانی کی سبیل کر سکتے ہو تو جاؤ۔

عباسؑ گئے۔ ایک ہاتھ میں علم اور ایک میں مشک اور حسینؑ نے اپنے رہوار پر اپنی سواری کے گھوڑے پر قرار فرمایا اور وہ جو پرچم تھا درخیمہ پر اس پرچم کے سائے میں کھڑے ہو گئے۔

حسینؑ درخیمہ پر کھڑے ہیں پرچم کے سائے میں۔ عباسؑ دوسرا علم لے کر علقمہ کی طرف گئے۔ بیبیاں سب درخیمہ پر۔ بیبیوں کی نظریں حسینؑ کے چہرے پر۔

حسینؑ کی نظر عباسؑ کے علم پر اور بار بار حسینؑ رکاب پر زور دے کر اُٹھتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے۔ اور چہرے کا رنگ متغیر ہوتا تھا۔

بڑھ کر ایک بی بی نے پوچھا: آقا خیر تو ہے؟

کہا: جب عباسؑ کسی نشیبی جگہ میں جاتے ہیں، علم نظر نہیں آتا تو اٹھ کے دیکھتا ہوں۔ علم نظر آجاتا ہے تو دل کو قرار آجاتا ہے۔ یہی کیفیت تھی۔

ایک مرتبہ حسینؑ نے آواز سنی: آقا میرا آخری سلام۔

حسینؑ نے کمر پہ ہاتھ رکھا:

الان قد انکسری ظهری وقلت حیلتی.

بس سنو گے؟ آج علم اٹھاتا ہے آج حق وفا ادا کرتا ہے۔

حسینؑ نے ایک مرتبہ وہ علم سرنگوں کر دیا۔ واعباسا وا محمدا! واحسینا!

(۸)

مجلس: دین اسلام

الحاج سید العلماء سرکار علامہ سید علی نقی النقوی لکھنوی اعلی اللہ مقامہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔

دین حقیقی اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے میں نے کہا اسلام کا مطلب ہے اللہ کی مرکزیت اور اسی مرکزیت کے ماتحت توحید ہے لا الہ الا اللہ کی آواز اس توحید کی مظہر ہے صحیح طور سے ایک مسلمان کا نظام تمدن بھی اسی لا الہ الا اللہ کے تحت میں ہے اور نظام سیاست بھی۔ جو صحیح نظام سیاست ہے وہ اسی لا الہ الا اللہ کے ماتحت ہے اب ظاہر ہے کہ صرف آج کی ایک مجلس باقی ہے اس سلسلہ بیان کی اور یہ باتیں میں نے جو پیش کیں ان کے لئے ہر ایک کے واسطے ایک مجلس درکار تھی مگر اس کی تو گنجائش نہیں ہے لہٰذا مختصر طور سے نظام تمدن۔ تمدن کے معنی ہیں آپس میں مل جل کر رہنا اور تعلقات انسانی کو نبھانا عقلی طور پر انسان سے سب سے زیادہ نزدیک اس کی ذات ہے لہٰذا اصل مرکز محبت تو خود اپنی ہی ذات ہوگی پھر اپنی ذات سے رشتے چلیں گے تو قریب کے رشتے قائم ہوئے وہ یہ کہ یہ ہماری ماں یہ ہمارا باپ۔ اس میں بیچ میں کوئی فاصلہ نہیں آیا۔ بس اپنی ذات سے جو خط کو کھینچا تو دوسری ذات تک جو پہنچا وہ باپ ہے اور ماں ہے اس لئے سب سے زیادہ مرکز الفت وہ دونوں ہستیاں ہوئیں۔ ابتدائے عمر سے۔ اب اس کے بعد مثلاً چچا، پھوپھی، ماموں خالہ یہاں دو واسطے بیچ میں ہو گئے یعنی میرا باپ میری ماں اور پھر میرے باپ کا

بھائی، تو وہ چچا ہوا۔ میری ماں کا بھائی وہ ماموں ہوا۔ میرے باپ کی بہن وہ پھوپھی ہوئی۔ میری ماں کی بہن وہ خالہ ہوئی تو اس کا قرابت میں رشتہ ذرا سا دور ہوا۔ تو اتنا ہی فرق محبت و الفت میں پیدا ہو گیا۔ جتنا انسان ماں باپ سے محبت کرے گا اتنا تو چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ سے محبت نہیں کرے گا انہی ماں باپ سے یہ خط جو پہلو میں کھچا تھا۔ اس سے چچا اور پھوپھی وغیرہ ہوئے اور اسی سے جو خط اوپر گیا اس سے دادا ہوا، باپ کا باپ تو وہ ادھر جو کھچا تو چچا ہوا ادھر جو کھچا تو دادا ہوا اب اسکے بعد وہ دادا کا باپ وہ پردادا ہو گیا اب واسطے بڑھتے جا رہے ہیں اب سکڑ دادا تک تو کوئی عام نظام جو ہے یعنی عمر کا معیار اس کے لحاظ سے وہ جزو تاریخ بن جاتا ہے سابقہ نہیں پڑتا سکڑ دادا سے۔ پردادا تک تو سابقہ پڑ جاتا ہے، لیکن سکڑ دادا سے رشتہ نہیں کوئی ہوتا اور اب جتنا جتنا خط بڑھ رہا ہے اتنا محبت کی لہریں کمزور پڑ رہی ہیں۔ باپ کا ذکر آئے گا تو بہت سے سعادت مند بیٹوں کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے۔ مگر دادا کا ذکر ہو گا تو اتنی بات نہیں پیدا ہو گی پھر پردادا کا ذکر ہو گا تو جیسے پہلے ہنس رہے تھے ویسے ہی اسکے بعد بھی ہنستے رہیں گے کوئی فرق ہی نہیں پیدا ہو گا جتنا دور ہو رہے ہیں محبت کی لہریں گھٹ رہی ہیں اب اس کے بعد جناب ۸ پشتوں پر جا کر کوئی ہیں سلسلہ اجداد میں وہ بھی۔ لیکن پوچھا آپ کے دادا؟ کہ جی نہیں وہ دادا نہیں تھے وہ، ہاں ہم سب کے مورث اعلیٰ تھے لیجیے اب وہ دادا ہونے کا بھی انکار ہو گا۔ اب وہ مورث اعلیٰ باپ کے باپ کے باپ کے جتنے واسطے درمیان میں آئے لہریں ایسی کمزور ہوئیں کہ احساس قرابت ہی نہ رہا تو معلوم ہوا کہ اپنے سے خط کھینچا تو جتنا دور ہوا اتنا کمزور ہوا اسی طرح سے جب ادھر ادھر خط کھینچے تو یہ تو احساس ہوا یہ ہمارے چچا ہیں یہ ہمارے باپ سے جب ادھر خط آیا تو ہوا کہ بھائی ہیں یعنی باپ کا بیٹا وہ بھی ایک واسطے سے قرابت بھائی سے

کہ باپ کا بیٹا یا ماں کا بیٹا تو وہ ہو گیا بھائی اب اسکے بعد وہ کہے گا بھائی کا بھتیجا اور پھر دور ہوتا چلا گیا تو اب کچھ نہیں چچا کا بھائی۔ دادا کا بھائی سکڑ دادا کا بھائی اب وہاں پوچھا ان سے آپ کے ساتھ کیا قرابت تھی کہا کچھ نہیں میرے سکڑ دادا کے بھائی ہوتے تھے انکار قرابت ہو گیا یہ ہوا اپنی ذات کو بیچ میں رکھ کر جو خطوط کھینچے اب اسی کی بنا پر تقسیم حقوق ہونے لگی۔ جب خود کسی فوائد کا مرکز بن گئے تو باپ کو زیادہ فوائد پہنچے۔ بیٹے کو فائدہ زیادہ پہنچے۔ بھائی کو فائدہ زیادہ پہنچے اب اور جتنی اپنے ساتھ شراکت زیادہ ہو۔ پڑوسی کو فائدہ پہنچے۔ ہم قبیلہ کو فائدہ زیادہ پہنچے نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نظام تمدن ایسا بنا جس میں کچھ کے حقوق رہ گئے کچھ کے حقوق ختم ہو گئے اسلام بھی اس فطرت کے تقاضے کو الگ نہیں کرتا۔ اپنے سے ذات کو نہیں الگ کرسکتا وہ عقلاً قریب ہے اپنے سے۔ تو خلاف عقل کوئی عمل تھوڑی کرتا ہے اسلام۔ مگر اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ جب تم اپنے سے خط آگے بڑھاتے ہو تو نیچی سطح پر ادھر ادھر کیوں لے جاتے ہو۔ یہ خط جو تمہاری ذات سے نکلے اسکو ایک دفعہ اوپر کی طرف لے جاؤ اب میں ہوں اور اب تصور جب عالم بالا کی طرف گیا تو وہاں تھا میرا باپ، وہاں تھا میری ماں، وہاں تھا میرا بھائی، اب یہاں ہو گیا میں اور میں سے تصور آگے بڑھا تو میرا خدا، میرا پیدا کرنے والا، کیونکہ باپ خود محدود شخصیت تھی اس لئے باپ کا خط گیا تو اب قرابت محدود ہوئی اور یہ نقطہ جب پہنچ گیا عالم بالا میں تو اب ذات بیچ میں آ گئی لامحدود لہٰذا اب جو محبت کا مرکز تقسیم کریگا اپنے حقوق کو تو اس میں نہ نسل کی تفریق ہو گی نہ رنگ کی تفریق ہو گی نہ ملک کی تفریق ہو گی تو دیکھیئے نظام تمدن میں کتنا فرق پیدا ہو گیا اب اس کی ذات کو درمیان میں لا کر رشتہ لگائے جا رہے ہیں تو اس کے سب مخلوق ہیں اور اب جب اس کے سب مخلوق ہیں تو اس کے سائے میں جو تمدن پرورش پائے گا اس میں پھر

اپنی بیٹی اور کنیز میں فرق نہیں ہوگا۔ (صلوٰۃ)

اور جب اپنی ذات سے خط کھینچ کر اس ذات کی طرف چلا گیا تو اب رشتے سب اس کے لحاظ سے قائم ہو رہے ہیں تو اب اپنے دوست اور دشمن کی بھی کوئی تفریق نہ ہوگی حقوق انسانی میں۔ کیونکہ وہ میرا دشمن سہی مگر میرے خدا کی مخلوق ہے لہٰذا انسان حقوق عامہ میں دوست اور دشمن کی تفریق نہ کرے گا اور ابھی تو ابتدائے بیان ہے۔ مصائب نہیں پڑھنا نہیں مگر یہ کہ یاد دلا دوں آپ کو کہ دشمن کے لئے سب سے بڑی لفظ ہمارے پاس قاتل کی ہے جب کسی کو بہت زیادہ دشمن کہنا ہو تو یہی کہیں گے کہ ارے وہ تو میرا قاتل ہے۔ اب جہاں یہ مجاز حقیقت بنا ہوا ہو واقعی قاتل ہے مگر اس زیر سایہ توحید تمدن کا جو علمبردار ہے وہ جب کاسۂ شیر خود نوش فرماتا ہے تو فوراً اس کا دل اپنے قاتل کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ جیسا دودھ میرے لئے لائے ہو ویسا ہی میرے قاتل کے لئے لاؤ۔ بس اب اس وقت اس سے زیادہ نہیں امامیہ مشن لکھنو سے ایک رسالہ چھپ گیا ہے۔ اسلامی نظام تمدن تو اس میں تفصیل سے اسکو درج کیا گیا ہے اب آگے میں نے کہا کہ اسی ''لا الہ الا اللہ''۔ اسی اللہ کی مرکزیت نے۔ اور میں کہتا ہوں اسلام کے جو لفظی مفہوم ہیں اس کے تحت میں اسلامی صحیح سیاست ہے میں نے کہا تھا اسلام کے دو معنی ہیں ایک سر نہادن بطاعت۔ اطاعت کے لئے سر جھکا دینا اور دوسرے اسی کا کامل درجہ ہے اپنے کو بالکل سپرد کر دینا۔ اب انسان اگر واقعی مسلم ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ سر جھکائے ہوئے ہے اللہ کے سامنے اور دوسرے معنی سے اپنے کو سپرد کئے ہوئے ہے اللہ کے۔ تو اب اللہ کے مقابلے میں نہ اسکی انفرادی رائے کچھ ہوگی نہ اجتماعی۔ جب یہ اس بالا دست طاقت کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے تو اب اس کے احکام کے مقابلے میں یہ اپنی رائے سے کام نہیں لے گا کہ میری رائے تو یہ ہے اسکے

معنی ہیں کہ اس نے اپنے کو سپرد نہیں کیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکایا۔ اور اب اگر ایک فرد ایسا کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک فرد حقیقت اسلام سے دور ہے اور پوری جماعت مل کے شوریٰ کرے اس کے خلاف تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پوری جماعت اس حقیقت اسلام سے دور ہے یعنی "لا الہ الا اللہ" کی لفظ زبان پر ہے مگر ذہن کے اندر نہیں ہے۔ اب پیغمبر خدا نے جو کہا تھا "لا الہ الا اللہ" کہو کہ اس کے معنی یہ تھوڑی تھے کہ تم کسی وقت پر کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگا لیا کرو تم کسی خاص وقت کے او پر ورد کر لیا کرو "لا الہ الا اللہ" کا۔ نماز کے تعقیبات تھوڑی سکھائے جا رہے تھے کہ تم ہر نماز کے بعد "لا الہ الا اللہ" کا وظیفہ پڑھو نہیں یہ جو کہا جا رہا تھا کہو: "لا الہ الا اللہ" یہ کہو نہیں تھا۔ یہ ویسے ہے جیسے آپ کہتے ہیں میرا تو قول یہ ہے یعنی یہ نصب العین ہے یہ لائحہ عمل ہے۔ یہ ہدف نگاہ ہے کہ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے۔ تو جب کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے تو اس کے احکام کے سوا کوئی حکم نہیں اور قرآن مجید نے صاف اعلان کر دیا کہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ.

کسی صاحب ایمان مرد اور کسی صاحب ایمان عورت کو یہ حق نہیں ہے۔ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو خود اسکو اپنے معاملے میں کوئی اختیار رہے معاملہ اپنا ہے مگر یہ کہ اختیار ان کو نہیں ہے جب اللہ و رسول کا فیصلہ ہو گیا حقیقت میں تو اللہ کا فیصلہ ہے جس کے ترجمان رسول ہیں کہ جب ادھر سے فیصلہ ہو گا تو اب اس کے بعد انکو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اب اکیلے اکیلے بھی اختیار نہیں مل جل کے بھی اختیار نہیں۔ اور اس کو ابتدائی حساب کے طالب علموں کی زبان میں کہہ سکتا ہوں کہ کہتا ہوں یہ نفی ہے اپنا اختیار کچھ نہیں۔

اختیار کچھ نہیں تو میں کہتا ہوں جتنے ہزار جمع ہوجائیں جتنے لاکھ جمع ہوجائیں صفر جتنے بھی جمع ہوں اس سے کوئی عدد نہیں بنتا تو مجمع کی کثرت دیکھنا کیا ہے یہ دیکھنا ہے کہ جو جمع ہوئے ہیں چاہے کتنے لاکھ ہوں ان میں سے ہر ایک صاحب اختیار ہے کہ نہیں۔ اگر ہر ایک غیر صاحب اختیار ہے تو بے اختیار آدمیوں کے جمع سے اختیار کہاں سے بنے گا اور اس کی بناء پر چونکہ

اللہ کے احکام رسول کی زبانی دنیا تک پہنچے ہیں اس لئے قرآن مجید نے اعلان کیا

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔

نبی کو مومنین پر خود انکے نفوس سے زیادہ اختیار حاصل ہے یہ اعلان عام کردیا اور اسی سے رسول نے شروع ہی سے کام لینا بھی شروع کردیا۔ ارے ابھی تو بعثت ہوئی ہے اعلان عام ہوا بھی نہیں ہے حکم آیا **وانذر عشیرتک الاقربین**۔ اب اپنے قریبی رشتہ داروں کو پیغام حق پہنچایئے اس کے لئے وہ دعوت عشیرہ ہوئی، جمع کئے گئے، کہتے کہ اعلان رسالت کے لئے میں تمہیں بلاتا ہوں تو کون آتا۔ نہیں کھانے کے لیئے بلایا۔ اب دنیا کو اختیار ہے تقیہ کہہ لے۔ کارڈ میں یہی ہے کہ مثلاً عشائیہ ہے تشریف لایئے۔ اب جتنے ہیں سب کھانے کی دعوت پر آگئے مگر کسی دعوت میں یہ شرط تو نہیں ہوتی کہ سوا کھانے کے کوئی اور بات نہیں ہوگی۔ ارے کھانا نہ کھلاتے تو وعدہ خلافی تھی، لیکن جب کھانا کھلا دیا تو اب بلانے والا جو اسے کہنا ہے اگر کچھ وہ کہتا بھی ہے گفتگو بھی کرتا ہے وہ تو انگریزی میں بھی میز پر کی گفتگو اس کا ایک نام ہے تو وہ جناب اب جب کھانا کھا چکے تو اب انکو جس مقصد کے لئے واقعی آپ نے بلایا تھا وہ پیغام پہنچایا مگر اسوقت پوری بات نہیں سنی کھانا تو کھا ہی چکے تھے مطلب نکل گیا تھا لہٰذا بغیر پوری بات سنے ہوئے اٹھ گئے چلے گئے دوسرے دن پھر

آپ نے دعوت کی مقصد تو آج پورا نہیں ہوا تھا مگر معلوم تھا کھانے کا ذوق ایسا تھا کہ پھر بھی آئے اور اب تو تجربہ کر کے آئے تھے لہٰذا اپنے دل کو تول کے آئے تھے کہ بھئی آج سننا بھی ہے۔ اب تو دو دفعہ کا حق نمک ہے لہٰذا سنیں گے آج کہ پوری بات کیا کہتے ہیں لہٰذا آج منتشر نہیں ہوئے بیٹھے رہے۔ اب وہی کھانا ہو چکا جب تو پھر وہی بات شروع کی گئی مجھے اللہ نے رسول بنایا ہے اور تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے میرے پیش نظر ایک مہم ہے۔ اس کی طرف سے۔ اب یہاں کیونکہ یہ واقعات اسلام کا ایک جزو ہے لہٰذا جزو تاریخ ہے چونکہ ایک ارشاد رسول اس کے تحت میں آیا ہے لہٰذا جزو حدیث ہے چونکہ ایک آیت قرآن کی تعمیل میں ہوا ہے لہٰذا جزو تفسیر ہے۔ مفسر بھی لکھتے ہیں محدث بھی لکھتے ہیں مورخ بھی لکھتے ہیں اور اب جو لفظ ہیں کہوں گا وہ پورے مطالعے کی ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہر جگہ وہی الفاظ ہوں گے نہ اس میں ایک لفظ کی کمی ہوگی نہ ایک لفظ کی زیادتی ہوگی۔ وہ کیا کہ آپ نے فرمایا جب اپنے عہدے کا اعلان فرما چکے اور جو اصل پیغام تھا وہ پہنچا چکے اور اب یہ دیکھ لیا کہ ہاں مجمع میں اتنی سہار ہو گئی کہ وہ بہر حال اتنا اس نے صبر کیا۔ تو اب یہ سوال ہے کہ "ایکم یوازرنی فی ھذا الامر" تم میں سے کون اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے سوال اتنے پر ختم نہیں ہوا نتیجہ اس کے ساتھ ساتھ موجود ہے تم میں سے کون اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے "حتی یکون وصی و وزیری و خلیفتی" تا کہ میرا وصی ہو میرا وزیر ہو میرا خلیفہ ہو تا بڑ توڑ تین لفظ ہیں مسلسل اب آج کے ہر روشن خیال، ہر قانون دان کسی بھی مکتب فکر کا مسلمان ہو اس سے میں پوچھوں کہ جس بات کا حق جمہور کو ہو اس کے متعلق رسول کو معاہدے کا حق کیا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان فرما رہے ہیں اور مجمع میں سے ایک بھی بیوقوف سیاستدان نہیں ہے جو یہ کہے کہ جناب والا یہ آپ کے بعد کی بات ہے اس

وقت کیوں۔ جب وہ منزل آئے گی تو پنچایت کریں گے جو بیچ تجویز کردیں وہ ہوجائے گا یہ آپ اسوقت یہ معاہدہ کیوں کر رہے ہیں مگر نہیں کوئی نہیں بولتا۔ اس کے معنی ہیں کافر ہیں مگر نبوت کا نام تو سنتے رہے ہیں یہ جانتے ہیں مانتے نہ ہوں چاہے مگر جانتے ہیں کہ نبی کا وصی بھی ہمیشہ وہی مقرر کرتا ہے جو نبی کو مقرر کرے۔ تو حضور والا فرما رہے ہیں کہ کون میرا ساتھ دے گا۔ اب یہاں ماشاءاللہ انگریزی داں طالب علم تو خود ان کتابوں کو براہ راست دیکھے ہوئے ہونگے انگریز مورخین نے یہ موقع درج کیا ہے بڑی مصوری کے ساتھ اپنے انداز تحریر میں کہ وہ ایک ۱۳ برس کا بچہ کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا اگرچہ میری عمر کم ہے اگرچہ میرا قد چھوٹا ہے اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں مگر میں آپ کا ساتھ دوں گا اب ماشاءاللہ قانون داں حضرات ایک پہلو پر غور کریں۔ اور غیر قانون داں بھی اپنی عقل سے کہ رسول نتیجے کا تو پہلے اعلان فرما چکے کہ کون میرا ساتھ دے گا؟ اب ایک نے کھڑے ہو کر کہہ دیا میں ساتھ دونگا، تو اگر رسول خاموش بھی رہیں تو معاہدہ مکمل۔ دھندلی نگاہ والوں کے لئے ذرا صاف کرنا ہوتا ہے۔ خاموش بھی رہتے تو کام چل جاتا مگر نہیں اب کہاں تو کلیہ تھا جو میرا ساتھ دے اور اب انہوں نے کھڑے ہو کر کہا 'میں' تو اب کندھے پر ہاتھ رکھ دیا کہا۔ **ھذا وصی و وزیری و خلیفتی**۔ اچھا اب تم سب کو معلوم ہو کہ یہ میرا وصی ہے یہ میرا وزیر ہے یہ میرا خلیفہ ہے۔ سب وہی لفظیں یہاں طے کردی۔ میں کہتا ہوں رسول سب لفظیں کہہ چکے ہیں اب کوئی الیکشن کرانا ہو تو کوئی نئی لفظ تلاش کیجیے گا ورنہ جتنے عہدے تھے وہ سب تو ایک کو مل گئے جگہ ہی خالی نہیں ہے تو الیکشن کاہے کا ہوگا۔ خدا اور رسول نے اپنا اختیار صرف کردیا۔ اب قرآن کہتا ہے جب اللہ اور رسول صرف کردیں اختیار تو پھر نہ کسی مومن کو حق رہ جاتا ہے نہ کسی مومنہ کو۔ اب ایسی کانفرنس کیجیے جس میں نہ کوئی مومن ہو نہ کوئی

مومنہ۔

میں کہتا ہوں کہ مجمع میں سب ہیں۔ جتنے عشیرۃ اقربین ہیں سب ہیں رسول یہ اعلان فرماتے ہیں اور یہ ہوتا ہے معاملہ۔ علی علیہ السلام اقرار کرتے ہیں اور رسول اعلان کر دیتے ہیں کہ علی علیہ السلام، یہ میرا وصی، میرا وزیر، میرا خلیفہ، یہ ہوگئی بات۔ اب ایک جز تاریخ میں اور ملتا ہے اور وہ یہ کہ مجمع اب اٹھا ہنستا ہوا اور گنجائش پیدا کی جناب ابو طالب سے مذاق کرنے کی۔ کہنے لگے کہ لئے اپنے صاحبزادے کی اطاعت کیجئے۔ میں کہتا ہو کافر ہی مگر یہ سمجھتے ہیں نکتہ رس ہیں کہ یہ آج کے اعلان میں مفترض اطاعت ہونا مضمر ہے کہ یہ اطاعت واجب ہو جاتی ہے اب اس کے بعد ایک تاریخ اور حدیث۔ تاریخ زیادہ تر تو حدیث کے اوپر بنیاد قائم کرتے ہیں کہ حضور والا میں کہتا ہوں کہ آخر مجمع میں تو ابولہب بھی تھا۔ عباس بھی تھا، اب وہ بعد میں تھے ہوگئے ہیں تو ابولہب بھی تھا عباس بھی تھے اور جتنے رشتہ دار ہیں سب تھے یہ آخر جناب ابو طالب ہی سے کیوں مذاق کیا اور جناب ابو طالب نے بھی مذاق کو سہہ لیا بگڑ کے یہ نہیں بولے کہ مجھ سے کیوں کہتے ہو۔ یہ نہیں کہا کہ مجھ سے کیوں کہتے ہو معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہی مگر ان سے مذاق نہیں کرتے کہ وہ تو ہمیں میں سے ہیں۔ مذاق ان سے کرتے ہیں جانتے ہیں کہ یہ تو شامل ہو چکے ہیں اس جماعت میں۔

اب جناب یہ اعلان ہوا محدود مجمع میں، عشیرۃ اقربین تھے بعد میں کچھ ان میں سے مر گئے کچھ سن رسیدہ لوگ جو تھے وہ بعد میں رہے نہیں۔ دوسرے لوگ وہ کسی کو یاد رہا ہو نہ یاد رہا ہو۔ اب بار بار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام مختلف انداز میں اسی کی تجدید۔ فرماتے رہے کبھی یہ کہ دیکھو رکوع میں کس نے انگوٹھی دی ہے، مگر وہ بھی ایک محدود افراد نے دیکھا جا کے کس نے انگوٹھی دی ہے انہوں نے کچھ دور کے لوگوں سے بیان کر دیا لیکن اب وہ

وقت آیا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج آخر کر کے مدینے جا رہے ہیں اور علم الٰہی میں یہ ہے کہ اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں دو تین مہینے سے زیادہ تشریف فرما نہیں رہیں گے اور یہ تو علم الٰہی میں ہے اور یہ حقیقت تاریخ ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اتنا بڑا مجمع رسول کو نہ اس سے پہلے کبھی ملا ہے نہ اس کے بعد کبھی مل سکتا ہے کئی لاکھ مسلمانوں کا مجمع جو اس حج میں شریک ہوا تھا حضرت کے ساتھ۔ اب وہ نکل کے آرہے ہیں۔ باہر خالق بھی انتظار کر رہا ہے کہ حج کے تمام مناسک ختم ہو جائیں اگر ابھی حکم آئے تو لوگوں کے اشغال الگ الگ ہیں کوئی کہے گا ہم منیٰ میں تھے کوئی کہے گا ہم مقام ابراہیم میں تھے غرض بہانے بہت ہیں بھولنے کے لہٰذا خالق نے انتظار کیا کہ حج تمام کر کے فرصت کے ساتھ نکل آؤ۔ اور اب جلدی ہو گھروں تک پہنچنے کی اب جس مقصد کے لئے سفر کھوٹا کیا جائے اور لوگوں کو روکا جائے وہ بھول نہیں سکتے۔ خاص طور پر بھلاؤ، وہ اور بات ہے ورنہ فطری طور سے بھول نہیں سکتے اور اب جلدی ایسی ہے کہ قافلے کے کچھ لوگ آگے جا چکے ہیں کچھ پیچھے ہیں اور اب حکم الٰہی آتا ہے کہ ذرا ٹھہر جایئے اور جو حکم ہو رہا ہے پہلے سے آیا ہے اس کی تبلیغ فرما دیجیئے اور اب اگر ایسا نہ کیا تو کچھ کیا ہی نہیں۔

اسکو تفصیل سے نہیں عرض کرنا ہے ورنہ جو مستقل بیان ہے اور کبھی انشاءاللہ عید غدیر قریب ہوئی اور اس زمانے میں آنا ہوا تو تفصیل سے عرض کیا جائیگا

تو حضور والا۔ اب اعلان ہوتا ہے رسول اتر پڑتے ہیں اعلان ہوتا ہے کہ جو آگے بڑھ گئے ہیں پیچھے آئیں جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ آگے بڑھیں یہ ضرور تا اکٹھا کئے جا رہے ہیں مگر اس اعلان میں بڑی حقیقت مضمر ہے کہ یہ وہ نقطہ حق ہے جس سے آگے بڑھ کر بھی گمراہ ہوتا ہے۔ پیچھے رہ کر بھی گمراہ۔ اب جناب سب رک گئے سب اکٹھا ہو گئے گرمی کا

وقت دوپہر۔ تاریخ طبری میں ہے کہ زمین اتنی گرم کہ عبائیں لپیٹ لپیٹ کر پیروں میں لوگ بیٹھے اوپر سے عرب کا سورج وہ تپا رہا ہے اور یہاں۔ اب وہاں کوہ صفا تھا یہاں صفا تو ہے نہیں لہٰذا پالان شتر کا منبر بنایا جاتا ہے اور اب خطبے کے لئے جاتے ہیں وہ چند لفظیں تھوڑی ہیں وہ بڑا بسیط خطبہ تھا مگر لوگوں نے اس کے کچھ اجزا نقل کئے کچھ اجزاء درج کئے تو بس اصل جملہ جو ہے وہ تو متفق علیہ ہے، لیکن اور باقی اجزا کیا کیا فرمایا۔ آپ نے خدمات بیان کئے اور بہت طولانی بسیط خطبہ تھا مگر وہ خطبہ تو پڑھ رہے ہیں آج ایک نئی بات کی کہ ایک ہستی کو منبر پر اپنے نزدیک بٹھالیا ہے اب آپ تو خطبہ پڑھ رہے ہیں اور لوگ بار بار اس صورت کو دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیا بات ہے اور دل میں آرہا ہے کہ ہو نہ آخر میں کچھ ان کی نسبت۔ اب سب اجزائے خطبہ چاہے نہ سنے ہوں یہ جملے تو ضرور سنیں گے۔ صورت خود جتلا رہی ہے بار بار ادھر دیکھ رہے ہیں یہ آج ان کو کیوں لا کے بٹھایا ہے منبر کے نیچے بار بار ادھر دیکھ رہے ہیں۔

میں کہتا ہوں بڑے خلوص دل سے آج یہ عبادت ہو رہی ہے اب وہ محل آیا جو اصل میں رسول کا کہنا تھا تو ابھی کچھ کہتے نہیں۔ جیسے جب اعلان عام رسالت کا کیا تو پہلے کچھ نہیں کہا پہلے کچھ نہیں کہا پہلے سوال کیا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے لشکر آرہا ہے تو مانو گے یا نہیں؟ انداز بتا رہا ہے کہ اگر مجمع کہہ دے کہ نہیں مانیں گے تو آگے نہیں کہا جائے گا کچھ، مگر مجمع نے جب اقرار کرلیا کہ ہم ضرور مانیں گے تب جو کہنا تھا کہا۔ ویسے ہی آج ابھی کچھ نہیں کہتے۔ بس یہ پوچھتے ہیں

الست اولیٰ بکم من انفسکم۔

کیا میں تم سب سے تمہارے نفوس پر زیادہ حق نہیں رکھتا ہوں۔ تم سب سے

زیادہ اختیار کیا تمہارے نفوس پر میں نہیں رکھتا ہوں دیکھئے رسالت نے سیاست کو کیسے شکنجے پر کسا ہے قرآن نے پہلے ہی صاف کہہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین پر ان کے نفوس سے زیادہ اختیار رکھتا ہے اب اس اصول کو تو طے کرانا نہیں ہے کام بس یہ کیا ہے کہ رسول کی جگہ 'میں' کہہ دیا ہے اور مومنین کی جگہ تم کہہ دیا۔ قرآن نے کہا رسول مومنین پر ان کے نفوس سے زیادہ حق رکھتا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوچھ رہے ہیں کہ کیا میں تم پر تمہارے نفوس سے زیادہ حق رکھتا ہوں یا نہیں۔ مطلب کیا ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ بتاؤ میں رسول اور تم مومن ہو یا نہیں۔

اب بڑے سے بڑے دین میں جمہوریت کو صرف کرنے والے افراد غور کریں کیا کہیں کہ آپ رسول نہیں تو اسلام جائے کہیں کہ ہم مومن نہیں تو اقرار کفر ہو۔ لہٰذا پورا مجمع چیخ اٹھا بلی۔ کیوں نہیں۔ کیوں نہیں یعنی یقیناً آپ کو ہم پر ہمارے نفوس سے زیادہ اختیار ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پورے مجمع نے بالا جماع طے کر دیا کہ رسول کو اختیار ہے ہمیں نہیں ہے۔ اب اصولِ جمہوریت کے مطابق بھی جب تک اتنا ہی بڑا مجمع کیوں نہ ہو وہ آج کا فیصلہ مسترد نہیں کر سکتا۔ بس ماشاء اللہ اب تو آپ کے دل ایسے لگے ہوئے ہیں کہ رات گزر جائے حالانکہ دن بھر کے آج آپ تھکے ہوئے تھے مگر یہ آپ کا ذوق ایمانی ہے کہ بحمد للہ۔ تو ایک پہلو کی طرف اور ایک جز و اور آپ کے سامنے پیش کروں گا اس کے بعد آگے بڑھوں گا کہ حضور والا بس جب اصل جملہ آیا جو کہنا ہے سوال مجمع نے کہہ دیا کہ ضرور آپ کو ہم پر ہم سے زیادہ اختیار ہے اب جب یہ اقرار لے لیا تو وہ جس لئے بٹھایا تھا پہلو میں۔

اس کو دونوں ہاتھوں میں لے کے اب اونچا کیا بحمد اللہ فرزندان اسلام ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی طاقت ہے کہ جس نے خیبر کو ہاتھ پر اٹھایا یہ اسے

اٹھائے ہوئے ہیں اب میں کہتا ہوں ذرا چشم تصور سے دیکھئے اور عقل سے تصور کیجئے کہ ایک بچے کو آدمی اپنے سامنے لے تو بچے کا قد چھوٹا انسان کا جسم بڑا لہٰذا بس تھوڑا سا جسم چھپے گا لیکن ایک پورا انسان، پورے انسان کو اپنے سامنے ہاتھوں پر لے لے تو کیا اب وہ ذات جس نے اٹھایا ہے وہ نظر آئے گی؟ میں کہتا ہوں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لفظاً الگ کہیں گے اور اپنے عمل سے الگ ثابت کر رہے ہیں کہ جب میں چھپ جاؤں تو یہ ہیں۔

بظاہر تو میں فضائل کی اس منزل پہ ہوں جہاں مصائب بہت دور ہیں مگر ان کے فضائل و مصائب ایسے دست و گریبان ہیں کہ مجھے کبھی فاصلہ نظر نہیں آتا کہ آج باب فضائل میں رسول نے ایک علی علیہ السلام کو ہاتھوں پر بلند کیا اور کربلا میں حسین علیہ السلام نے ایک علی علیہ السلام کو ہاتھوں پر بلند کیا اب عشرہ محرم کی مجلس ہوتی تو یہیں مصائب عرض کر دیتا مگر یہ کہ ابھی تو آخری تاریخ ہے چہلم کی تو اس لئے میں کہتا ہوں کہ ایک علی علیہ السلام غدیر میں رسول کے ہاتھوں کے اوپر ایک علی علیہ السلام کربلا میں حسین علیہ السلام کے ہاتھوں پر اور ایک علی علیہ السلام ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں، گلے میں طوق خاردار اس عالم سے جا رہا ہے اور اہل عزا عطش میں ایک دن بیان کر چکا کہ جو ساتویں سے پیاس شروع ہوئی تھی وہ ختم نہیں ہوئی۔ بہ اطمینان آیا ہی نہیں پانی جو پیاس بجھے ملتا رہا پانی مگر پیاس جاتی تھوڑی اور میرے سامنے اب ایک منزل ہے کہ زندان شام میں ایک دن حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے حضرت زینب کبریٰ کو دیکھا کہ بیٹھ کر نماز شب پڑھ رہی ہیں تو پوچھا کہ پھوپھی یہ آج آپ نماز شب بیٹھ کر کیوں پڑھ رہی ہیں فرمایا جانے دو کیا کرو گے پوچھ کر۔ عرض کیا نہیں، میں سمجھنا چاہتا ہوں جاننا چاہتا ہوں ویسے وہ علم امامت الگ ہوتا ہے مگر ہمیشہ سوالات ہوتے دریافت کیا جاتا ہے۔ بتائیے کہتی ہیں پوچھتے ہو تو سنو کہ یزید کے ہاں سے کھانا پانی اتنا کم آتا ہے کہ وہ

میرے بھائی کے بچوں کے لئے کافی نہیں ہوتا، لہٰذا اکثر میں اپنے حصے کا بھی بچوں کو کھلا دیتی ہوں تو اب اتنی طاقت نہیں رہی ہے کہ ہر نماز کھڑے ہو کر ادا کروں دیکھا آپ نے کہ پیاس مسلسل قائم ہے۔ مگر اب وہ منزل آتی ہے اس ایک جملے کو یاد دلاؤں گا پیاس مسلسل قائم ہے مگر وہ منزل آتی ہے کہ یزید کو احساس شکست ہوا کوئی نیک نیتی سے رہا تھوڑی کیا تھا کوئی جذبہ انسانیت سے تھوڑی رہا کیا تھا! نہیں سیاسی شکست کا احساس دیکھا کہ ملک میں شعلے بھڑک رہے ہیں مخالفت کے۔ مسلمانوں کا ضمیر بیدار ہو رہا ہے نا قابل برداشت ہو گئی بات تو اب بلایا آدمی بھیجا کے لے آؤ زین العابدین علیہ السلام کو۔ اور اہل عزا ایک پہلو کی طرف توجہ دلاؤں کہ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ سید سجاد آئے اور زینب نہیں بلائی گئیں۔ تو اب دیکھئے اتنی دیر زینب پر کیا گزری۔ بہر حال اب وہاں تشریف لے گئے اس نے کہا کہ جو کچھ کیا ابن مرجانہ نے کیا براہ راست مجھ سے سابقہ حسین علیہ السلام کا پڑتا تو میں یہ نہ کرتا یہ سب سیاسی باتیں۔ جو کچھ کیا وہ اس نے کیا اور اسے کے ساتھ یہ جزو ہے متفقہ کتابوں میں جس کو آجکل صفائی میں پیش کیا جاتا ہے خدا لعنت کرے ابن زیاد پر کہ اس نے مسلمانون کو مجھ سے متنفر کر دیا یہ جملہ ہے بس یہاں میں نتیجہ نکالتا ہوں اور اس کے بعد آگے بڑھوں گا کہ میں کہوں گا اے یزید اسے تو بعد میں طے کریں گے کہ اصل قاتل کون ہے، مگر یہ تو طے ہو گیا کہ جو قاتل حسین علیہ السلام ہے وہ مستحق لعنت ہے بہر حال اس نے کہا کہ اب ہم تمہیں رہا کرتے ہیں اور تمہیں اختیار ہے چاہے یہیں دمشق میں رہو عزت کے ساتھ اور چاہے مدینے واپس جاؤ۔ اب دیکھیے خاندان رسالت کا حفظ مراتب جب خیموں میں آگ لگی تھی تو زینب نے کہا تھا کہ بغیر امام وقت سے پوچھے ہوئے کچھ نہیں کہہ سکتی اور اب زینب کی عظمت وہ ہے کہ امام وقت کہہ رہا ہے کہ بغیر پھوپھی سے پوچھے میں کچھ کہہ نہیں

سکتا۔ لوہار پہلے سے بلا لیا گیا تھا اور وہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اور طوق گرانبار، وہ سب الگ کئے گئے اور سید سجادؑ نے کہا کہ اچھا جا کر پھوپھی سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔ اب آئے تو روایت نے چاہے نہ بتایا ہو۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ زینب کو در زندان پر پایا۔ خیر پہلی ہی نگاہ میں تبدیلی تو محسوس کر ہی لی کہ اب وہ ہتھکڑیاں بیڑیاں نہیں ہیں مگر ذرا تفصیل پوچھی کہ یہ کہو کیا بات ہے بیٹا کیوں گئے۔ کہا ہمیں رہا کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مجھے بتاؤ کہ تم یہاں رہنا چاہتے ہو یا مدینے جانا چاہتے ہو۔ بس زینب نے گھبرا کر کہا پھر تم نے کیا کہا فرمایا میں بغیر آپ سے پوچھے کیا کہہ سکتا ہوں میں نے کہا کہ جب تک پھوپھی سے نہ پوچھ لوں میں کچھ نہیں کہہ سکتا اب دیکھئے میں کہہ چکا ہوں کہ پانی ابھی تک دل کھول کے نہیں آیا۔ مگر زینب کی فرمائش سے پتہ چلے گا کہ زینب پانی کی اتنی پیاسی نہ تھیں جتنی آنسوؤں کی پیاسی تھی یہ نہیں کہا کہ ارے رہا کیا ہے تو ہمارے بچوں کے لئے کھانا پانی تو ذرا فراوانی کے ساتھ بھیج دے بلکہ کہا کہ اے بیٹا جب تم نے مجھ پر چھوڑا ہے تو میری طرف سے جا کر کہہ دو کہ ابھی تو ہمیں کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا ہم ابھی بتا ہی نہیں سکتے کہ یہاں رہیں گے یا مدینے جائیں گے ابھی تو ہم اپنے وارثوں کو روئے نہیں ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی، جنہیں دنیا کہتی ہے سیاست نہیں جانتے تھے باپ کو یہی کہتے ہیں۔ دیکھئے کیسا سیاست کو بے بس کیا ہے زینب سمجھتی ہیں کہ یہ کوئی مہربانی سے توڑی رہا کیا ہے۔ یہ اندیشۂ انقلاب سے رہا کیا ہے تو اب یہ مجبور ہے ہماری خاطر داری پر۔

فرماتی ہیں کہو ابھی تو ہم نے اپنے وارثوں کا ماتم نہیں کیا ہے۔ لہٰذا ایک مکان خالی کرا دے کہ ہم اپنے وارثوں کا جی کھول کے ماتم کرلیں لیجئے وہی ہوا۔ جو دختر علی کا تصور تھا اس نے کہا ہاں ہاں مکان خالی کرا دیتا ہوں۔ اب یہ دمشق وہ جگہ ہے جہاں رعایا کو ناواقف

رکھا گیا آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ ان میں سے بہت سے جانتے ہی نہیں کہ یہ شخصیتیں تھیں کون اور اب مکان خالی ہو گیا بہت سے قبیلہ قریش اور بنی ہاشم کے لوگ بھی دمشق میں دارالسلطنت تھا، تو وہ بسے ہوئے تھے، لیکن آج تک کوئی تعزیت کے لئے نہیں آیا تھا۔ ارے قیدیوں کے پاس کون آتا ہے اب جو معلوم ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے عزاء حسین علیہ السلام برپا ہوئی ہے تو اشراف دمشق کی عورتیں سیاہ کپڑے رنگوا کر آنی شروع ہوئیں تعزیت کے لئے۔ پرسا دینے کے لئے آنا شروع کیا بس چند جملے ہیں مصائب کے ماشاء اللہ آپ مثاب ہوئے ہیں میں کہتا ہوں کہ عورتوں کی ایک فطرت ہوتی ہے مرد مختصر طور سے بات کرتے ہیں عورتوں سے گفتگو کا انداز یہ ہوتا ہے کہ تفصیلات کچھ بیان کرتی ہیں وہ تفصیلات کچھ پوچھتی ہیں۔ اب جو لوگ تعزیت کے لئے آنا شروع ہوئے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی پہنچ گئی بیوہ حسن علیہ السلام کے پاس تو اس نے کہا ارے بی بی میرا بچہ تو وہ تھا کہ دشمن کے ایک سپاہی نے کہا چاند کا ٹکڑا نکل آیا اب اس پر کیا اثر ہوا اور ہاں اہل عزا اگر کوئی لیلیٰ کے پاس آگئی انہوں نے کہا ارے بی بی میرا بچہ تو ہو بہو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی تصویر تھا اور ان ظالموں نے کیا کیا اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور بس جناب اس جملے پر ختم کر دوں گا کہ اگر کوئی رباب کے پاس آگئی تو رباب نے کہا ارے بی بی علی علیہ السلام اکبر تو تلوار لے کر گئے تھے ارے قاسم بھی میچا لے کے گئے تھے عباس بھی نیزہ لے کے گئے تھے میرے بچے کے پاس کون سا ہتھیار تھا وہ تو بس ایک زبان خشک تھی مگر اس کو بھی۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

۹

مجلس امام حسینؑ

رئیس الحفاظ علامہ کفایت حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ

حضرات محترم! امام حسینؑ کی زندگی کی آخری رات آئی۔ آج کچھ بیان کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ بس دل یہ چاہتا ہے کہ کچھ میں رولوں اور کچھ آپ رولیں۔ خدا جانے اس کے بعد زندگی ہے یا نہیں۔ یہ رونا، وہ رونا ہے کہ انبیاء روتے رہے مرسلین گریاں رہے۔ ائمہ طاہرین کی وصیتیں ہیں۔ کہ کچھ ہو جائے۔ دنیا کتنی ہی کروٹیں لے۔ مگر حسینؑ کو بھول نہ جانا۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ عاشور کی صبح کو اس طرح سے گریہ کرنا۔ جس طرح سے ایک ماں اپنے جوان پسر مردہ کے اوپر روتی ہے۔

ایک دو باتیں آپ کے سامنے عرض کردوں، اس کے بعد آج شب کے کچھ حالات عرض کرنے ہیں۔

پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کہ آج تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کیا اور اپنی نعمتوں کو تمام کیا۔ یہ دین کا کمال جن کی وجہ سے ہوا۔ آج ان پر تیسرا دن ہے کہ بھوک اور پیاس سے ان کے بچے تڑپ رہے ہیں۔ اور دشمنانِ دین ہر طرح سے آرام و آسائش میں ہیں۔ جن کی وجہ سے اسلام، اسلام بنا جن کی وجہ سے نعمتیں تمام ہوئیں۔ خدا گواہ ہے جس کو بھی لفظ اسلام ملا ہے وہ اہلبیتؑ کے صدقے میں ملا ہے یہ ایک مطلب ہے۔ کچھ باتیں چاہتا ہوں کہ اس کے ذیل میں کروں۔ پھر اصل مطلب شروع کروں گا۔ سترویں پارے کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے: "وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" لوگو تم اس

طرح سے جہاد کرنا، پروردگار عالم کی راہ میں، جو حق ہے جہاد کرنے کا۔ "هُوَ اجْتَبٰكُمْ"
خدا نے تم ہی کو تو برگزیدہ بنایا ہے تم ہی کو تو منتخب کیا ہے۔ اب آپ اندازہ فرماتے جائیں یہ
عام لوگوں سے کلام نہیں ہے۔ مخصوص حضرات ہیں جن سے خدا فرما رہا ہے کہ تم اس طرح
سے جہاد کرنا، کہ جو حق جہاد ہے۔ ایک دوسری جگہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اے ایمان والو،
خدا سے اس طرح سے ڈرنا کہ جو حق ہے ڈرنے کا۔

حضرات یہ حکم۔ کیا ہمارے لئے تکلیف مالا یطاق نہیں؟ کیا ایسا حکم جو ہم نہیں کر
سکتے ہیں ہمیں دینا عقلاً جائز ہے؟ ذرا غور سے سنئے گا۔ کئی جگہ قرآن مجید میں ہے خدا کسی
نفس کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی کہ اس میں گنجائش ہے۔ یا جتنا وہ عمل کر سکتا ہے۔ آپ ذرا
اندازہ فرمائیں کہ ہم ایسے لوگوں کا تقویٰ، ایسا ہو سکتا ہے۔ جو ارباب معرفت کا ہے۔ کیا
ویسا تقویٰ ہو سکتا ہے کہ جیسا تقویٰ انبیاء کرام کا ہے۔ یعنی جس طرح سے وہ خدا سے ڈرتے
تھے۔ کیا ہم ایسا ہی ڈر سکتے ہیں یا جس طرح سے جناب رسالتمابؐ ڈرتے تھے۔ خدا سے
کیا ہم یا آپ اسی طرح سے ڈر سکتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں معرفت پر موقوف ہیں۔ جب
ہماری معرفت ہی اتنی نہیں۔ تو یہ صفتیں ہم میں۔ آ کیسے سکتی ہیں؟ کیسی صاف سی چیز ہے اسی
لئے ارشاد فرمایا۔ ان خاص لوگوں سے یہ کہا۔ کہ تم اس طرح سے ڈرنا کہ جو حق ہے ڈرنے
کا۔ اور عام لوگوں کے لئے یہ کہا کہ تم اتنا ڈرنا جتنا تم سے ہو سکے۔ یعنی یہ تمہارے لئے ہے
اور وہ ان لوگوں کے لئے کہ جو صاحبان تقرب ہیں۔

اسی طرح سے یہ ارشاد خداوندی کہ تم اس طرح سے جہاد کرنا۔ جو حق ہے جہاد کا۔
کیا ہم اور آپ ادا کر سکتے ہیں۔ یہ حکم۔ جہاد مالی ہو۔ جہاد نفسی ہو۔ جہاد اکبر ہو جہاد اصغر
ہو۔ کیا ہم ان مراحل میں اتنے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جتنے وہ حضرات ہیں کہ جن کے

مراتب اور منازل اتنے بلند ہو گئے ہیں کہ فرشتے ان سے بے انتہا پست نظر آتے ہیں کیا ہم ان چیزوں کو ویسا ہی ادا کر سکتے ہیں کہ جو حق ہے ادا کرنے کا۔ معلوم ہوا کہ یہ جو حکم ہے ہمارے لئے نہیں، مخصوص حضرات کے لئے ہے۔

خدا نے تم ہی کو تو منتخب کیا ہے۔ تمہیں کو تو برگزیدہ کیا ہے۔ کوئی آدمی جو یہ کہہ سکے کہ مجھے برگزیدہ کیا۔ صبح سے شام تک گناہوں میں مبتلا ہونے والے لوگ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں خدا نے مجتبیٰ کیا اور برگزیدہ بنایا؟ معلوم ہوا کہ یہ حضرات مخصوص ہیں جن کو خدا نے چن لیا ہے۔

پھر اس کے بعد ہے تم اپنے باپ ابراہیم ہی کی ملت ہو۔ جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ تمہارا باپ ابراہیم! کیا حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں ان کے اولاد کے سوا کوئی نہ تھا؟ اگر کوئی اور بھی تھا تو حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا؟ یا اور لوگوں کی اولادیں جو چلی آ رہی تھیں۔ ان میں کوئی مسلمان نہیں ہوا۔ یہ اتنے مسلمان سب ابراہیمؑ کی ہی اولاد سے تھے۔ نہیں ہیں نا۔ تو یہاں کہا جا رہا ہے۔ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے۔ معلوم ہوا مخصوص ہیں، جن سے خطاب ہو رہا ہے۔ عام لوگوں سے نہیں۔ اب دیکھئے ابراہیمؑ نے تمہارا ہی نام تو مسلمان رکھا ہے۔ معلوم ہوا تمام دنیا کے لوگوں کے لئے مسلمان نام ابراہیمؑ نے نہیں رکھا۔ مخصوص ہیں وہ۔ جو ایسا جہاد کر سکتے ہیں جو حق ہے جہاد کرنے کا۔ جو برگزیدہ ہیں۔ چنے ہوئے ہیں۔ اور جن کا باپ ابراہیمؑ ہے۔ ان تمام صفتوں پر جب آپ غور کریں گے تو وہ مخصوص حضرات نظر آئیں گے۔ اور وہ کون ہیں؟ وہ ہیں محمد و آل محمد علیہم السلام۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی بت پرستی نہ کی ہو۔ اس لئے کہ اگر بت پرستی کر لی

تو حضرت ابراہیمؑ نے اس زمانے میں ایسے لوگوں کا نام مسلمان نہیں رکھا۔ انہوں نے انکا نام مسلمان رکھا ہے۔ جن سے کبھی بھی کسی بت کے سامنے سجدہ نہ ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ جتنی صفتیں ہیں وہ سب مخصوص ہیں ان حضرات کے لئے جن کو پروردگار عالم نے مجتبیٰ کیا ہے اور حکم جہاد دیا ہے۔

پھر عرض کرتا ہوں۔ یہ ہی ہیں مسلمان۔ جن کو جناب ابرہیمؑ نے مسلمان کہا۔ یا اور کوئی اپنے کو کہہ سکتا ہے جو ان کی غلامی اختیار کرے۔ یعنی ان کے صدقے میں مسلمان ہوسکتا ہے۔ حقیقی مسلم! کیسا ہو۔ کہنے کے لئے تو سارے ہی مسلم ہیں مگر میرے بھائیو! ذرا بتلاؤ جتنے کہلواتے ہیں سارے جنت میں جائیں گے۔ اگر نہیں جائیں گے تو بتلایئے اسلام رکھتے ہوئے۔ پھر نہ جانا۔ کیا معنی۔ تو جو جہنم میں جائیں گے ان کا اسلام نہیں ہے نا۔ اسلام ہو اور پھر جہنم ہو تو پھر اس اسلام کا فائدہ ہی کیا ہے۔ خیر مختصر یہ کہ حدیث جناب رسالتمابؐ میں یہ ہے۔ بہت سے نام کے مسلمان ہوں گے جو جنت کی بو بھی نہ سونگھ سکیں گے۔ پھر کون لوگ جائیں گے جو! وہ ہی جائیں گے کہ جو ایسے لوگوں سے وابستہ ہو گئے ہیں جو خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل رکھتے ہیں۔ جنہوں نے خدا کے اوپر حق قائم کر دیا ہے اور وہ حق کیا ہے؟ وہ حق شفاعت ہے۔

خیر حضور جن کی وجہ سے اسلام۔ اسلام بنا۔ جن کی وجہ سے اسلام کی تکمیل ہوئی تھی۔ آج وہ وقت آ گیا کہ عبادت کے لئے ایک رات کی بھیک مانگنی پڑی۔ یہ الفاظ بہت ممکن ہے کہ آپ حضرات کو گراں گزرے ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ واقعہ یہی ہے۔

آج دوپہر کے وقت شمر ملعون کربلا کی سرزمین پر پہنچا ہے۔ دو ہزار سواروں کے ساتھ۔ جس طرح سے اور بہت سے واقعات اہل بیت کو معلوم تھے۔ یہ بھی معلوم تھا کہ امام

حسینؑ کا قاتل ایک ہوگا۔ جس کا نام ہوگا شمر۔ جب یہ لوگ کربلا میں پہنچے تو انہوں نے گھوڑے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر دوڑانے شروع کئے۔ تو زمین لرزنے لگی۔ بیبیوں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ شمر آ گیا۔ بی بیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مایوسانہ نگاہ سے دیکھا۔

جب دن کا اختتام ہونے کو تھا۔ امام حسینؑ کسی فکر میں ایک کرسی پر بیٹھے جو جناب زینب کے خیمے کے باہر لگی ہوئی ہے۔ کچھ غنیدی آ گئی۔ شمر یہ حکم لایا تھا۔ ابن سعد کے نام ابن زیاد کا کہ جس وقت میرا یہ خط ملے فوراً حسینؑ پر حملہ کر دے۔ خط دیکھ کر ابن سعد نے حکم دیا کہ پانچ ہزار سوار خیمہ گاہ حسینؑ پر حملہ کر دیں۔ جس وقت وہ سوار آگے بڑھے۔ جناب زینبؑ خیمے کے پردے سے لگی ہوئی کھڑی تھیں۔ بھائی کا منہ دیکھ رہی تھیں اور غالباً یہ خیال تھا کہ کل میرا بھائی مجھ سے چھوٹ جائے گا۔

جب میدان کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ سوار خیموں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ہاتھ بڑھا کر امام حسینؑ کا بازو پکڑ کر ہلایا۔ آپ نے فرمایا بہن کیا بات ہے کہا بھیا فوجیں بڑھ رہی ہیں۔ امام حسینؑ نے جناب عباسؑ کو آواز دی۔ یا عباسؑ ذرا ان سے جا کر پوچھو یہ خیموں کی طرف کیوں آ رہے ہیں؟ کیا ارادہ ہے جناب عباسؑ حبیب ابن مظاہر، زہیر مسلم ابن عوسجہ یہ سب کے سب آگے بڑھے۔ قریب پہنچ کر جناب عباسؑ نے آواز دی۔ رک جاؤ وہیں۔ خدا جانے کیسا اثر تھا کہ ایک مرتبہ گھوڑوں کی باگیں کھنچیں اور فوج رک گئی۔ فرمایا کیوں بڑھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ خیمہ ہائے حسینؑ پر حملہ کر دیا جائے۔ اسی کی تعمیل میں ہم بڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہیں ٹھہرے رہو۔ جب تک میں اپنے آقا سے اجازت نہ لے آؤں۔ جو کچھ وہ جواب دیں گے اسی کے

بعد دیکھا جائے گا۔ ٹھہر گئے وہ لوگ جناب عباسؑ آئے۔ آقا یہ جنگ اس وقت کرنا چاہتے ہیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا بھیا ان سے کہہ دو کہ میں ایک رات میں کہیں بھاگ نہ جاؤں گا۔ مجھے ایک رات کی اور مہلت دے دو۔ کہ میں جی بھر کر اپنے خدا کو یاد کرلوں۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمیں حکم نہیں ہے ہم اجازت نہیں دیں گے۔ مگر فوراً ایک دوسرے شخص نے کہا اگر ترک و دیلم کے کافر ہوتے اور وہ ہم سے ایک رات کی اجازت مانگتے تو ہم دے دیتے۔ ارے یہ تو فرزند رسولؐ ہے یہ اگر ایک رات کی اجازت مانگ رہا ہے تو دے دینے میں کیا حرج ہے۔ ابن سعد کو خبر ہوگئی اس نے یہ بات منظور کرلی کہ اچھا اب جنگ کل کو صبح ہوگی۔

حضورؑ ایک رات مل گئی میں نے یہ کہا تھا کہ مانگی ہوئی رات۔ کیا حالت ہے۔ بیبیوں کی کیا حالت ہوگی۔ اصحاب کی کیا کیفیت ہوگی۔ اس کا تصور کوئی نہیں کرسکتا۔ بیبیاں یہ سمجھ رہی ہیں۔ کل تک یہ خیمے کچھ نہ ہوں گے۔

اصحاب۔ یہ جان رہے ہیں۔ کل ہم نہ ہوں گے، جس قدر ہوسکے خدا کی عبادت کرلو، سبحان اللہ تاریخوں میں یہ الفاظ ہیں کہ سوکھے ہوئے ہونٹوں سے تسبیح خدا اس طرح سے کر رہے تھے۔ حسینؑ کے ساتھی کہ آسمان و زمین گونج رہے تھے۔ اب مثال یہ دی ہے کہ جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز پھیلتی ہے۔ اسی طرح سے میدان کربلا میں ان کی تسبیح کی آواز پھیل رہی تھی۔ امام حسینؑ کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی اصحاب کے ساتھ بیٹھ کر تسبیح فرماتے تھے اور کبھی تھوڑی دیر کے بعد خیموں میں چلے جاتے تھے۔ بیبیوں کو تسلیاں دینے کیلئے ایک اہم واقعہ جو اس شب میں ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جناب زینبؑ نے فضہ سے کہا ہے کہ فضہ ذرا میرے ماں جائے کو تو بلا لاؤ۔ امام حسینؑ کو فضہ نے آواز دی۔ آقا شہزادیٔ عالم یاد کررہی

ہیں۔ امام حسینؑ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ گردن جھکائے ہوئے خیمے کے دروازے پر پہنچے۔ پردہ اٹھایا۔ اندر داخل ہوئے۔ دیکھا جناب زینبؑ زمین پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں۔

عزاداران اہل بیت امام حسینؑ نے پاس جا کر آواز دی۔ بہن مجھے کیوں بلایا ہے۔ بہن نے بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ فرمایا: بھیا حسینؑ ذرا بیٹھ جاؤ۔ میری ایک بات سن لو۔ جب سے مدینے سے چلے۔ بہت مرتبہ دل گھبرایا مگر بھیا تم سے نہ کہا۔ تا کہ ایسا نہ ہو کہ میرے بھائی کو رنج ہو۔ اس کے بعد جب مکے آئے اور مکے سے نکلنا پڑ گیا تو میرا دل اور زیادہ گھبرانے لگا مگر میں ضبط کرتی رہی۔ تم سے کبھی ذکر نہ کیا۔ میرے بھائی حسینؑ جس دن سے اس زمین پر پہنچے۔ ہر وقت دل دھڑکتا رہا۔ مگر میں نے تم سے ذکر نہ کیا میرے بھائی حسینؑ یہ کیسی رات ہے کہ دل کو کسی طرح سے قرار نہیں آتا۔

میرے بھیا حسینؑ! اس وقت میرا دل بڑا گھبرا رہا ہے۔ امام حسینؑ نے کچھ تسلی دی۔ بہن ابھی تو پوری رات ہے۔ کل ہو گا جو کچھ ہو گا۔ اتنی کیوں گھبرا گئیں۔ اگر اتنی گھبرا جاؤ گی تو یہ بچے اور عورتیں کس کے سپرد کروں گا۔ یہ بی بیاں کس کے ساتھ جائیں گی۔ جناب زینبؑ نے عرض کیا۔ میرے بھائی اور سب چیزوں کو جانے دیں۔ مجھے یہ بتلا دو کہ یہ کون بی بی ہے کہ جو خیموں کے دوسری طرف اکثر فریاد کرتی ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ بہن پہچانا نہیں۔ یہ ہماری ماں فاطمہ زہراؑ ہیں جو ہمارے قافلے کے ساتھ ساتھ آئی ہیں۔

اچھا حضور! اصحاب کی یہ کیفیت ہے کہ باری باری کچھ پہرہ دے رہے ہیں۔ اور باقی عبادت میں مشغول ہیں کبھی پہرہ دینے والے عبادت کے لئے چلے جاتے ہیں اور دوسرے ساتھی آ کر پہرہ دینے لگتے ہیں۔ کیا دنیا نے کبھی ایسے اصحاب دیکھے ہیں؟

ارے جنگ احد میں رسولؐ کے ساتھ ۳ آدمی رہ گئے تھے جنگ حنین میں زیادہ سے زیادہ ۹ آدمی رسول کے ساتھ رہ گئے تھے۔ دنیا میں کبھی ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جو جانتے ہیں کہ زندگی ختم ہو رہی ہے لیکن ہونے سے پہلے ہم یہ نہ دیکھیں کہ حسینؑ کا کوئی بچہ زخمی ہوا۔

اس شب کا ایک واقعہ کتابوں میں آ گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ادھر ابن سعد نے افسران فوج کو جمع کیا ہے اور مشورہ ہو رہا ہے کہ کل صبح جنگ کس طرح سے شروع کی جائے۔ تاکہ جلدی ختم ہو اور ابن زیاد کو خبر دی جائے کہ ختم ہو گئی۔ ایک شخص نے ان میں سے کہا کہ میں ایسا کر سکتا ہوں کہ آج رات کو ہی جنگ ختم ہو جائے کل ضرورت ہی نہ رہے فوج کے لڑنے کی۔ لوگوں نے کہا وہ کس طرح۔ اس نے کہا جنگ کے ختم ہو جانے کا مقصد بس حسینؑ کا قتل ہو جانا ہی تو ہے۔ اگر حسینؑ آج رات ہی قتل ہو جائیں تو پھر باقی رہ کیا جائیگا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اس وقت کیسے انہیں قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کہا میں ابھی جاتا ہوں۔ امام حسینؑ کے پاس۔ ان پر حملہ کر دوں گا۔ اس میں شک نہیں کہ میں بھی مارا جاؤں گا۔ لیکن تم ابن زیاد کے پاس جا کر میرے بچوں کی سفارش کر دینا۔ چنانچہ یہ وہاں سے چلا تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ رات کا وقت ہے آدھی رات سے زیادہ گزر چکی ہے۔ یہ جس طرف آ رہا تھا۔ اس طرف ہلال پہرہ دے رہے تھے۔ ہلال نے دیکھا کہ کوئی شخص آ رہا ہے۔ جب وہ قریب آیا تو انہوں نے اس کو ٹوکا۔ کون ہے جو ادھر آ رہا ہے؟ اس نے اپنا نام بتلایا جب اور قریب آیا۔ تو انہوں نے کہا کدھر جا رہے ہو؟ اس نے کہا میں امام حسینؑ کے پاس جا رہا ہوں۔ کچھ میرا کام ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک جاؤ وہ امام وقت ہیں۔ حاجت روائے عالم ہیں۔ تم جاؤ مگر یہ تلوار یہاں رکھ جاؤ۔ اس نے کہا دیکھو یہ میری

تو ہین ہے میں تلوار کے ساتھ جاؤں گا۔ ہلال نے کہا آج تو نہیں جانے دوں گا۔ اس نے کہا نہیں، مجھ ضروری ہے جانا۔ اس کے بعد اس نے قدم بڑھانے کا ارادہ کیا۔ ہلال نے وہیں سے آواز دی۔ قدم بڑھایا تو سر نہ ہوگا۔ یہ آواز کچھ اتنی بلند ہوگئی تھی کہ امام حسینؑ کے کانوں تک پہنچی۔ امام حسینؑ نے آواز دی ہلال کون ہے کس سے باتیں کر رہے ہو؟ جناب ہلال نے عرض کیا۔ مولا یہ شخص آپ کی خدمت میں آنا چاہتا ہے میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک تلوار نہ رکھ دے مجھے اس کی صورت سے اندیشہ معلوم ہوتا ہے امام حسینؑ نے فرمایا ہلال آنے دو۔ اب امام کا حکم۔ کیا کریں ہلال نے اسے چھوڑا۔ مگر کس طرح؟ جب وہ امام حسینؑ کے سامنے جا کر کھڑا ہوا۔ تو امام حسینؑ نے دیکھا اس کی تلوار کے قبضے پر ہلال کا ہاتھ ہے۔ یہ دیکھ کر امام حسین مسکرائے ہلال یہ کیا ہے؟ عرض کرتے ہیں مولا اب کچھ نہ کہیے۔ میں اس کی تلوار کے قبضے سے ہاتھ نہ ہٹاؤں گا۔

ہلال! اس وقت اس کی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ارے عاشور کے دن تم سب کے سب کہاں تھے۔ جب شمر خنجر لیکر آیا تھا کوئی نہ تھا جو اس پر ہاتھ رکھتا۔

کیا عرض کروں رات گزر رہی ہے۔ بس ایک واقعہ اور عرض کر دوں۔ کتابوں میں یہ چیز بھی ہے کہ امام حسینؑ بیبیوں کے خیموں کی طرف وقفوں وقفوں سے جاتے ہیں۔ ایک یہ مقصد ہے کہ کوئی چھپ کر ادھر نہ آجائے۔ اور یہ بھی مقصد ہے کہ ذرا بیبیوں کو دیکھیں کہ کس عالم میں ہیں۔ بعض کتابوں میں یہ بھی ہے کہ جب مادر جناب علی اکبرؑ کے خیمے کی طرف گئے تو دیکھا علی اکبرؑ کچھ آرام کر رہے ہیں۔ ماں نے ایک شمع جلا رکھی ہے۔ اور پاس بیٹھی ہوئی علی اکبرؑ کی صورت دیکھ رہی ہیں۔ ماں کہہ رہی ہے۔ میرے لعل کل یہ چاندسی تصویر مٹ جائے گی۔ جناب زینبؑ کے خیموں کی طرف گئے۔ دیکھا زینبؑ اپنے بچوں کو

بٹھا رہی ہیں اور فرما رہی ہیں بچوں کل قربانی کا دن ہے۔ میں تمہیں اپنے بھائی پر قربان کروں گی۔ بہرحال امام حسینؑ روتے رہے۔

بس حضور اب اس سے آگے نہیں کہہ سکتا۔ بس ایک دو فقرے آخر کے سن لیجئے کل نہ خیمے ہوں گے۔ یہ بی بیاں اس وقت پردے میں بیٹھی ہیں کل فرش پر بیٹھی ہوں گی۔ نہ ان کے بھائی ہوں گے نہ ان کے بیٹے ہوں گے۔

صبح سے جنگ شروع ہوگئی۔ وہ وقت آیا۔ کہ اب حسینؑ کا کوئی مددگار نہ رہا ایک مرتبہ فریاد کی آواز بلند کی۔

هل من ناصر ينصرنا. هل من يغيث يغيثنا.

کوئی ہے جو اس عالم بے کسی میں میری مدد کو آئے۔ بی بیوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ امام حسینؑ آئے۔ جناب زینب نے کہا۔ علی اصغر نے اپنے آپ کو گہوارے سے گرادیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہاں مجھے دے دو۔ لے آئے میدان میں بچے کے تیر لگا۔ حسینؑ نے قبر بنائی۔ دو رکعت نماز شکر ادا کی۔ پھر اس کے بعد خیمے میں آئے۔ آخری مرتبہ خیمے میں آئے۔

اب ذرا تصور تو کیجئے۔ صبح کے وقت گھر بھرا ہوا تھا۔ اس وقت کوئی نہیں ہے۔ علی اکبر بھی سینے پہ برچھی کھائے ہوئے سو رہے ہیں۔ عباس بھی نہر کے کنارے بازو کٹائے آرام کر رہے ہیں۔ امام حسینؑ خیمے کی طرف تشریف لائے۔ اور اب وہ فریاد کی آواز ہے۔ دنیا میں کوئی نہ تھا جس کے کان میں یہ آواز نہ پہنچی ہو۔ امام حسینؑ نے فرمایا کوئی ہے جو اس مصیبت کو حرم رسول سے دور کرے۔ کوئی ہے جو میری فریاد کو پہنچے۔ حضور والا! یہ جو ایک دو مرتبہ آواز بلند کی۔ اور کسی طرف سے جواب نہ آیا۔ میرے خیال میں جو انبیاء کھڑے

ہوئے ہیں نامیدان کربلا میں۔ انہوں نے لبیک کہا ہوگا۔ مگر حسینؑ نے فرمادیا ہوگا۔ تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ اب کیا ہوا۔ یہ دوسری مرتبہ فریاد کی آواز جو بلند کی۔ یہ دوسری مرتبہ ہے کہ خیموں سے بیبیوں کے رونے کی آواز ائی۔ اب جو دیکھا تو یہ قیامت دیکھی کہ امام زین العابدینؑ جو غشی کے عالم میں تھے۔ جب یہ آواز ان کے کان میں پہنچی ایک مرتبہ اٹھے تلوار پکڑی۔ گھٹنوں کے بل چلے۔ خیمے کا پردہ اٹھایا باہر نکل گئے۔ ام کلثوم نے پیچھے سے کرتا پکڑا۔ کہا بیٹا کدھر جارہے ہو؟ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں مجھے چھوڑ دو۔ میرا مظلوم باپ مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ امام حسینؑ نے جب یہ دیکھا تشریف لائے آواز دی۔ بہن میرے بیٹے کو نہ چھوڑنا۔ نسل امامت منقطع ہوجائے گی امام زین العابدینؑ کو خیمے میں لے گئے اس کے بعد امام زین العابدینؑ نے ایک چیخ ماری اور پھر آنکھیں بند ہوگئیں۔

اچھا بس آخری منزل میں پہنچ جاؤ یہ وقت آیا کہ حسینؑ گھوڑے سے گرنے لگے۔ بس حضور اس کے بعد ختم۔ سنبھلا نہ جاسکا۔ کیونکہ پیشانی کا تیر جب نکالا تو خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ اس کے بعد ایک تیر سینے پر لگا۔ وہ پیچھے سے نکالا تو ایک اور خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ حسینؑ کا گھوڑے پر سنبھلنا مشکل ہوگیا۔ ایک مرتبہ زمین کی طرف دیکھا۔ فرماتے ہیں میرے وفادار گھوڑے، یہ گھوڑا رسول اللہؐ کی سواری میں رہ چکا تھا۔ فرماتے ہیں میرے نانا کے وفادار گھوڑے میں اگر یہاں گر گیا تو خیمے سامنے ہیں میری بہن خیمے کے دروازے پر کھڑی ہے اگر قاتل نے آکر میرا سر کاٹا۔ میری بہن مرجائیگی مجھے اس جگہ لے جا۔ جہاں سے خیمے دکھائی نہ دیں گھوڑا ایک نشیب کے مقام پر ٹھہرا۔ آپ نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ کہا ہاں یہی تو وہ زمین ہے جو میرے نانا نے مجھے دکھلائی تھی۔ گھوڑے نے اپنے گھٹنے ٹیکے۔ حسینؑ ایک طرف کو جھکے اور کیا عرض کروں؟ فوراً زمین پر نہ پہنچ سکے۔

زبان سے نکلتی نہیں ہے بات زمین سے لگتا تھا کہ ایک مرتبہ زمین کو دھچکا سا لگا۔ فضا کا رنگ بدلا۔ زینب دروازے پر کھڑی ہوئی یہ دیکھ کر گھبرا گئیں۔ آج زینب کا کوئی نہیں ہے یہ سمجھ کر کہ بھائی قتل ہو گئے ایک مرتبہ خیمے سے باہر آ گئیں۔ چادر کا ایک سرا سر پر ایک زمین پر لگتا ہوا۔ ایک جگہ پہنچیں یہ کچھ بلند تھی۔ وہاں سے دیکھا کہ حسینؑ گرم زمین پر تڑپ رہے ہیں عزادارو ذرا تصور کرنا۔ زینبؑ کس سے کہے۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک شخص فوج سے نکلا۔ خنجر لئے ہوئے نکلا۔ زینب سمجھی یہ میرے بھائی کو قتل کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ ہائے بے کس بہن کیا کرے کس سے کہے۔ ایک مرتبہ آواز بلند کی۔ وا محمدؐ وا علیاؑ۔ بابا نجف سے آؤ نانا مدینے سے آؤ۔

امام حسینؑ کے کان میں آواز پہنچی۔ سر اٹھایا۔ دیکھا کہ بہن کھڑی ہوئی فریاد کر رہی ہے۔ امام حسینؑ نے اشارے سے کہا۔ کہ ابھی زندہ ہوں خیمے میں چلی جاؤ۔ بھائی کا حکم۔ زینبؑ چلی۔ خیمے کی طرف بس دو تین قدم چلی پھر آواز دی۔ یا محمدؐ! ارے اسی طرح سے خیمے میں جب پہنچی تھوڑی دیر کے بعد زمین میں زلزلہ آیا۔ گھبرا گئیں کہ یہ زلزلہ کیسا۔ گھبرائی ہوئی امام زین العابدینؑ کے خیمے میں پہنچیں۔ ایک مرتبہ بازو پکڑ کر ہلایا۔ بیٹا زین العابدین اٹھو۔ امام زین العابدینؑ کی آنکھ کھلی۔ فرمایا پھوپھی جان کیا ہوا۔ کہا دیکھو یہ زلزلہ آ رہا ہے۔ امام زین العابدین نے فرمایا پھوپھی جان خیمے کا پردہ ذرا اٹھاؤ۔ اب جو پردہ اٹھا کیا دیکھا حسینؑ کا سر نیزے پر بلند ہے۔ اور فوج خوشیاں منا رہی ہے۔

(۱۰)

مجلس: مالک یوم الدین

مولانا سید کلب عابد صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ (صلوٰۃ)

موجودہ ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید کا پہلا سورہ، سورہ حمد۔ یہ موجودہ ترتیب میں کیوں کہہ دیتا ہوں؟ یہ اس بنا پر موجودہ ترتیب کہہ دیتا ہوں کہ ہمارے نزدیک قرآن کے الفاظ میں اس کی آیات میں ایک حرف کی بھی کمی و زیادتی نہیں ہے۔ بس جو اللہ کی طرف سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا تک پہنچایا وہ یہی قرآن ہے جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں۔ لیکن سوروں کی ترتیب وہ نہیں رہی ہے جو نزول کی ترتیب تھی سوروں میں ترتیب بدل گئی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ظاہر ہے مکہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرہ برس پہلے رہے مدینے میں بعد میں رہے ہیں۔ مکی سوروں کو پہلے ہونا چاہیے مدنی سوروں کو بعد میں ہونا چاہیے۔ لیکن موجودہ ترتیب آپ دیکھ لیں کہ مکی سورے بعد میں ہیں مدنی سورے پہلے ہیں۔ تو خود مدنی سوروں کا پہلے ہونا اور مکی سوروں کا بعد میں ہونا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سوروں کی ترتیب وہ قائم نہیں رہی کہ جس طرح سے سورے اترے تھے۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر قرآن ایک ہے تو اپنا قرآن علی علیہ السلام نے الگ سے

پیش کیوں کیا؟ اور پھر جب لوگوں نے نہیں مانا تو واپس کیوں لے لیا؟ تو کچھ تو الگ تھا۔ تو امیر المومنین علی علیہ السلام ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیش کردہ قرآن اسی ترتیب کے لحاظ سے تھا جس ترتیب سے سورے نازل ہوئے تھے۔ (صلوات)

اور دوسری بات یہ تھی جو کہ رد کرنے کا سبب بنی کہ امیر المومنین علیہ السلام نے آیات کی تفسیر نزولی، یعنی وہ تفسیر جو رسول علیہ السلام نے بیان فرمائی تھی وہ تفسیر جو امیر المومنین علیہ السلام تک رسول کے ذریعے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جبرئیل کے ذریعے پہنچی تھی آیات کے ذیل میں، وہ تفسیر بھی لکھ دی تھی اور اس میں بہت سے پول کھلتے تھے، لہٰذا اس کو منظور نہیں کیا گیا ورنہ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے وہ پورا قرآن وہی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور جس کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت تک پہنچایا تھا۔

بہر صورت میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب کے حساب سے پہلا سورہ سورہ حمد۔ ورنہ تریب نزولی کے حساب سے تو پہلا سورہ سورہ اقراء ہے۔ سب سے پہلا سورہ جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے وہ ہے سورہ اقراء

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥"

پہلا سورہ سورہ اقراء ہے۔ یہیں سے غار حرا میں وحی کی ابتدا ہوئی ہے۔ لہٰذا نزول کے اعتبار سے تو پہلا سورہ سورہ اقرا ہے لیکن موجودہ ترتیب کے لحاظ سے جو پہلا سورہ ہے قرآن مجید میں سورہ حمد۔ اسی کی میں تلاوت کر رہا ہوں اور اسی کے سلسلے میں آپ کی خدمت میں مطالب عرض کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے بھی عرض کیا۔ چار پانچ سال پہلے بھی سورہ حمد کو عنوان بیان قرار دیا تھا میں نے مگر تشنہ رہ گیا تھا محدود رہ گیا تھا میں نے سوچا کہ اسی

سورہ کی ابتدا کر کے بیان کروں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ ابھی تو میں الحمد للہ ہی تک پہنچا ہوں۔

ارشاد ہو رہا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ یہی پہلی آیت ہے قرآن کی ہر سورے کی سوائے ایک سورے کے، سورے کی پہلی آیت کیا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اب اس کے بعد جو پہلی خصوصی آیت ہے سورہ حمد کی وہ ہے الحمد للہ رب العالمین۔

تمام حمد تمام تعریف تمام ستائش تمام مدح اس اللہ کی ہے جو عالموں کا پالنے والا ہے۔ جو رب عالمیں ہے ایک مرتبہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' میں رحمانیت ورحیمیت الٰہی کا اعلان کیا گیا پھر سورہ حمد کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے ''الرحمٰن الرحیم'' وہ رب عالمین وہ عالموں کا پالنے والا وہ رحمٰن بھی ہے ہر شئے پر رحم کرتا ہے اس کے رحم کا مظاہرہ کائنات کے ذرے ذرے میں معلوم کر سکتے ہو۔ اس کا دامن رحمت عام ہے، رحمان ہے، رحیم ہے، اس کا فیض اس کا انعام اس کی طرف سے تفضل عام تو ہے ہی لیکن جو اس کی بارگاہ میں سر جھکا دے جو اس کی ربوبیت والوہیت کے سامنے سر اطاعت خم کر دے جب نہ ماننے والوں کے ساتھ رحم تو ظاہر ہے ماننے والوں کے لیے تو رحمتیں اور جھک آتی ہیں اور یہ رحمتیں وہ ہیں جو قائم و دائم ہیں جو یہاں بھی ہیں برزخ میں بھی ہیں۔ یوم حساب میں بھی ہیں، حساب وکتاب کے بعد بھی جزا وسزا کے سلسلے میں یہ رحمتیں باقی رہیں گی تو وہ رحمتیں مومنین کے لیے

جن کا سلسلہ یہاں سے شروع ہو کر وہاں تک قائم رہتا ہے اس کی طرف اشارہ ہے رحیم سے۔ رحمان بھی ہے اس کی رحمت باقی رہنے والی بھی ہے عام رحمت رحمان باقی رہنے والی رحمت رحیم۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ.

وہ رحمان ورحیم ہی حقیقی معنوں میں یوم جزا کا مالک ہے اس دن پتہ چلے گا کہ حقیقی مالک کون ہے۔ اس دن پتہ چلے گا کہ مالکیت کا دعویٰ کرنے والے کدھر ہیں۔

تو میں عرض کر رہا ہوں الحمدللہ ہر حمد ہر تعریف ہر ستائش اللہ کے لیے ہے۔ جس کی زبان پر جب بھی جس چیز کی بھی اور جس شخص کی بھی تعریف آئے وہ تعریف حقیقت میں اللہ ہی کی ہے کیوں کہ ہر صنعت کی تعریف صانع کی تعریف ہوتی ہے۔ ہر اثر کی تعریف موثر کی تعریف ہوتی ہے۔ ہر تخلیق کی تعریف خالق کی تعریف ہوتی ہے چوں کہ پوری کائنات صنعت الٰہی ہے، چوں کہ پوری کائنات آثار ربوبیت سے پر ہے، چوں کہ پوری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے لہٰذا اس کائنات میں جب بھی جس چیز کی بھی جو بھی تعریف کرے حقیقت میں وہ اللہ کی تعریف ہے (صلوٰت)

کل میں نے اس شبہے کو دور کیا تھا کہ کوئی کہے جب صنعت پلٹ جاتی ہے صانع کی طرف۔ جب تخلیق پلٹ جاتی ہے خالق کی طرف، میں نے اچھے شعر کہے ہیں آپ نے کہا کیا کہنا سبحان اللہ اور میں کوئی ناموزوں شعر پڑھ گیا آپ مسکرا کے مجھی کو دیکھ رہے ہیں۔ ارے جب پڑھنا نہیں آتا تو پڑھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب کہنا نہیں آتا تو نام شاعروں میں لکھوانے کا آپ کو کس ڈاکٹر نے لکھ دیا تھا؟ ہر ایک مجھی پر اعتراض کر رہا ہے، کیوں صاحب غلط شعر ہے مجھ سے کیا مطلب؟ لیکن چوں کہ غلطی آپ کی ہے لہٰذا شعر کی

طرف نسبت نہیں آپ کی طرف۔ تو اس بنا پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب سب اللہ کی تخلیق ہے تو یہاں کی برائیاں بھی معاذ اللہ! اللہ کی برائیاں ہیں۔ پھر اسی کی مذمت ہو۔ میں پوچھتا ہوں یہ برائیاں کہاں ہیں کیا نظام کائنات میں کوئی نقص ہے؟ کیا یہ نظم کائنات جو اللہ نے قائم کیا ہے اس سے بہتر کوئی نظم ہو سکتا تھا؟ تو یہاں تو آ کر بڑے سے بڑے فلسفی بڑے سے بڑے علماء قلم رکھ دیں گے اس سے بہتر نظم قائم ہو ہی نہیں سکتا تھا جس طرح کائنات کا نظم قائم کیا گیا ہے۔

میں پوچھتا ہوں یہاں برائی کیا ہے؟ شاید کوئی کہے کہ سب سے بڑی برائی تو یہ ہے کہ اللہ میاں نے اگر بھیجا تھا تو بلا کیوں لیا؟ بھیجا ہی نہ ہوتا یا بلایا ہی نہ ہوتا۔ سب سے بڑی مصیبت تو موت ہی ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کے تو کوئی مصیبت نہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ موت برائی ہے تو کیا ہونا چاہیے تھا؟ آدم علیہ السلام سے کتنے اب تک آئے سب رہتے۔ یہ خالی آپ ہی تھوڑی۔ پھر جتنے آدم سے اب تک آئے ہیں سب ہی رہتے۔ آتے اور چلے جاتے ہیں جب تو فریاد ہو رہی ہے کہ آبادی بڑھ رہی ہے اور اگر جتنے آئے ہیں وہ سب گئے ہی نہ ہوتے۔ سب اب تک ڈٹے ہوئے ہوتے تو آپ بتایئے اس زمیں پر قدم رکھنے کی جگہ بھی ہوتی؟ بس اسی امام باڑے کی مجلس کی طرح ٹھسے ہوئے بیٹھے ہیں سب۔ تو کیا واقعی یہ زندگی ہوتی؟ کیا واقعاً یہ انسان کے لیے راحت و آرام کی بنیاد ہوتی؟ قدرت نے کہا آؤ جو اپنے نفس میں کمالات پیدا کر سکتے ہو کرو۔ جو یہاں سے حاصل کر سکتے ہو کرو۔ اور وہ حاصل کر کے اب میری بارگاہ میں آ جاؤ۔ اب تمہارے لیے وہ عظیم کائنات رکھی ہے کہ جہاں کمی کی گنجائش ہی نہ ہوگی، جہاں وسعت ہی وسعت ہے۔

ارے سب کچھ پیدا کیا مگر یہ سانپ کو کیوں پیدا کر دیا؟ زہریلا جانور جس کے

کاٹ لیا جناب وہ تڑپ رہا ہے، کیا ضرورت تھی؟ نہ پیدا کرتا سانپ۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ سانپ جس زمین جس جگہ رہتا ہے یہ اس میں سمیت اور زہر خود اس کی نہیں ہے بلکہ وہ زمین کے مسموم اجزاء کو اپنے جسم میں جذب کر لیتا ہے۔ خود بن جاتا ہے زہریلا مگر زمین کو زہر سے پاک کر دیتا ہے تو اس کو پیدا کیا کسی مصلحت سے۔ آپ کہیں یہ نجس جانور فضلہ خور گندے ان کی تخلیق کی کیا ضرورت تھی؟ تو میں عرض کروں گا کہ آپ کے یہاں لکھنو میں یہ محکمہ صفائی کی کیا ضرورت کہ جو گندگیوں کو صاف کرتے رہیں جو اٹھا کر لے جاتے ہیں؟ اسی لیے تو کہ گندگیاں پھیلیں نہیں، اسی لیے تو کہ گندگی سے بیماری پیدا نہ ہو؟ قدرت نے ایسے جانور پیدا کر دیے جن کی غذا ہی گندگی قرار دے دی تاکہ اس کے ذریعہ سے محکمہ صفائی قدرت کا کام کرتا رہے، اور گندگیاں ختم ہوتی رہیں۔ (صلوات)

تو میں کہاں تک پڑھوں۔ بہر صورت اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو نظم قدرت نے قائم کر دیا اس سے بہتر کوئی نظم ہو نہیں سکتا تھا۔ تو اب اعتراض اس کی تخلیق پر تو ہو نہیں سکتا۔ برائیاں جو ہیں وہ میں نے کیں ہیں چوری میں کرتا ہوں، جھوٹ میں بولتا ہوں، ظلم میں کرتا ہوں تو اب جو میں پہلے بیان کر چکا تو اس بنا پر میری برائیاں بھی چونکہ اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے وہی زبان جو اللہ نے دی ہے اسی سے جھوٹ بولا، وہی ہاتھ جو اللہ نے دیے اسی سے ظلم کیا، تو اب ان برائیوں کی نسبت بھی اللہ کی طرف جانا چاہیے۔ تو اس کو میں نے کل عرض کیا کہ اصل میں تخلیق میں مقصد دیکھا جاتا ہے۔ چھری بنائی تھی اس لیے کہ آپ اس سے اپنی ضرورتیں پوری کریں اور میں چھری لے جا کر کسی کے پیٹ میں اتار دوں تو چھری بنانے والا نہیں پکڑا جائے گا۔ بندوق اس لیے آپ کو دی گئی تھی کہ حفاظت کریں، آپ کسی کے گولی مار دیں تو بندوق بیچنے والا نہیں پکڑا جائے گا۔ اس لیے کہ استعمال غلط آپ نے کیا

ہے۔ مجرم وہ ہوگا جو غلط استعمال کرے۔ اگر اللہ نے اعضاء و جوارح غلط استعمال کے لیے دیے ہوتے تو اللہ پر الزام آتا جب اس نے یہ اعضاء و جوارح اس لیے دیے کہ اگر یہ نہوں تو تمہاری زندگی ناقص رہ جائے گی۔ آنکھوں کے بغیر ہر طرف ٹھوکریں کھاتے نہ پھرتے؟ کیا قوت سماعت نہ ہوتی تو علوم میں ترقی ہوتی جو آج ہوئی ہے؟ اگر پیر نہ ہوتے تو لوتھڑا بنے ایک جگہ پڑے نہ رہتے؟ ہاتھ نہ ہوتے تو غذا کو دہن تک پہنچا سکتے تھے؟ معلوم ہوتا ہے کہ جتنے اعضا دیے اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت رکھی غلط استعمال میں نے کیا تعریف دینے والے کی ہوگی مذمت غلط استعمال کرنے والے کی ہوگی۔ (صلوات)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ہر حمد ہر ستائش ہر تعریف اس اللہ کے لیے جو عالمیں کا رب ہے۔ الحمد ہر حمد اب میں یہاں پر ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں توجہ فرمائیں۔ الحمد ہر حمد کسی کی زبان پر کسی کی بھی حمد آئے تو وہ اللہ کی حمد تو اب اللہ کی حمد کیسی؟ کسی اور کی حمد آسکتی ہے اللہ کے مقابلہ پر۔ ارے جو چپ ہیں وہ بھی تعریف کر رہے ہیں جو وجود میں کمال پایا جاتا ہے وہ بھی تو اسی کی طرح پلٹتا ہے۔ تو ہر تعریف اس کی تو سب سے بڑی تعریف اللہ کے لیے۔

ذرا توجہ فرمائیں، تو اللہ کا نام کیا ہونا چاہیے تھا؟ وہی جس کے لیے بہت تعریفیں ہیں مگر یہاں پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اللہ نے اپنا نام رکھا محمود۔ محمود کون؟ جس کی تعریف کی جائے اور اپنے حبیب کا نام رکھا محمد۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون؟ جس کی بہت تعریف کی جائے۔ اے میرے مالک تیرا نام ہونا چاہیے تھا محمد اور تیرے حبیب کا نام ہونا چاہیے تھا محمود۔ مگر یہاں معاملہ الٹا ہوا۔ اپنا نام رکھتا ہے محمود۔ اپنے حبیب کا نام رکھتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ شاید آپ کہیں کہ اس نے کہاں رکھا وہ تو جناب عبدالمطلب نے رکھا تھا؟ یہ اللہ نے کہاں سے

رکھ دیا؟ میں کہوں گا میرا عقیدہ ہے کہ اللہ نے نام رکھا الہام کے ذریعے سے۔ الہام نہ کہیے گا، کہ صرف نبی اور معصوم کو ہوتا ہے۔ اگر ام موسیٰ کو وحی ہوسکتی تھی جو نبی نہیں ہیں جو رسول نہیں ہیں تو عبد المطلب کو بھی الہام ہوسکتا ہے کہ میرے نبی کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھو۔ کیوں؟ دلیل کیا ہے؟ ہر ماں باپ کی تمنا ہوتی ہے کہ اپنے بچے کا اچھا سا نام رکھیں۔ خود سمجھ میں نہیں آتا جناب سے رکھوائیں گے۔ وہ قرآن سے نکال دیں، بہت اچھا نام ہو۔ کسی شاعر سے نام رکھوائیں گے ارے وہ ڈھونڈھ کے بتادے کہ کون سا نام اچھا ہے؟ تو ماں باپ کے دل کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کا نام بہترین رکھا جائے۔ میں تمام دنیا عرب سے کہتا ہوں کہ لغت میں ڈھونڈھ کر بتاؤ محمد سے بہتر کوئی نام ہوسکتا ہے۔ لفظ کے اعتبار سے محمد سے بہتر کوئی نام ہوسکتا ہے۔

یعرب بن قحطان جس سے ابتدائے عربیت ہے اس وقت سے لے کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت تک ہزاروں برس گزرے اور ان ہزاروں برس میں لاکھوں بچے پیدا ہوئے اور ہر ماں باپ کی تمنا کہ بہتر سے بہتر نام ہو ذرا سوچیں اور غور کریں کہ ابوجہل مل گیا نام ابولہب مل گیا نام ابوسفیان مل گیا نام اور کسی کی نظر نہ گئی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس سے بہتر کوئی نام نہیں ہوسکتا ہے نہ لفظ کے اعتبار سے نہ معنی کے اعتبار سے نہ تلفظ کے اعتبار سے یہ خود بتاتا ہے کہ کوئی اس نام کے گرد محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ جب تک حق دار آنہ جائے دوسرا استعمال نہ کرے۔ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہوجائے تو دنیا رکھے۔ پھر لاکھوں اس نام کے ملیں گے مگر یہ نام جس کے لیے چھپا رکھا ہے جب تک وہ آنہ جائے اس وقت تک کسی کی نظر جانے نہ پائے اب سوال ہوتا ہے مالک اپنا نام تو نے محمود کیوں قرار دیا؟ حبیب کا نام تو نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں رکھا؟ تیری حمد کے مقابل میں رسول کی

تعریف ظاہر ہے۔ بندے ہیں۔ لاکھ بلند سہی مگر بندے تو ہیں۔ ان کی تعریف کیا ہے "بعد از خدا بزرگ توئی" اللہ کے بعد سب سے بڑے۔ مگر ظاہر ہے کہ اللہ اعظم و اکبر ہے۔ تو تیرا نام ہوتا محمد تیرے بندے کا نام ہوتا محمود مگر یہ نام الٹ کیوں گیا۔ اب اس کے لیے میں وہی مثال جو اس سے پہلے پیش کر چکا ہوں تعریف کے سلسلے میں۔ جب میں نے کہا تھا کہ صنعت کی تعریف صانع کی تعریف ہوتی ہے۔ اسی مثال کو پیش کرتا ہوں کہ ایک مشاعرے میں ایک مقاصدے میں آپ تشریف لے گئے اور شاعر صاحب قصیدہ یا اپنی غزل یا نظم پڑھ رہے ہیں اور ہر ہر شعر کی داد مل رہی ہے ہر ہر شعر پر لوگ تعریفیں کر رہے ہیں۔ مجمع کھڑا ہوا جاتا ہے، اور جب داد ملتی ہے تو وہ آداب عزت افزائی، شکریہ، بس ختم ایک سلام پر ہر تعریف کو ٹال رہے ہیں۔ کہ ایک گوشے میں نظر پڑی تو ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، بوڑھے آدمی بزرگ انہوں نے کہا بیٹا یہ مصرع اچھا ہو گیا۔ نہ واہ واہ ہے نہ سبحان اللہ ہے نہ کھڑے ہوئے نہ اور کچھ۔ مصرع اچھا ہو گیا، بس انہوں نے اتنا کہا اور وہ مڑ گئے اب جھک جھک کے تسلیمیں کر رہے ہیں حضور ہی کے قدموں کا فیض ہے۔ حضور ہی کا طفیل ہے، میں کس قابل ہوں؟ سرکار ہی نے تو مجھے عزت دی ہے یہ فرق کیا ہو گیا۔ اس سے پہلے مجمع، عام لوگ کر رہے تھے مدح اور اب استاد فن نے کی ہے۔ جیسا مدح کرنے والا ہوتا ہے ویسی ہی تعریف کی اہمیت پیدا ہوتی ہے۔ ارے اللہ کی حمد پوری کائنات نے کی مگر یہ مخلوق کی حمد تھی خالق کے لیے اور محبوب کی حمد خود حبیب نے کر دی جب اللہ مدح کر دے اپنے پیارے پیغمبر کی تو مخلوق کی مدح دب جائے گی، خالق کی مدح بلند ہو جائے گی۔ دنیا جس کی مدح کرے وہ محمود ہو اللہ جس کی مدح کرے وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو گا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کیا ذہن ہے؟ یعنی دوسرے فرقے والے تو اپنے

رہنماؤں کو اتنا اونچا کیے دے رہے ہیں کہ انسان سے آدمی سے بلند وہ صاحب اللہ کے عقاب تھے۔ اور نہ معلوم کیا تھے یہ تھے وہ تھے اور اللہ کے بیٹے تھے فلاں تھے۔ اور ہمارے وہاں کیا ہے جو فضیلت ہے وہ بھی غائب۔ ارے صاحب وہ تو ہمارے ہی ایسے تھے بس۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ارے یہ رسول ﷺ کی عظمت کیوں گھل رہی ہے لوگوں کو ہم کہتے ہیں ہمارے ایسے اور اللہ کہتا ہے کہ یہ تو ہمارا نبی عام انبیاء کا ایسا بھی نہیں۔ ہر نبی کو آواز دی جارہی ہے نام لے کر۔ نام لے کر پکارا جارہا ہے لیکن جب منزل آتی ہے خاتم النبیین کی تو اب یہاں نام نہیں لیا جاتا بلکہ کبھی نبی کہا جاتا ہے کبھی رسول کہہ کر پکارا جاتا ہے کبھی بشیر کہا جاتا ہے کبھی اس کو مزمل کہا جاتا ہے کبھی مدثر کہا جاتا ہے کبھی یٰسین کہا جاتا ہے پورے قرآن میں کہیں اللہ نے نام لے کر پکارا ہی نہیں۔ تمہیں حکم دیا ہے کہ میرے نبی کو نام لے کر نہ پکارنا عہدے کے ساتھ پکارنا تم سے بعد میں عمل کرنے کو کہا قدرت نے خود عمل کر کے پہلے دکھا دیا۔ (صلوات)

ذرا توجہ فرمائیں یہاں قریب ہے سلطان المدارس ایک زمانے میں میں یہاں پڑھایا کرتا تھا اور آپ حضرات کو معلوم ہے کہ سامنے ہی وہ اسپتال ہے زنانہ اسپتال جس کو مشن والے پہلے چلاتے تھے، ایک مشنری صاحب ہوں گے بہر صورت وہ اکثر میرے پاس آیا جایا کرتے تھے خالی وقت میں۔ نہ معلوم کیا دلچسپی ہوگئی تھی بعض وقت ادھر ادھر کی باتیں وہ کرتے رہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے سوال کیا وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ آپ لوگ مسلمان کہتے ہیں کہ آپ کے رسول تمام انبیاء سے افضل۔ سید المرسلین ہیں خاتم النبیین ہیں۔ سب سے افضل لیکن لقب جو آپ لوگ رسول کا کہتے ہیں وہ کہیں قرآن بھر میں موجود نہیں آپ کہتے ہیں رسول کا لقب

ہے حبیب اللہ۔ اللہ کے محبوب اللہ کے پیارے جو لقب مسلمان کہتے ہیں خود اپنے نبی کا وہ قرآن میں نہیں ملتا۔ گذشتہ انبیا کے سب کے القاب کا ذکر ہے۔ جناب ابراہیم خلیل ہیں؛

"اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا"

اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا۔ جناب موسیٰ کلیم ہیں؛

"وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا"

ہر نبی کے لقب کا ذکر اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب ہے حبیب اللہ اور کہیں ذکر نہیں، تو یہ کیا ہے؟ رسول ہی کے لقب کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اور واقعاً جب دیکھا میں نے تو نہ حبیب کی لفظ آئی ہے نہ حبیب سے جو مشتق ہے لفظ وہ آئی ہے۔ مگر جو اس وقت میرے ذہن میں جواب آیا وہ عرض کرتا ہوں۔ اور یہ میرا جواب نہیں ہے قدرت کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی میری مدد کرے گا تو میں اس کی مدد کروں گا۔ تو بہر صورت میں نے کہا کہ جی ہاں ٹھیک کہا آپ نے رسول کے لیے یہ لقب کہیں استعمال نہیں ہوا لیکن اگر یہ استعمال ہو جاتا تو پھر رسول میں اور گذشتہ انبیا میں فرق نہ رہتا۔ سطح ایک ہو جاتی کسی کو خلیل کہا، کسی کو کلیم، کسی کو صفی کہا، کسی کو حبیب کہہ دیا اور قدرت امتیاز قائم رکھنا چاہتی تھی ابراہیم خلیل ہیں لیکن کیا کہیں قرآن بتاتا ہے کہ جو نقش قدم ابراہیمی پر چلے وہ بھی خلیل بن جائے موسیٰ کلیم ہیں لیکن کیا کوئی سند ہے کہ جناب موسیٰ کو صحیح معنوں میں مان لے وہ بھی کلیم بن جائے گا؟ یہ لقب انبیا کے ہیں لیکن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیا ارشاد ہوا رسالت مآب کے لیے ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ

کہ اللہ کو دوست رکھو اور میرے نقش قدم پر چلو۔

"یُحْبِبْكُمُ اللهُ"

اللہ بھی تم کو دوست رکھے گا۔ تو معلوم ہوا کہ مرتبہ اتنا بلند کیا گیا کہ وہ خود ہیں خلیل وہ خود ہیں صفی اور بس لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے والا بھی حبیب خدا بن جایا کرتا ہے۔ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ (صلوات)

تو اس کا نام محمود اور یہ محمد ﷺ۔ الحمد وہ سورہ کہ جس کی تلاوت ہر نماز میں واجب۔ پہلا جملہ الحمد للہ اور اسی سے مشتق کرکے نبی کا نام رکھا محمد ﷺ اور سب سے زیادہ جس صفت کا قرآن نے تذکرہ کیا میں عرض کر چکا کہ ہر مسلمان کم سے کم تیس مرتبہ اس کا اقرار کرے یعنی الرحمٰن الرحیم۔ وہ رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ یہ صفت جس کی تیس دفعہ تکرار کم سے کم۔ ہر مسلمان پر لازم، میں ہوں رحمٰن و رحیم تو نبی کا لقب اب کیا قرار دیا جاتا ہے "رحمۃ للعالمین"۔ رحمت مصدر جس میں رحمان بھی شامل جس میں رحیم بھی شامل۔ نام محمد ﷺ الحمد سے۔ لقب رحمت اس کا نبی جو رحمٰن و رحیم۔

اب میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اگر ایک نام ہوتا جو اس سے پہلے کبھی نہیں رکھا گیا تو میں کہتا اتفاق سے عرب والوں کی نظر چوک گئی کسی کی نظر ہی نہ پڑی کہ کوئی اپنا نام محمد رکھ دیتا۔ لیکن قدرت کا عجیب اہتمام میری نظر نے جب تلاش کیا تو نہ محمد ﷺ سے پہلے کوئی محمد ﷺ ملا نہ علی علیہ السلام سے پہلے کوئی علی علیہ السلام ملا، نہ حسن علیہ السلام سے پہلے کوئی حسن علیہ السلام ملا، نہ حسین علیہ السلام سے پہلے کوئی حسین علیہ السلام سے۔ معلوم ہوتا ہے قدرت ان ناموں کی حفاظت کر رہی ہے کہ بھلا تم ان ذاتوں تک کب پہنچ سکو گے جب ناموں تک نہ پہنچ سکے (صلوات)

اور کیوں نہ ہو یہ وہ ہیں جو رسول سے جدا نہیں یہ وہ ہیں جو رسول سے الگ

نہیں۔ کسی کے لیے نص قرآن کہ یہ نفس محمد ہیں۔ حدیث و روایت اور چیز ہے قرآن کی نص اور چیز ہے۔ نص قرآن کہ نفس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میدان مباہلہ میں آرہے ہیں اور آیہ مباہلہ۔

تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ.

آجاؤ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لائیں تم اپنی عورتوں کو لاؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو لائیں اور تم اپنے نفسوں کو لاؤ۔ اور آپ بتائیے کہ علی علیہ السلام نفس کا مصداق نہیں ہیں تو اور کون ہے؟ اس سے پہلے دو لفظیں ہیں ابناءنا میں علی علیہ السلام آتے نہیں رسول کے بیٹے ہیں نہیں۔ نساءنا۔ نساءنا کا مصداق ہیں فاطمہ تو اب علی علیہ السلام کو لائے کیوں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اجازت نہ تھی۔ تو بس ایک ہی لفظ تو رہ گئی انفسنا۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن نے بتایا کہ مصداق نفس کون۔

اور احتیاط رسالت اتنی کہ دیکھو ترتیب بھی بدلنے نہ پائے۔ کہیں الجھ نہ جانا مطلب سمجھنے میں۔ اگر ابناءنا کی لفظ آگے ہوگی تو یہ بچے آگے آگے۔ اگر لفظ نساءنا بیچ میں ہوگی تو لفظ نساء کی مصداق فاطمہ سلام اللہ علیہا وسط میں ہوں گی اور انفس کی لفظ بعد میں ہوگی تو مصداق انفسنا علی علیہ السلام سب سے پیچھے ہوں گے۔ ایک سطر قرآن صامت میں ملے گی ایک سطر قرآن ناطق میں ملے گی وہاں لفظیں دیکھتے جاتا یہاں مطلب دیکھتے جاتا۔ (صلوات)

اور ذرا توجہ فرمائیں ایک اور آیت عرض کر رہا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر علی علیہ السلام کو نفس نہ قرار دو تو علی سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض ہو جائے گا۔ قرآن مجید میں حکم دیا جا رہا ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔

اے میرے نبی کفار سے بھی جہاد کیجیے اور منافقین سے بھی جہاد کیجیے۔ دکھایئے کہ نبی نے جہاد کیا ہو کفار سے۔ خیر، کفار سے جہاد کر بھی لیا تو منافقین سے کون سا جہاد کیا؟ مگر علما نے جواب دیا تو وہ بھی نقل کر دوں کہ ایک جہاد ہوتا ہے لشکر کا اور ایک جہاد ہوتا ہے سردار لشکر کا۔ لشکر کا جہاد ہے میدان جنگ میں آ کر جنگ کرنا سردار لشکر کا جہاد ہے لشکر کو ترتیب دینا۔ لشکر کی تنظیم کرنا۔ لشکر کو بھیجنا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سردار لشکر کا جہاد تھا وہ جہاد کیا تو منافقین کہاں گئے؟ کہا جہاد دو طرح کا ہوتا، ایک عملی اور سیفی۔ تلوار سے جہاد اور ایک قولی جہاد۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے خلاف قولی جہاد کیا۔ چلیے یہ بھی صحیح۔

اب اس کے بعد میں آپ کی خدمت میں ایک آیت عرض کرتا ہوں۔ مسلمان جواب دیں، قرآن پکار رہا ہے اے میرے نبی قاتل فی سبیل اللہ خدا کی راہ میں قتال کرو۔ اب یہ زبان نہیں رہی، اب یہ قلم نہیں رہا، اب یہ مال سے جہاد نہیں رہا، ''قاتل'' قتال کرو، جنگ کرو، فی سبیل اللہ خدا کی راہ میں قتال کرو۔ جنگ کرو، فی سبیل اللہ خدا کی راہ میں قتال کرو۔ اب ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ لشکر بھیجو تو ارشاد ہوا لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ۔ اس قتال کی تکلیف آپ کی شخصی اور ذاتی ہے لشکر کا حکم نہیں ہے۔ یہ تنہا آپ کی ذات کو حکم دیا جا رہا ہے۔ ''قَاتِلْ'' قتال کرو خدا کی راہ میں اور مومنین کے لیے کہا حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ مومنین کو بھی جہاد کے لیے آمادہ کیجیے۔

لیجیے مومنین کا حکم الگ نبی کی ذات کا حکم الگ۔ اب میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ دکھایئے نبی نے کب قتال کیا؟ کب قاتل فی سبیل اللہ پر عمل کیا۔ میں جانتا ہوں۔ مجھ پر اعتراض نہ کیجیے، وہ تلوار اچھال دینا اور کسی کے پیٹ پر ذرا سی خراش آ جانا اور اسی

خراش سے اس کا ہائے مار ڈالا کہہ کر مرجانا قتال نہیں کہلایا جاتا ہے۔ معجزہ کہلاتا ہے۔ نبی نے دکھایئے کب قتال کیا؟ بدر کا میدان خالی۔ احد کا میدان خالی خندق کے میدان میں دوسروں سے کہہ رہے ہیں جاؤ جاؤ خود نہیں جاتے۔ پوری تاریخ خالی۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ نے کہا آپ جنگ کیجیے اور آپ کرتے ہی نہیں؟ تو مجھ سے کہا زکوۃ ادا کیجیے میں زکوۃ نہیں دیتا آپ نے ایک حکم پر عمل نہیں کیا نبی ہو کر میں تو امتی ہوں سب چھوڑے دیتا ہوں؟ کوئی نئی تاریخ لکھئے جو تاریخ میرے سامنے ہے اس میں تو قتال ملتا نہیں اور شاید کوئی کہے کہ تو بھی تو کہتا ہے محمد رسول اللہ ارے اعتراض اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی کر رہا ہے میں کہوں جی۔ نہیں میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض نہیں ہو سکتا اور اگر آپ کو دیکھنا ہے کہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کیوں نہیں ہوتا تو پھر سے آیت پڑھ لیجیے:

قتال فی سبیل اللہ خدا کی راہ میں قتال کیجیے ﴿لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ﴾ ارے اس جنگ کی تکلیف آپ کے نفس کو دی جا رہی ہے۔ تو اگر رسول کا نفس موجود نہ ہوتا۔ تو خود میدان آتے ہیں اور جب نفس رسول موجود تھا تو ہر میدان میں نفس کو بھیج رہے تھے اب فاتح خیبر نفس ہے فاتح خندق نفس ہے۔ (صلوات)

تو اب جو نفس رسول ہے وہ ہر میدان کا فاتح جو نفس رسول ہے وہی بدر میں ہے جو نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے وہی احد میں ہے۔ ہر میدان کا علمدار وہی ہے کہ جو نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ گویا علم بھی علی علیہ السلام کے ہاتھ وابستہ ہو کر رہ گیا جب بھی دیکھا میں نے اسلام کا علم علی علیہ السلام کے ہاتھ میں۔

اور صرف یہیں تک نہیں جب میں نے قیامت میں دیکھا رسول نے فرمایا کہ اللہ قیامت میں مجھ کو لواء حمد دے گا جس کے نیچے جس کے سائے میں مسلمان جنت میں جائیں

گے مگر لواء حمد مجھ کو دے گا حامل اس کے علی علیہ السلام ہونگے تو معلوم ہوا ایسا علمدار جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہاں بھی علمدار جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں بھی علمدار۔

اور اب میں عرض کروں کہ بدر کی جنگ بھی بڑی ہی معرکۃ الآراء لڑائی تھی، احد کا معرکہ بھی بڑا عظیم الشان معرکہ تھا، اور خیبر کی فتح بھی بڑی زبردست فتح تھی، لیکن وہ لڑائی کہ جس نے ہمیشہ کیلئے حق کو محفوظ کر دیا جس نے ہمیشہ کیلئے باطل کی ناک رگڑ دی جس کے بعد اسلام پر حملہ نہیں ہوگا مسلمانوں سے جنگ ہو سکتی ہے۔ تو وہ آخری معرکہ حق و باطل وہ آخری معرکہ کفر و اسلام اس نے لڑا کہ جس کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا تھا کہ حسین علیہ السلام منی اب ظاہر ہے کہ بیٹے کے دور میں کربلا میں تو بظاہر علی علیہ السلام موجود نہیں تھے تو علمداری الگ ہو جاتی، تو علی علیہ السلام نے کہا نہیں اس معرکے کی علمداری بھی میرے ہی ذمے رہے گی میں اپنی جگہ پر کسی کو نائب بنا کر بھیج دوں کچہری نہیں گیا مختار نامہ لکھ دیا مختار نے میری طرف سے دستخط کیے میری ہی طرف نسبت تو علی علیہ السلام نے چاہا کہ اس معرکے میں بھی علمداری ادھر ادھر جانے نہ پائے میں اپنا نائب خود معین کرتا جاؤں لہٰذا ایک مرتبہ عقیل سے کہتے ہیں کہ اے عقیل تم انساب عرب سے واقف ہو کسی شجاع گھرانے کی بیوی کو منتخب کر دو میں عقد کرنا چاہتا ہوں عقیل نے پوچھا کیوں مولا؟ یہ شجاع گھرانے کی عورت کی تلاش کیوں؟ کہا چاہتا ہوں ایک بہادر فرزند پیدا ہو جو کربلا میں میرے حسین علیہ السلام کے کام آئے۔

تو معلوم ہوا کہ علمداری کے لیے اپنا نائب تلاش کر رہے ہیں جو میری نیابت کربلا کے معرکہ میں کرے۔ اب آپ بتائیں کہ جب علی علیہ السلام کا سا علمدار چن چکا ہے تو اب حسین علیہ السلام سوائے عباس علیہ السلام کے کس کو علم دیں؟ بھیا تم ہی ہو میرے علمدار اور یہی وہ

روایت ہے جس کو یاد دلایا ہے زہیر قین نے۔ ایک مرتبہ طلایہ پھر رہے ہیں عباس علیہ السلام۔ حفاظت کر رہے ہیں خیموں کی، زہیر قین قریب آئے، مولا آپ کے بابا کی حدیث یاد آ گئی کہا بیان کرو وقت تنگ ہے، کہا یوں نہیں ذرا خیموں کے پیچھے چلیے۔ خیمے کے پیچھے لے کر آئے واقعہ بیان کیا عقیل کو بلایا علی علیہ السلام نے یہ کہا اور علی علیہ السلام نے آپ کی مادر گرامی کا انتخاب کیا۔ اب اس کے بعد جناب زہیر قین کہتے ہیں مولا! یاد رکھیے گا علی علیہ السلام آج ہی کے دن کیلئے آپ کو ذخیرہ کر گئے ہیں بس یہ سننا تھا کہ عباس نے انگڑائی لی، فرس کی رکابیں ٹوٹیں، فرماتے ہیں: **اتشجعنی یا زهیر**، اے زہیر ارے مجھے شجاعت دلا رہے ہو! ایسی جنگ کروں گا جو قیامت تلک یاد رہے گی۔

ارے ہاں یہی وہ شجاعت کا جذبہ تھا کہ حسین علیہ السلام نے سب کو جنگ کی اجازت دی۔ بس ایک عباس علیہ السلام کو اجازت جہاد نہ ملی۔ جب آتے ہیں کہتے ہیں آقا اجازت دیجیے۔ فرماتے ہیں تم تو لشکر کے علمدار ہو کیسے مرنے کی اجازت دے دوں؟ تم تو میرے لشکر کی زینت ہو، عقیل کا تمہیں انتخاب ہو۔ کیا بتاؤں میں کیوں کہوں کہ عقیل کا انتخاب تھا۔ میں عرض کر چکا کہ کبھی کبھی ادھر سے الہام ہوا کرتا ہے یہ عقیل کا انتخاب نہ تھا یہ قدرت چن رہی تھی حسین علیہ السلام کیلئے علمدار کو۔ زبان عقیل تھی ارادہ تھا قدرت کا ایسی بی بی کو چنا جہاں خاندان میں صرف شجاعت ہی نہ تھی بلکہ وفا کا پیکر۔ بلکہ محبت کی تصویر۔ ارے ایسی بیوی کہ جس کے لیے سنتا ہوں کہ کبھی ماں نہ کہا ہمیشہ کنیز کہتی رہی۔ فاطمہ کی کنیز اور تمام مقاتل میں موجود ہے کہ یہ ام البنین وہ تھیں جن کے چار بیٹے تھے وہ بھی علی علیہ السلام کے صلب سے۔ اسی بناء پر ام البنین کنیت پڑی اور جب کوئی ام البنین کہتا تو بہت خوش ہوتیں تھیں۔ علی علیہ السلام کے بیٹے میرے بطن سے اس بڑھ کر شرف کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن کربلا کے بعد کوئی

ام البنین کہتا تو غمگین ہو جاتی تھیں کہتی تھیں ارے اب مجھے ام البنین نہ کہو۔ میرے چار بیٹے تھے مگر وہ چاروں شیر کربلا کے بن میں حسین علیہ السلام پر نثار ہو کر آرام کر رہے ہیں۔ آیا کرتی تھیں بقیع میں وہ سب کی قبروں کے نشان بناتی تھیں۔ یہ عباس علیہ السلام کی قبر۔ یہ جعفر علیہ السلام کی قبر۔ یہ عون علیہ السلام کی قبر۔ اور قبروں کے نشان بناتی جاتی تھیں اور ان کے بعد کہتی تھیں، کیا میں عباس علیہ السلام کیلئے روؤں؟ کیا میں عون علیہ السلام کیلئے روؤں؟ کیا جعفر علیہ السلام کیلئے روؤں؟ پھر کہتی تھیں نہیں میں نہیں روؤں گی اس لئے کہ دنیا کہے گی کہ ماں موجود تھی رو رہی ہے ارے میں اس بچے پر روؤں گی جس کی ماں نہ تھی۔ اس کے بعد فرماتی تھیں۔ واحسیناہ۔ وا حسیناہ۔ بڑی وفاداری بی بی تھیں۔ اسی جان نثار بی بی کا دودھ پیے ہوئے عباسؑ اور عباسؑ کی وفاداری عباس علیہ السلام کی جانثاری۔ ناز ہے حسینؑ کو عباسؑ پر اور اکیلے حسینؑ کو نہیں، ارے عباس علیہ السلام پر بھروسہ زینب کو بھی ہے۔ عباس علیہ السلام پر بھروسہ ام کلثوم کو بھی ہے۔ عباس علیہ السلام پر بھروسہ بھتیجی کو بھی ہے۔ حسین علیہ السلام سمجھتے ہیں میرے لشکر کی زینت۔ زینب سمجھتی ہیں جب تک عباس علیہ السلام زندہ ہے میرے بازو میں رسن نہیں بندھ سکتے میرے سر سے چادر نہیں چھن سکتی۔ اور ام کلثوم سے فرماتے ہیں اے بہن اگر اولاد نہیں تو غلام ہے اور سکینہ کو کیا ناز۔ ارے میرا چچا زندہ ہے، تو میں پیاسی نہ رہوں گی۔

آتے ہیں کہتے ہیں مولا! مرنے کی اجازت دیجیے۔ حسین علیہ السلام اجازت نہیں دیتے کہہ دیتے ہیں لشکر کی زینت ہو، لشکر کے علمدار ہو۔ یہاں تک کہ اب آخر میں کہا۔ کہا آقا اب تو مرنے کی اجازت دے دیجیے کہا بھیا تم لشکر کے علمدار کہا وہ لشکر کہاں رہا جس کا میں علمدار تھا؟ جہاں لشکر ہے وہاں علمداری بھی کر لوں گا۔ حسین علیہ السلام نے سر جھکایا عباس علیہ السلام جاتے تھے کہ جائیں ایک مرتبہ کہا بھا ہو تو مر پیا بچوں کے لیے

پانی کا انتظام کرنے جاؤ آئے میدان میں اور آواز دی کہ اے لشکر جفا کار! ارے نجس جانور تک پانی پئیں اور حسین علیہ السلام کے بچے پیاس سے تڑپ رہے ہیں ایک جام آب ملے گا پانی میں کمی نہ ہوگی جواب ملا کہہ دو حسین علیہ السلام سے کہ دنیا پانی پانی ہو جائے حسین علیہ السلام کو ایک قطرہ آب نہ ملے گا۔

عباس علیہ السلام سا شجاع یہ جواب سن کر پلٹا۔ آیا سر جھکا کر کہا آقا آپ نے تو سن ہی لیا کیا جواب ملا ہے۔ ارے آقا اتنی اجازت تو دے دیجیے کہ بچوں کے لیے پانی لے آؤں۔ حسین علیہ السلام نے سر جھکایا۔ عباس علیہ السلام خیمے میں آئے۔ مشک اٹھائی خیمے سے چلے تھے کہ سکینہ نے دامن پکڑا اے چچا جو گیا وہ پھر پلٹا نہیں۔ اے چچا کہاں چھوڑ کر چلے؟ عباس علیہ السلام سر جھکائے کھڑے ہیں سکینہ دامن پکڑے ہوئے ہے۔ آپ نے سنا ہوگا ذاکرین سے کہ جب سکینہ نے دامن پکڑا تھا تو عباس علیہ السلام نے اپنی تلوار دے دی تھی اے بیٹی میں لڑنے نہیں جا رہا ہوں۔ میں تمہارے لیے پانی لینے جا رہا ہوں۔ ہاں ہاں میں نے مقاتل میں لفظیں نہیں دیکھیں لیکن اتنا ضرور دیکھا ہے کہ عباس علیہ السلام جب نکلے تو ہاتھ میں تلوار نہ تھی خالی نیزہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے تلوار سکینہ علیہا السلام کے سپرد کر آئے تھے۔ نکلے میدان میں آئے۔ دریا کا رخ کیا۔ چار پانچ ہزار سپاہی راستہ روکے ہوئے۔ مگر علی علیہ السلام کے شیر کو بھی کوئی روک سکتا ہے؟ حملہ کیا حملے کے بعد حملہ لشکر بھاگا عباس علیہ السلام دریا تک پہنچے۔ دریا میں گھوڑا ڈالا پیاسے بچوں نے تین دن کے بعد لہریں لیتا ہوا دریا دیکھا۔ دریا میں عباس علیہ السلام کے گھوڑے کو دیکھا دریا میں ڈالی ہوئی خالی مشک کو دیکھا۔ اب جب کوئی بچہ کہتا تھا ہائے پیاس تو سکینہ علیہا السلام کہتی تھیں اب کیوں رو رہے ہو؟ اب میرا چچا پانی لا رہا ہے۔ میرا چچا پانی لا رہا ہے۔ مشک میں پانی بھر گیا ہے بس ا پانی لاتا ہوگا

عباس علیہ السلام نکلے گھوڑے کو نکالا خیموں کا رخ کیا بھاگی ہوئی فوجیں پلٹیں۔ پھر راستہ روکا۔ اب عباس علیہ السلام جنگ بھی کرتے جا رہے ہیں۔ مشک کو بچاتے بھی جا رہے ہیں۔ آج آپ کو عباس علیہ السلام کا ماتم کرنا ہے اس لیے میں ختم ابھی نہیں کر رہا ہوں اس لیے کہ علمدار کا ماتم ہے۔ ارے اس ماں کے بچے کا ماتم ہے۔ جو اپنے بچے پر روئی نہیں جو حسین علیہ السلام کا ماتم کر رہی تھی۔ ایک مرتبہ ایک تلوار پڑی عباس علیہ السلام کا داہنا ہاتھ کٹا۔ آگے بڑھے تو بایاں ہاتھ کٹا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ علی علیہ السلام سے جس نے جنگ سیکھی ہو وہ جنگ میں اتنا غافل کیسے ہو گیا کہ دشمن کو موقع مل گیا دھوکہ دے کے وار کر کے ہاتھ کاٹ دینے کا۔ مگر میرا دل کہتا ہے کہ جب عباس علیہ السلام چلے تو ہاتھوں پر کوئی زخم آ گیا۔ اس وقت چلے تھے تو ایک ارادہ تھا کہ فوجوں کو بھگا کے دریا تک پہنچ جائیں فوجوں کو بھگا بھی دیا۔ دریا پر قبضہ بھی کر لیا۔ مگر اب عباس علیہ السلام کی نیت عباس علیہ السلام کی توجہ پوری اب مشک کی طرف ہے۔ جب توجہ بٹ جاتی ہے موقع مل جاتا ہے دشمن کو۔ اب عباس علیہ السلام اپنی فکر میں نہیں اب تو مشک کی فکر میں ہیں۔ دشمن کو موقع ملا۔ ہاتھ کٹا دوسرا وار کیا۔ دوسرا ہاتھ کٹا۔ عباس علیہ السلام نے مشک کو دانتوں سے دبایا۔ گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ۔ ارے کسی طرح پیاسوں تک پانی پہنچ جائے۔ حمید کہتا ہے کہ تھوڑی دور پہنچے تھے گھوڑے کے اوپر بلند ہوتے تھے خیموں کو دیکھتے کہ پیاسے بچے کتنی دور رہ گئے۔ اب سکینہ علیہا السلام تک پانی پہنچنے میں کتنا فاصلہ رہ گیا کہ ایک مرتبہ ایک تیر آ کر مشک پر پڑا۔ مشک چھدی پانی بہا۔ شقی نے گرز مارا سر زخمی ہوا آواز دی ہے بھیا عباسؑ کی مدد کیجیے۔ حسین علیہ السلام چلے یہ کہتے ہوئے **الآن انکسر ظھری** عباس علیہ السلام تمہارے مرنے سے کمر ٹوٹ گئی اے عباس علیہ السلام راہ چارہ و تدبیر مسدود ہو گئی۔

(۱۱)

مجلس: سائنس اور اہلبیت

ڈاکٹر کلب صادق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين باری الخلائق اجمعين والصلوٰة والسلام علیٰ سیدنا و نبینا و شفیعنا ابی القاسم محمد وآله الطیبین الطاهرین المعصومین المظلومین الهداة المهديين. الذين اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا ٥ اما بعد فقد قال الله سبحانه تبارك وتعالیٰ فی كتابه المبين وفرقانه المتين وقوله الحق:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹

خالقدینا ہال کی یہ آٹھ محرم الحرام کی مجلس ہے، سرنامہ کلام وہی آیت ہے کہ جسے آپ سماعت فرما رہے ہیں کہ وہ اللہ وہ ہے کہ جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے، ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ اس دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے۔ چاہے یہ بات مشرکین کو کتنی ہی زیادہ ناگوار کیوں نہ گزرے۔

بڑی نا سمجھی کی بات ہے کہ ہم مسلمانوں میں یہ غلط فہمی پھیلا دیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی مسلمانوں کو بے دین بنا دے گی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی مسلمانوں کو بے دین نہیں

بنائے گی۔ اگر آپ نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو حاصل کرلیا اور سائنس کی زبان کو سمجھ لیا تو اگلی نسلوں میں آپ گمراہوں کو راہ راست پر لے آئیں گے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ (سورۃ ابراھیم)

ہم نے جس رسولؐ کو بھیجا ہے اس کو اس قوم کی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے بھیجا ہے اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

ان نکلم الناس بقدر عقولھم.

جیسی لوگوں کی عقل ہو، فہم و فراست ہو، اسی اعتبار سے ہمیں گفتگو کرنے کا حکم دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ آئندہ صدی سائنٹیفک صدی ہوگی اور لوگوں کا طرز فکر سائنسی ہوگا لہٰذا ہم بھی اگر اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں تو ہمیں سائنسی مزاج اختیار کرنا پڑے گا، سائنسی زبان اختیار کرنا پڑے گی، سائنسی طرز فکر اختیار کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

میں نے تو بعض مسلمانوں کی جہالت کا عالم یہاں تک دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا پڑھنا حرام ہے۔ ٹھیک ہے ضرور حرام ہوگا۔ میں تو کسی سے جھگڑا نہیں کرتا۔ آپ حضرات میرا مزاج جانتے ہیں۔ لیکن اگر اجازت دیں تو میں انہیں ایک مسئلہ شرعی بتادوں تاکہ وہ ہوشیار ہوجائیں اور مبتلا بالحرام نہ ہوں۔۔۔ مسئلہ شرعی یہ کہ جس شے کا سیکھنا حرام اس کا استعمال بھی حرام اگر گانے کا سیکھنا ناجائز

ہے تو گانا سننا بھی ناجائز ہے، شراب کیسے بنتی ہے، اگر یہ سیکھنا ناجائز ہے تو شراب کا پینا بھی ناجائز ہے۔ تو ہر وہ شے جس کا سیکھنا ناجائز ہے، اس کا استعمال میں لانا اور اس سے استفادہ کرنا بھی ناجائز ہے۔ لہٰذا میری آپ سے بڑی مودبانہ التماس ہے کہ میں تو آپ کے فتوے کی صداقت کا اس وقت قائل ہوں گا کہ آپ اللہ کی ان ساری نعمتوں سے کنارہ کش ہو جائیں کہ جو اس نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعے سے ہم کو دی ہیں۔ آئندہ سفر آپ کا ہوائی جہاز سے نہ ہو، بیل گاڑی سے ہو، ٹیلیفون پر آپ ہرگز گفتگو نہ کریں۔ ریل پر آپ ہرگز سوار نہ ہوں۔ میڈیکل سائنس سے آپ بالکل استفادہ نہ کریں۔ وہی پرانے جو حکیم صاحبان ہوتے ہیں، عطائی، ان کے پاس تشریف لے جائیں، تو ایسی ناسمجھی کی بات لوگ کیا کرتے ہیں اور یہی ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ آپ کو خیال ہوگا کہ میں ہر مجلس میں تقریباً علم کے بارے میں اور جہالت کے بارے میں ضرور گفتگو کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ مجھے اس بات کا اقرار بھی ہے اور یہ میرا آپ سے وعدہ بھی ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کو اگر آپ دیکھیں تو اس میں وضو کرنے کا حکم ایک جگہ بیان کیا ہے، تیمم کرنے کا حکم بیان کیا ہے، (ملاحظہ فرما رہے ہیں آپ؟) حج کے مسائل اس نے ایک جگہ بیان کئے ہیں۔ مختصر مختصر وہ بھی، لیکن وہ آیتیں جن سے انسان کا کردار بنتا ہے، جن سے انسان کی فکر بنتی ہے، ان کو قرآن نے بار بار کہا، تو اس لئے کہ وہ شے جو آپ کے لئے فکر ڈھالنے والی ہے، آپ کے طرز فکر کو بدلنے والی ہے، جس پر آپ کا مستقبل ٹکا ہوا ہے، اس کو تو میں بار بار کہوں گا ہی۔

اور یہ پاکستان میں دہشت گردی کی وبا پھیلی ہوئی ہے، جب تک جہالت موجود ہے نہ دہشت گردی کی وبا ختم نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ کٹھ ملا لوگ ہیں جو جاہل

لوگوں کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں اور ہر فرقے کے بے خطا لوگوں کو قتل کرواتے ہیں جبکہ قرآن مجید بے خطا مشرک کے بھی قتل کی اجازت نہیں دیتا، بے خطا کافر کے بھی قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کہ آپ درخت کی پتی بھی نہیں توڑ سکتے اس طرح سے اور اس کو بھی مسل کر نہیں پھینک سکتے۔ یہاں تک پابندیاں لگی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ بات وہی سمجھے گا کہ جس کے دماغ میں علم کا چراغ روشن ہو۔ جاہل افراد ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ آدمی کا مرنا بجائے خود بہت افسوس ناک ہے، بہت افسوسناک ہے۔ انسان کی جان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی قیمتی شے نہیں ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ قیمتی شے اسلام ہے۔ اس کا دوہرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو مسلمان کی جان جاتی ہے اور دوسری طرف اسلام بدنام ہوتا ہے۔ کہ مسلمان میں قوت برداشت ہی نہیں ہے۔ یہ تو خود ایک دوسرے کو کھائے جاتے ہیں اور اسلام کو Terrorism کے مترادف قرار دیا جاتا ہے۔ تو اس لئے میں آپ کے سامنے برابر عرض کرتا رہوں گا، اگر عزت کی زندگی گزارنا ہے تو علم کو حاصل کیجئے اور ذلت و رسوائی کی زندگی گزارنا ہے تو جہالت کا دامن آپ پکڑے رہیے۔ نہ میری بات مانئے اور نہ کسی کی بات مانئے، رسولؐ کی بات مانئے۔ رسولؐ نے فرمایا:

الجهل اصل کل شر والعلم اصل کل خیر

جتنی برائیاں ہیں وہ سب جہالت سے پیدا ہوتی ہیں جتنی اچھائیاں ہیں وہ سب علم سے پیدا ہوتی ہیں۔

اب رہ گئی یہ بات کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے دین کمزور ہوگا، بالکل نہیں ہوگا، میں بہت ادب و احترام کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی

کے ایڈوانسمنٹ سے قرآن کا ترجمہ صحیح ہوتا جارہا ہے۔ (غور فرمایا آپ نے؟) میں کسی پر الزام نہیں دیتا۔ انسان کے جیسے معلومات ہوتے ہیں اسی کے لحاظ سے وہ کتاب کو سمجھتا ہے اور اس کے لئے آپ دیکھئے اسلام کی بات۔ اگر آپ بائبل کا مطالعہ کریں کہ وہ بائبل جو original تھی وہ ہمیں مل جائے۔ ہم اسے پڑھنا چاہتے ہیں، آپ نہیں پڑھ سکتے۔ وہ کہیں گے آپ کس زبان میں چاہتے ہیں؟ اردو میں چاہیے، وہ حاضر ہے، ہندی میں چاہیے، وہ حاضر ہے۔ انگریزی میں چاہیے وہ حاضر ہے، فرنچ میں چاہیے، وہ حاضر ہے۔۔۔۔ دنیا کی جس زبان میں آپ بائبل چاہیں آپ کو مل جائے گی لیکن جس زبان میں اترا تھا اسی زبان میں قرآن مجید آج محفوظ ہے اور صبح قیامت تک انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ اب دونوں میں فرق کیسا ہے کہ اگر ہمارے پاس ترجمہ ہے تو دوسو برس قبل کی فکر کے لحاظ سے جو ترجمہ تھا، ہم سمجھے وہی کلام الٰہی ہے۔ لیکن آج جب قرآن اپنی اصلی Text اور اصلی زبان کے ساتھ موجود ہے تو آج ہم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ لفظ کا جو ترجمہ کیا گیا تھا وہ ترجمہ کمی علم کی بناء پر کیا گیا تھا جبکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جو آج ہماری سمجھ میں آرہا ہے۔

عربی زبان میں ایک لفظ استنساخ آج آپ دومنٹ میں سمجھ لیں گے کہ استنساخ کے معنی کیا ہیں۔ کلوننگ کو تو آپ سمجھتے ہیں نا؟ جیسے چند مہینے پہلے تک Documents کی فوٹو کاپی نکلتی تھی، مشین میں ڈالا فوٹو کاپی نکل آئی اب الحمد اللہ انسان کی فوٹو کاپی بھی نکلنا شروع ہوگئی، نقلی انسان۔ اس کو کہا جاتا ہے کلوننگ۔ ابھی میں نے اس پر پوری اسٹڈی نہیں کی۔ معاملہ ہے کیا؟ تو انشاء اللہ اگر موقع ہوا، اللہ نے مجھے توفیق دی تو شاید اگلے سال۔۔۔ میں نے اس پر عبور حاصل کیا تو عرض کردوں گا تو کلوننگ کا" عربی

زبان میں استنساخ۔ یعنی کاپی بنانا، یعنی نقل بنانا، اب قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٩﴾ (جاثیہ)

تم جو کچھ دنیا میں کرتے رہے تھے اور کئے جا رہے تھے ہم سب کا استنساخ کرتے جا رہے تھے۔

دیکھئے سنی، شیعہ، دیوبندی، بریلوی سب ترجمہ کرنے والوں نے کیا کیا ترجمہ۔ کمی معلومات کی بنا پر۔ انہوں نے ترجمہ یہ کیا ہے کہ تم جو کچھ عمل کرتے جا رہے تھے ہم لکھتے جا رہے تھے۔ استنساخ کے معنی لکھنے کے نہیں ہوتے۔ استنساخ کے معنی ہوتے ہیں کاپی بنانا۔ نقل تیار کرنا۔ آج جب یہ سائنٹیفک انکشاف ہماری نظروں کے سامنے آیا کہ انسان جو کچھ کرتا ہے، اس کے ہر عمل کی تصویر فضا کے دامن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی ہے تب ہماری سمجھ میں آیا کہ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ کے معنی کیا تھے۔۔۔ (اس کے معنی) یہ نہیں ہیں کہ ہم لکھتے جاتے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہاری فلم بناتے جاتے تھے۔ میرا کوئی استدلال کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جب تک کسی امامؑ کی تائید اس کے پیچھے نہ ہو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ پوچھا گیا کہ مولا اس کے معنی کیا ہیں کہ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ۔۔۔ تو امامؑ نے فرمایا۔۔۔ اللہ نے یہ انتظام کیا ہے کہ تم جو کام بھی کرتے ہو اللہ نے ایک ایسا سسٹم اور نظام بنایا ہے کہ فضا میں تمہارے عمل کی تصویریں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ تو اب استنساخ کے معنی اگر کلوننگ کا معاملہ نہ ہوتا تو آج ہماری سمجھ میں نہ آتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اگر سائنس کو پڑھیں اور مرعوب نہ ہوں اور اپنے عقیدے کو مستحکم رکھیں۔ تو سائنس دین کی خدمت کے لئے خادم بن کر آئے گی، دشمن بن کر نہیں آئے گی۔

اس وقت عالم اسلام کی صورتحال یہ ہے کہ عالم اسلام میں کوئی مسلمان نہیں

ہے۔۔۔۔آپ کہیں گے اے ماشاء اللہ ایک ارب ہیں مسلمان۔ اور میں کہہ رہا ہوں کہ ایک بھی نہیں ہے۔ کہاں ہیں؟ دیکھیں تین بڑے فرقے ہیں۔ ایک شیعہ حضرات ہیں، ایک بریلوی حضرات ہیں، ایک وہابی حضرات ہیں۔ ان تینوں میں سے ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ وہابی کہتے ہیں (سب نہیں، علما نہیں، وہی کٹھ ملا، مگر بات یہ ہے کہ جب دنیا میں علم پھیلا ہوتا ہے تو عالموں کی بات سنی جاتی ہے اور جب جہالت پھیلی ہوتی ہے تو کٹھ ملاؤں کی بات سنی جاتی ہے، یہ مشکل کی بات ہے، کیا کیا جائے؟ میں نے سنی علماء کے نام لئے آپ کے سامنے، وہ تھوڑی کہتے ہیں جاہل ملا کہتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ) شیعہ کافر، بریلوی حضرات سے پوچھئے تو وہ کہتے ہیں وہابی کافر، ان وہابیوں سے پوچھئے کہ بریلوی کیا ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں بریلوی کافر۔ تو ہر فرقے کے کفر پر دوسرے دو فرقوں کا اجماع ہے۔ تو جب دو شاہدین عادلین ہر فرقے کے کفر پر موجود ہیں تو مسلمان کون رہ گیا بھائی؟ قصہ ہی ختم ہو گیا۔ ہم بھی کافر ہو گئے، آپ بھی کافر ہو گئے، قصہ ختم۔ تو میں نے کسی مجلس میں آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ ہم لوگوں کا حساب جلدی ہو جائے گا اور چونکہ سب کا جہنم میں داخل ہونا مسلم ہے لہٰذا سب جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور کافروں کی باری آئے گی تو وہاں بھی رش ہوگا! ہاؤس فل (house full) تو انشاء اللہ ہم جہنم کو بھر دیں گے۔

دیکھئے! روایت فلاں کتاب میں یہ روایت ہے، فلاں کتاب میں یہ روایت ہے۔ روایت کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ خبر۔ خبر کی جمع عربی زبان میں کیا ہے؟ اخبار۔ جیسے ایک حدیث کی کتاب ہے، آپ نے نام سنا ہوگا، ہمارے فرقے کی ہے جامع الاخبار تو کیا ہے اس جامع الاخبار میں؟ جنگ، ڈیلی نیوز اور ڈان یہ سب اس کے اندر ہیں؟۔۔۔۔نہیں جامع الاخبار کے معنی یہ ہیں کہ جتنی خاص خاص اخبار (خبریں) یعنی

روایتیں ہیں، سب اس کے اندر جمع کردی گئی ہیں، تو روایت کو کہتے ہیں خبر، اور خبر کی جمع ہے اخبار۔ بس اتنا آپ سمجھ لیجئے کہ آج جو اخباروں کا عالم ہے، وہی کسی زمانے میں روایتوں کا عالم تھا۔ جو حیثیت، اس وقت آپ برا نہ مانیں، میں مجبور ہو رہا ہوں کہنے کے لئے کہ میڈیا اور پریس کی ہے حیثیت وہ اس وقت رواۃ کی تھی۔ آپ بتائیے کون سے اخبار کو پڑھ کر آپ صحیح بات تک پہنچ سکتے ہیں؟ آج دنیا میں اتنا جھوٹ پھیلا ہوا ہے کوئی خبر آپ تک پہنچے، آپ جان تو اپنی دے سکتے ہیں لیکن صحیح بات معلوم نہیں کر سکتے۔ یہی پوزیشن ہے ساری روایات کی۔ میں سنیوں اور شیعوں دونوں کی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ وہابیوں اور بریلویوں سب کی طرف سے کہہ رہا ہوں، مقلد اور غیر مقلد سب کی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ اس لئے کہ میں مسلمان کی حیثیت سے یہاں گفتگو کرتا ہوں۔ اسی لئے رسول اکرمؐ نے فرمادیا، ہر فرقے کی کتاب میں یہ حدیث موجود ہے اور ہمارے ائمہ طاہرینؑ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی! ہم صورت حال دیکھ رہے ہیں کہ کیا ہے۔ کیا کیا باتیں ہماری طرف منسوب کی جارہی ہیں، تو اب حفاظت قرآن کا ایک فائدہ اور دیکھئے۔ رسولؐ نے اور ائمہ طاہرینؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب ہماری طرف کوئی منسوب بات تم تک پہنچے تو رسول اللہؐ یہ فرماتے ہیں امام جعفر صادقؑ یہ فرماتے ہیں، امام محمد باقرؑ یہ فرماتے ہیں، امام زین العابدینؑ یہ فرماتے ہیں کہ فوراً آنکھ بند کر کے اس پر ایمان نہ لے آنا، پہلے یہ دیکھنا کہ وہ ایک معیار ابدی جو قرآن کی شکل میں ہے، اس کے مطابق ہے یا مطابق نہیں ہے۔ اگر اس کے مطابق ہے تو قبول کرنا، مطابق نہ ہو تو (الفاظ یہ ہیں کہ) دیوار پر دے مارنا۔ دیوار پہ دے مارنا اس لئے کہ سب میں تضاد ہو سکتا ہے مگر قرآن ناطق میں تضاد نہیں ہو سکتا۔

بس برادران عزیز! جس موضوع کو کل میں نے چھوڑا تھا اسے چند منٹ کے لئے

لے رہا ہوں، اسلام میں۔۔۔ خود عقیدہ الوہیت کی جو گتیں بنی ہیں۔ اس کی بنا پر بھی بہت سے لوگ اللہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں آرہا ہوں بھارت سے۔۔۔ وہاں صورتحال کیا ہے؟ وہاں جہالت کا عالم یہ ہے کہ ہمارے بھائی جو خدا کو ماننے والے ہوتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ کوئی جنگل میں جا کر آباد ہو گیا۔ وہاں بیٹھا ہوا گیان دھیان کر رہا ہے، کوئی آدمی پہاڑ کی کس غار میں اتر گیا۔ ننگ دھڑنگ بیٹھا ہوا ہے، گیان دھیان کر رہا ہے۔ کوئی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا، وہاں بیٹھا ہوا اللہ کو یاد کر رہا ہے۔ اسلام میں اللہ کو یاد رکھا جاتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اللہ کو یاد کرنا ہے تو میدان سے بھاگنے کی ضرورت نہیں، غار میں اترنے کی ضرورت نہیں، پہاڑ پر چڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میدانِ حیات میں رہو، اللہ کو یاد رکھو۔ جیسے آپ سے کہا جائے کہ قانون کو یاد رکھئے تو کیا مطلب ہوا؟ قانون کی آپ مالا پڑھیں؟ تسبیح پڑھیں؟ نہیں اللہ کو یاد رکھنے کی جو تشریح اور تفسیر معصومؑ نے فرمائی ہے کہ جب شیطان تمہیں گناہ کی طرف بلائے، اللہ تمہیں یاد آجائے اور تم گناہ سے رک جاؤ۔۔۔ اسلام میں کوئی شے Negative نہیں ہے۔ ہر شے Positive ہے۔ کوئی شے منفی تصور ہے ہی نہیں اسلام میں۔ جو تصور ہے وہ مثبت تصور ہے۔ بھاگنے کا کوئی تصور ہی نہیں۔ مستقل Struggle کرتے رہنے کا تصور ہے۔ اسلام دین فرار نہیں ہے اسلام دین جہاد ہے۔

بس برادران عزیز! اب ایک مسئلہ اور ہمارے سامنے آتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ ہے تو پھر یہ دنیا میں اتنی ناانصافیاں کیوں ہو رہی ہیں؟ کیا ناانصافیاں ہو رہی ہیں؟ کوئی بے چارہ فقیر ہے، کوئی امیر ہے، کوئی بیمار ہے، کوئی صحت مند ہے، کوئی تاجر ہے، کوئی پالیٹیشین (Politician) ہے، کسی کی زندگی اچھی طرح سے گزر رہی ہے، کسی کی زندگی بری طرح سے گزر رہی ہے تو اللہ عادل موجود ہوتا تو یہ تفریق نہ ہوتی۔ میں عرض کرتا ہوں

کہ قرآن کی ایک آیت آپ کے پیش نظر ہوتی تو آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا نہ ہوتا۔

قرآن مجید نے کہا ہے!

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ۔

ذرا سا ماڈرن ٹرانسلیشن (**Modern Translation**) کررہا ہوں۔ مطلب وہی ہے۔ آج کی زبان میں آپ کو سمجھانے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ یہ دنیا کیا ہے؟ یہ تو ایک اسٹیج ہے۔ اس اسٹیج کے اوپر ڈرامہ ہورہا ہے۔ ہر آدمی کا اپنا ایک کیریکٹر ہے۔ جس کو بادشاہ بنایا گیا ہے وہ واقعی بادشاہ نہیں ہے، بادشاہ کا رول پلے کررہا ہے۔ جس کو وزیر بنایا گیا ہے، اس کو غلط فہمی نہ ہو کہ واقعی وہ وزیر ہے، وہ وزیر کا رول پلے کررہا ہے، جسے تاجر بنایا گیا ہے اسے غلط فہمی نہ ہو کہ واقعی وہ تاجر ہے، وہ تاجر کا رول پلے کررہا ہے۔ جسے بیمار بنایا گیا ہے وہ بیمار کا رول پلے کررہا ہے۔ جسے فقیر بنادیا گیا ہے وہ فقیری کا رول پلے کررہا ہے۔ اب کتنی زبردست حماقت کی بات ہوگی یہ کہ وہ انسان جو تھوڑی دیر کے لئے اسٹیج پر بادشاہ کا رول پلے کررہا ہے واقعی اپنے آپ کو بادشاہ سمجھنے لگے۔ اسی لئے میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر زندگی کے اسٹیج پر آپ دیکھیں گے تو کوئی بادشاہ دکھائی دے گا، کوئی وزیر دکھائی دے گا، کوئی امیر دکھائی دے گا، کوئی غریب دکھائی دے گا، لیکن جیسے ہی ڈرامہ ختم ہوتا ہے، سب ایک لباس پہن کر آجاتے ہیں۔ جو کریکٹر اپنی زندگی کا رول پلے کرچکتا ہے جب وہ وہ قبر کی منزل میں جاتا ہے، تو وہاں سب ایک لباس پہن کر جاتے ہیں۔ بادشاہ کا تاج؟ بھی اتر گیا، غریب کا بوریا بھی اتر گیا۔ اب جزا دینے کی نوبت آئی تو اب یہ نہیں کہ بادشاہ کو پہلا انعام دے دیا جائے گا۔ اب یہ دیکھا جائے گا کہ جس

کے ذمے جو کیریکٹر دیا گیا تھا، جو رول دیا گیا تھا وہ رول اس نے کیسے پلے کیا۔ ایک بادشاہ نے وہ فرائض انجام دیئے کہ جو اس کو دینا چاہئیں۔ از روئے اسلام اور از روئے دین؟ فرعون تو نہیں بن گیا؟ ایک غریب نے غربت کی وجہ سے مایوس ہو کر، غربت کے خلاف جہاد تو نہیں چھوڑ دیا؟ دست سوال تو نہیں پھیلا دیا؟ سن لیجئے: رسول کریم کا یہ ارشاد ہے، فرماتے ہیں:

جب انسان فقر و افلاس کی وجہ سے کسی کے سامنے دست سوال پھیلاتا ہے تو اللہ اس پر ستر دروازے فقر کے اور کھول دیتا ہے۔

تو ہر ایک کا ایک رول ہے اور انعام اور (بدلہ) ہم کو آخرت کی زندگی میں ملے گا۔۔۔ وہاں جا کر تم کو انعام ملے گا اور جو رول ہم نے تمہارے سپرد کیا تھا اس کو تم نے کس حد تک صحیح طریقے سے پلے کیا اور انجام دیا ہے۔

تو عزیزو! کل گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ اس کائنات کی کوئی Limit نہیں ہے ہم کو Limit دکھائی نہیں دیتی۔۔۔ بات وہ غلط نہیں کہتے صحیح کہتے ہیں۔ تھوڑی سی Astronomy میں نے بھی پڑھی ہے۔ کہا! ٹائم کی Limit ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔ اس لئے زمانہ بھی ہمیشہ سے ہے اور یہ کائنات بھی ہمیشہ سے ہے۔ (غور کیجئے گا ذرا سا۔ میں بہت سہل سے سہل بنا کر پیش کر رہا ہوں) جب مذہبی افراد یہ کہتے ہیں کہ نہیں خدا نے اس زمانے کو پیدا کیا ہے، اس کائنات کو پیدا کیا ہے، Space کو پیدا کیا ہے، کچھ سائنٹسٹ یہ کہتے ہیں کہ کوئی شے عدم سے وجود میں نہیں آسکتی۔ نہ لائی جاسکتی ہے تو پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں۔ رسل نے کہا ہے نہ کوئی شے عدم سے لائی جاسکتی ہے اور نہ کوئی شے عدم سے آسکتی ہے تو جب نہ ہی آسکتی ہے، نہ لائی جاسکتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ

کائنات ہمیشہ سے ہے اور کائنات بنی ہے میٹر اور مادہ سے۔ اس لئے میٹر اور مادہ ہمیشہ سے ہے۔ اس وقت بھی دنیا کے سائنٹسٹ (Scientist) کی اکثریت وہ ہے جو اللہ پر یقین رکھتی ہے۔ چند لوگ ایسے ہیں جو ہر زمانے میں رہے ہیں، تو منکر ہیں ان سے میرا یہ سوال ہے کہ آپ یہ فرماتے ہیں کہ یہ کائنات عدم سے وجود میں نہیں آسکتی ہے اور نہ لائی جاسکتی ہے کیوں؟ ان کا جواب یہ ہوگا کہ نہ ہونے سے ہونا ہو ہی نہیں سکتا۔ صحیح کہتے ہیں وہ۔۔۔ وہ کہتے ہیں نہ ہونے سے ہونا ممکن ہی نہیں، تو نہ از خود ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اس کام کو انجام دے سکتا ہے، چلئے میں نے مان لیا وہ صحیح کہہ رہے ہیں تو جب یہ بات طے ہوگئی کہ کوئی شے عدم سے وجود میں نہیں آسکتی ہے، جب یہ سائنسدان فرما رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مادے میں جو چیزیں نہیں ہیں وہ چیزیں مادہ ہم کو نہیں دے سکتا۔ عدم سے وجود میں کیسے لائے گا؟ یہ الاجیکل (Illogical) بات تو نہیں ہے، غیر منطقی بات تو نہیں ہے۔

ارے بھائی! جب اللہ قادر علی الاطلاق ہے، عدم سے وجود میں کسی شے کو نہیں لاسکتا ہے، تو مادہ کسی ایسی شے کو کیسے لاسکتا ہے عدم سے وجود میں کہ جس کے پاس نہ عقل ہے، نہ احساس ہے، نہ قدرت ہے، تو میں اب یہ سائنسدانوں سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ صحیح اصول ہے آپ کا، کہ کوئی شے عدم سے وجود میں نہیں آسکتی تو مجھے یہ بتائیں کہ مادے میں عقل ہے کہ نہیں؟ آپ کہیں گے مادے میں احساس نہیں ہے، اچھا، مادے میں زندگی (Life) ہے کہ نہیں؟ آپ کہیں گے مادے میں احساس نہیں ہے، تو جب مادے میں احساس نہیں ہے، جب مادے میں حیات نہیں ہے جب مادے میں عقل نہیں ہے تو پوری کائنات میں یہ عقل کیسے دوڑتی پھر رہی ہے؟ کہاں سے دی مادے نے کائنات کو، جب اس کے پاس ہے ہی نہیں۔ جب اس کے پاس زندگی ہے ہی نہیں Dead ہے تو

Dead سے زندگی کیسے مل سکتی ہے؟ یہ زندگی کہاں سے آئی؟ اور جو Dead ہو اس میں احساس نہیں ہوتا۔ مادے میں جب احساس نہیں ہے تو کائنات کے ذرے ذرے میں یہ احساس کہاں سے پیدا ہوا؟ کوئی بچہ کہہ سکتا ہے کہ ہم آپ کو آج سمجھا سکتے ہیں، ہاں سمجھاؤ بیٹا! میں تو بیٹھا ہوں یہاں اسی لئے، تو وہ بچہ مجھ سے کہے کہ یہ بتایئے کہ ریت کے ذروں میں عقل ہوتی ہے؟ میں کہوں گا نہیں وہ کئی دھاتوں کا نام لے گا کہ ان میں عقل ہوتی ہے، دانش ہوتی ہے، شعور ہوتا ہے، میں کہوں گا نہیں۔ وہ کہے گا کہ جب ان میں عقل و شعور نہیں ہوتا تو جب انہی چیزوں سے مل کے سلیکان اور چپس (Chips) کمپیوٹرز کے بنتے ہیں اور کمپیوٹر کام شروع کرتا ہے تو پہلے خالی حافظہ ہوتا تھا، اب ذہانت بھی ہوتی ہے، اگر ذہانت نہ ہوتی تو کمپیوٹر میں، تو کمپیوٹر سے شطرنج کیسے کھیلی جاتی؟ ایک طرف کمپیوٹر بیٹھا ہوتا ہے دوسری طرف ورلڈ چیمپئن بیٹھا ہوتا ہے، کمپیوٹر سے مقابلہ ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ عقل بھی آ گئی اور ذہانت بھی آ گئی۔ میں کہتا ہوں تم نے بیٹا صحیح کہا لیکن بیٹا یہ بتاؤ کہ کمپیوٹر میں عقل کہاں سے پیدا ہوئی ہے؟ کسی صاحب عقل نے دی ہے کہ نہیں دی ہے؟ تو کائنات میں از خود عقل کا نہ ہونا اور عقل کے مظاہرے کرنا۔۔۔

جو رسول تھا اس نے بتایا کہ:

اول ما خلق اللہ نوری

اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔

غور فرماتے رہیے گا، میں سائنس کے موضوع سے ہٹوں گا (اس کا یہ مطلب) نہیں میں روایات پر آ گیا۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ جب یہ حدیث آگے بڑھتی ہے تو اب واحد کا صیغہ جمع میں تبدیل ہو جاتا ہے Plural،Singular بن جاتا ہے۔ آپؐ

فرماتے ہیں:

سبحنا وسبحت الملائکۃ حللنا وحللت الملائکہ

ہمارے بعد ساری کائنات کو پیدا کیا گیا، ملائکہ کو پیدا کیا گیا، ہم نے جو تسبیح کی تو ملائکہ کو تسبیح کرنا آئی۔ ہم نے جو سجدہ کیا تو ملائکہ کو سجدہ کرنا آیا۔ ہم نے جو لا الہ الا اللہ کہا تو ملائکہ کو لا الہ الا اللہ کہنا آیا۔

تو میں کہوں گا! یا رسول اللہؐ! شروع تو (یہاں) سے ہو رہا تھا کہ اللہ نے پہلے میرا نور پیدا کیا۔ تو جب (جملہ) آگے بڑھا تو جمع کا صیغہ کیسے شروع ہو گیا؟ تو ارشاد فرمائیں گے! یہ اسی لئے ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ ہم ایک تھے، نور تھا جو چودہ میں تقسیم تھا۔

بے شک آپ کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ ہم اس بات کو صحیح نہیں مانتے کہ رسولؐ کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا، ان کے بعد ساری کائنات پیدا ہوئی۔ نہیں مانتے تو نہ مانئے۔ مگر آپ کو ماننا پڑے گا۔ کیسے؟

دیکھئے اگر کوئی شے میرے سامنے نہیں بنی ہے تو میں نہیں بتا سکتا کہ کیسے بنی ہے اور وہ اگر میں کسی شے کے بارے میں بتا دوں کہ وہ ایسے بنی، ایسے بنی، ایسے بنی۔ رسولؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے ارشادات کو آپ ملاحظہ فرمائیں تو کس شے کی حقیقت کے بارے میں ان حضرات نے نہیں فرمایا۔ افسوس یہ ہے کہ اس زمانے کے مسلمان اسکالرز کو بطلیموس پر تو اعتقاد اور یقین تھا اور ائمہ طاہرینؑ کے ارشادات پر اعتبار نہیں تھا۔ یہ ہوتا ہے جب اقتدار ملوکیت کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔

کیا امام محمد باقر علیہ السلام نے یہ ارشاد نہیں فرمایا:

یہ تمہارا جو ایک عالم دکھائی دے رہا ہے یہ ایک عالم نہیں ہے ایسے ان گنت عالم

ہیں جن کی تم کو خبر نہیں ہے۔

جب امام جعفر صادقؑ سے کسی نے پوچھا کہ آدم سے پہلے کیا تھا تو آپؑ نے فرمایا: آدم سے پہلے ایک اور آدم تھے جو اپنی پوری نسلوں اور تہذیبوں سمیت گزر گئے اور جب وہ تہذیب ختم ہو گئی، تمدن ختم ہو گیا تو پھر ایک اور آدم پیدا ہوئے۔

پوچھا! ان سے پہلے؟ کہا: ان سے پہلے پھر ایک آدم تھے بس یہ سلسلہ لاکھوں برس سے چلا آ رہا ہے کہ آدم سے پہلے آدم، آدم جیسے پہلے آدم، آدم سے پہلے آدم، آدم سے پہلے آدم۔ وہ پوری اپنی جنریشنز (Generations) کے ساتھ جب ختم ہو گئے تو دوسرے آدم پیدا ہوئے۔

اور کہا: پھر یہی ہو گا جب قیامت تمہاری ہو جائے گی تو اللہ پھر نئے سرے سے انسان کو پیدا کر دے گا۔

آکسفورڈ سے ایک کتاب چھپی ہے میرے پاس موجود ہے We are not the first اس نے لکھی ہی اس لئے ہے کہ یہ تہذیب جو ہماری ہے یہ کوئی پہلی تہذیب نہیں ہے اس سے پہلے بہت سی تہذیبیں گزر چکی ہیں Theory of Evolution کے ذریعے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس شکل میں تقریباً بیس۔۔۔ پچیس ہزار برس پہلے آیا ہے لیکن اس کے بعد کو پڑھے تو معلوم ہو گا کہ نرادا (امریکہ میں جو ریگستان ہے وہاں سے Fossil کو ڈھونڈ کر نکالا گیا۔ جب اس کا Analysis کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دو کروڑ سال پرانا ہے اور Fossel موجود ہے، تصویر بھی اس کی موجود ہے۔ آپ دیکھ لیجئے۔ وہ ایک جوتے کا Fossil تھا اور وہ جوتا باقاعدہ سی کر بنایا گیا تھا۔ تو دو کروڑ سال پہلے سلا ہوا جوتا پہننے والا انسان، بھٹ میں رہنے والا Chimpanzee نہیں ہو سکتا۔

مولائے کائنات سے جب پوچھا گیا کہ سورج اور زمین کا فاصلہ کتنا ہے تو جو Exact فاصلہ ہے وہ مولا علیؑ نے بتایا کہ نہیں بتایا؟ سورج کے Circumference کے بارے میں جب پوچھا گیا اس زمانے میں جب کہ عربی زبان میں ہزار کے آگے گنتی ہی نہیں تھی تو مولا نے کس فارمولے سے بتایا کہ جب آج Analysis کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ Exact وہی Cirumference ہے کہ جو Latest Astronomy بتا رہی ہے۔ چاند کے بارے میں جب پوچھا گیا تو چاند کے Circumference اور اس کے Distance کے بارے میں مولاؑ نے بالکل وہی بات کہی جو آج کی Latest Astronomy بتا رہی ہے، بتایا۔ تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ سب Exact باتیں مولاؑ نے کیسے بتائیں؟ یہ مشتی نمونہ از خروارے ہے۔ کیسے بتائیں؟ اس لئے کہ اس وقت نہ رصدگاہیں تھیں، اس وقت نہ Observatory تھی، نہ ریڈیو ٹیلی سکوپ تھے، کیسے مولاؑ نے بتایا؟ تو جب تک آپ اس بات کو نہیں مانیں گے کہ جو بعد میں پیدا ہوتا ہے وہ پہلے پیدا ہونے والی چیزوں کو عقل کے ذریعے سمجھتا ہے، جس کی نظروں کے سامنے پیدا ہوتی ہیں ساری چیزیں، اسے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

عاشورا کی اہمیت اور غلط روایات:

بس برادران عزیز! ایک روایت ہو تو آپ انکار کر دیں، دو روایتیں ہوں تو انکار کر دیں، تین ہوں تو انکار کر دیں، ایک انبار روایتوں کا ہے۔ ماضی کی خبر دی، مستقبل کی بھی خبر دی، آج کا جنگ (اخبار) پڑھا ہوگا آپ نے ذرا مجھے شکایت ہے کہ جنگ کا کالم لکھنے والوں کو ذرا تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ اس میں لکھنے والے نے لکھا ہے کہ عاشورا کے دن کیا

کیا ہوا۔ جتنی باتیں خوشی کی ہو سکتی تھیں ان کو، جتنی ان کو یاد تھیں، وہ سب سمیٹ کر انہوں نے عاشورہ کے دن (بیان کردیں) جتنی بھی باتیں خوشی کی ہو سکتی تھیں کہ وہ جناب نوحؑ کا سفینہ رکا تھا عاشور کا دن تھا اور وہ جناب موسیٰؑ کے لئے دریا پھٹا تو وہ عاشور کا دن تھا اور جناب ابراہیمؑ آگ سے بچے تو عاشور کا دن تھا۔

آج کے دن کی اہمیت یہی ہے کہ جب حسینؑ پیدا ہوئے تو رسولؐ اپنے نواسے کو گود میں لئے ہوئے تھے تھوڑی دیر کے بعد رونا شروع کیا۔ کسی بی بی نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں، بچہ پیدا ہوا ہے (یہ تو) خوشی کا موقع ہے۔ کہا ہاں میں خوش ہو رہا تھا مگر جبرئیلؑ نے آ کے مجھے یاد دلا دی، کربلا کی بات۔

میں بچو! تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ **What was the soure of knowledge** یہ واقعہ جو ساٹھ برس کے بعد ابھی ہونے والا ہے یا کم و بیش پچاس سال کے بعد ہونے والا ہے یا پچپن سال بعد ہونے والا ہے، اس کی رسولؐ کو ابھی سے کیسے خبر ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ کوئی **Source of Knowledge** ہے۔ کوئی عالم الغیب حقیقی ہے کہ جو رسولؐ کو جتنا سمجھتا ہے اتنا بتا رہا ہے۔ ورنہ کیا ہے **Source of Knwoledge** آپ مجھے بتائیں۔ جنگ صفین ہو رہی ہے اور جنگ صفین میں حسینؑ کو پیاس لگتی ہے اور ایک مرتبہ حسینؑ فرماتے ہیں کہ کوئی ہے جو مجھے تھوڑا سا پانی پلا دے؟ قبل اس کے کہ کوئی سپاہی، غلام، یا نوکر جائے، مولا علیؑ نے دیکھا کہ عباسؑ بارہ برس کی عمر میں اپنے بڑے بھائی کے لئے پانی لئے چلے آ رہے ہیں مگر پانی لانے کی شان کیا ہے؟ بچپنا بھی ہے، احترام بھی ہے کہ پانی کا ظرف ہاتھ میں نہیں لئے ہوئے ہیں بلکہ سر پہ رکھے ہوئے ہیں۔ اب سر پر جب پانی کا برتن رکھا جائے گا تو پانی چھلک چھلک کر جسم کے اوپر گر رہا ہے؟ لوگوں نے کہا یا علیؑ مبارک ہو کتنا چاہنے والا بچہ آپ

کا یہ بڑے بھائی کا؟ دیکھئے کس عزت واحترام کے ساتھ پانی لے کر آ رہا ہے جنگ صفین بھی تو فرات کے کنارے ہوئی تھی نا؟ اب تاریخ سے یہ کیسے چھپے گا کہ مولا علیؑ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ کہا یا علیؑ یہ رونے کی بات ہے کیا؟ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایسا چاہنے والا چھوٹا بھائی ہے۔ کہا ہاں! میں دیکھ رہا ہوں کہ جس طرح سے آج اس کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے یہی سرزمین ہوگی اسی کی قرب وجوار میں ایک دن اسی پانی کے مسئلے پر اس کے سر سے خون کی دھاریں اسی طرح بہہ رہی ہوں گی، یہ کس نے بتایا؟ سوچیے ذرا! غور کیجیے۔

بس عزاداران حسینؑ! آج آپ کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج قمر بنی ہاشم، سقائے سکینہ، ابوالفضل العباس، باب الحوائج، العبد الصالح، المطیع للہ ولرسولہ ولامیر المومنین، آج کی تاریخ مخصوص ہے (ان کے ذکر کے لیے)

یا علیؑ! میں جب آپ کے بیٹے کی تعریف کرنا چاہتا ہوں آپ کے مقابلے میں، آپ ظاہر ہے کہ خوش ہوں گے۔ یہ بتایئے کہ حضرت عیسیٰ رسول اللہ تھے کہ نہیں تھے؟ تھے نا؟ حضرت موسیٰ رسول اللہ تھے؟ حضرت نوحؑ رسول اللہ تھے، حضرت ابراہیمؑ؟ یہ سب رسول اللہ تھے کہ نہیں تھے؟ یہ سب اللہ کے رسول تھے کہ نہیں تھے؟ لیکن اس مجلس میں اگر کہوں آپ کے سامنے کہ رسول اللہ نے فرمایا، تو آپ کیا سمجھیں گے کہ ابراہیمؑ نے کہا؟ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا؟ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا؟ نام لئے بغیر میں صرف لقب کہوں کہ رسول اللہ نے فرمایا تو آپ کیا سمجھیں گے کہ حضور نے فرمایا۔ غلط تو نہیں کہہ رہا؟ اسلام کے لشکر کے علم بردار جناب جعفرؑ بھی رہے، جنگ موتہ میں۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ بھی رہے اور سب سے زیادہ 99.99% علیؑ ابن ابی طالب رہے، دس سال علم برداری کی۔ ایک

گھنٹے کی بات تھوڑی ہے دس سال مسلسل علم برداری کی، کس نے کی؟ علیؑ ابن ابی طالب نے لیکن اس مجمع سے، اگر میں علی ابن ابی طالب کا نام لئے بغیر کہوں کہ علمدار تو کون یاد آئے گا ،کوئی یاد نہیں آئے گا، علیؑ بھی نہیں یاد آئیں گے۔ عباسؑ نے دس گھنٹے یوں علمداری کی کہ اب جب علمدار کہا جاتا ہے تو کسی اور کا تصور نہیں آتا، ہر ایک کو عباسؑ یاد آتے ہیں۔

بس بڑا خوبصورت جوان تھا، بڑا حسین، حسن کا پیکر، جو دیکھتا تھا اس کی نظریں جم جاتی تھیں۔ روایت میں ہے کہ مدینے میں کبھی علی اکبرؑ اور عباسؑ ساتھ ساتھ گزرتے تھے تو جو آدمی جس صورت میں ہوتا تھا اسی عالم میں رہ جاتا تھا۔ اگر وہ کسی دوکان کے سامنے سے گزر رہے ہیں اور وہ تول رہا ہے تو بس اس کا ہاتھ وہیں (گویا) شل ہو گیا، بس وہ چہرہ دیکھ رہا ہے، تولنا بھول گیا۔ علی اکبرؑ اور عباسؑ کا حسن اس منزل کے اوپر تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ عباسؑ ابن علیؑ میں نے سب لقب آپ کے سامنے ذکر کئے، لیکن ایک لفظ اور کہوں گا تمنائے قلب علیؑ۔ اس لئے کہ (آپ نے) عقیل سے کہا تھا کہ میرے لئے ایک ایسی بیوی تلاش کرو کہ جس سے اللہ مجھے ایک بچہ دے کہ جو کربلا میں میرے حسینؑ کی مدد کرے۔ پھر وہی بات آگئی What was the source of knoweledge یہ سب کیسے معلوم ہوگا؟ اس کا مطلب ہے کہ کوئی ہے قوت جو بتانے والی ہے، اپنے مخصوص بندوں کو، جتنا مناسب سمجھتی ہے، تو اس وقت حضرت فاطمہ کلابیہ سے، جن کی کنیت بعد میں ام البنین پڑی، مولا علیؑ کا عقد ہوا اور یہ بیوی جب خانہ علیؑ میں داخل ہوئی تو آکر پہلے علیؑ کے دروازے کو بوسہ دیا۔ جب گھر میں تشریف لائیں تو پوچھا کہ میرے شہزادے حسنؑ و حسینؑ کہاں ہیں؟ کسی نے بتایا کہ حجرے میں آرام کر رہے ہیں، بی بی نے آہستہ سے حجرے کا دروازہ کھولا۔ جانے کے بعد پہلے ایک بچے کے تلووں کو چوما۔ پھر دوسرے بچے کے تلووں کو چوما ظاہر ہے کہ

بچوں کی آنکھ کھل گئی۔ کہا آپ کون ہیں۔ کہا میں تمہارے گھر میں آئی ہوں، ماں بن کر نہیں آئی، تم میرے شاہزادے ہو، میں تمہاری کنیز بن کر آئی ہوں۔

عباسؑ کی وفا اور شجاعت

عزادارانِ حسینؑ! عباسؑ کے دنیا میں آنے میں دو شخصیتیں وسیلہ بنیں، اللہ کی طرف سے، ایک ام البنین، ایک مولا علیؑ، یعنی ام البنین کی وفا عزت و احترام اس حد تک کہ ماں ہونے کے باوجود بچوں کی اپنے کو کنیز کہا اور مولا علیؑ کی شجاعت، یہ دو چیزیں عباسؑ کو ورثے میں ملیں۔ ماں کی طرف سے وفا، باپ کی طرف سے شجاعت۔ افسوس یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں ماں کی وفا تو ظاہر ہو گئی، باپ کی شجاعت حسینؑ نے ظاہر نہ ہونے دی۔ ماں نے کہا تھا کہ میں کنیز ہوں تو شب عاشور جس وقت کہ امام حسینؑ تشریف لے جا رہے تھے ابن سعد سے ملاقات کے لئے تو گفتگو ہونا تھا۔ ادھر سے پسر سعد بھی آ رہا تھا۔ ادھر سے امام حسینؑ تشریف لے جا رہے تھے، تو عباسؑ نے کہا فرزند رسول! میں بھی چلوں گا؟ کہا انصاف کی بات نہیں ہے، کہا، مولا! کیا بات ہے؟ دیکھو! اس کے ساتھ اس کا بیٹا آ رہا ہے تو میں اپنے ساتھ اپنے بیٹے کو لے کر جا رہا ہوں، تم کو کیسے لے جاؤں۔ اگر اس کے ساتھ اس کا بھائی ہوتا تو تم کو بھی ساتھ لے لیتا۔

کہا مولا! ذرا غور سے دیکھئے، اس کے ساتھ اس کا بیٹا ہے مگر اس کے ساتھ اس کا غلام بھی ایک آ رہا ہے تو میں کب اپنے آپ کو آپ کا بھائی کہتا ہوں، آپ مجھے غلام بنا کر لے چلئے۔

تو یہ وفا تو عباسؑ کی بار بار سامنے آئی۔ مگر ہائے وہ شجاعت جس کا انتظار کر رہا تھا

یہ غازی، اس کا موقع حسینؑ نے آنے نہیں دیا۔ شجاعت اتنی تھی کہ جب زہیرؓ نے شب عاشور کہا ہے کہ عباسؑ! میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کی ولادت کیوں ہوئی (پورا واقعہ بتایا، جو بتا چکا ہوں) تو فرمایا:

التشجعونی یا زہیر!

کیوں زہیر کیا تم مجھے شجاعت دلاتے ہو؟

یہ کہہ کر شیر نے انگڑائی لی تو گھوڑے کی رکابیں ٹوٹ گئیں۔ کہا زہیرؓ دیکھنا کل میں وہ جنگ کروں گا کہ جو تاریخ میں یادگار ہو جائے گی۔ یہ تھی عباسؑ کی تمنا۔ مگر افسوس میرے مولا حسینؑ نے عباسؑ کا وہ سخت امتحان لیا اتنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال دیں شجاعت میں کہ عباسؑ کو اظہار شجاعت کا موقع نہیں مل سکا۔ جب سب شہید ہو گئے۔ بس عباسؑ اور علی اکبرؑ رہ گئے تو ایک مرتبہ عباسؑ ابن علیؑ آئے۔ کہا مولا مجھے بھی اجازت دیجئے۔ کہا بھیا! تم تو میرے لشکر کے علمدار ہو۔ جب تک تمہارے کاندھے پر علم ہے۔ بیبیوں کی نظر علم کے اوپر ہے۔ یہ تمہارا علم اور علم کا پھریرا ان کی چادروں کا محافظ ہے۔ یہ علم نہیں رہا تو ان کے دل ٹوٹ جائیں گے۔ حسینؑ اجازت نہیں دیتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک پیاری بچی آئی۔ اس نے آکے کہا چچا! آپ تو کہتے تھے سکینہؑ! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں میرے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر آپ کو ترس نہیں آتا؟ میرے نیلے رخساروں پر آپ کو پیار نہیں آتا؟ میں پیاس سے ہلاک ہوئی جاتی ہوں۔ اگر ہو سکے تو تھوڑا سا پانی میرے لئے لے کر آجائیے۔

بس عباسؑ کو موقع ملا۔ کہا بچی! جاؤ جانے کے بعد مشکیزہ لاؤ، چھوٹی سی مشک بچی لے کر آئی۔ عباسؑ نے مشکیزہ علم میں باندھا۔ دیکھئے یہ کس خلوص کے ساتھ عباسؑ نے مشک

سکینہ کو علم میں باندھا تھا کہ آج شہادت کو لگ بھگ پندرہ سو سال ہو چکے ہیں مگر مشک سکینہؑ اور علم کا ساتھ نہیں چھوٹا۔ جہاں جہاں علم عباسؑ وہاں وہاں مشک سکینہؑ اور تیر سے چھدی ہوئی۔ گویا یہ سمبل بن گیا کربلا کی جنگ کا۔

شہادت علمدارؑ:

کہا آقا! پانی لانے کی اجازت دے دیجئے۔ کہا اچھا جاؤ۔ گئے اور حملہ کیا۔ پہلے ہی حملے میں گھاٹ صاف ہو گیا۔ فرات میں گھوڑا ڈالا لگام ڈھیلی کر دی۔ (میں کوئی بات اپنے سے نہیں پڑھتا، روایت میں دیکھتا ہوں، تو پڑھتا ہوں) لگام ڈھیلی کر دی مطلب یہ تھا کہ پیاسا ہے تین دن کا پانی پی لے۔

گھوڑے نے منہ اٹھا کر اپنے آقا کو دیکھا کیا مطلب؟ کہا کہ جب تک آپ پانی نہ پئیں میں کیسے پانی پیوں؟ عباسؑ اترے، پانی ہاتھ میں لیا اور ہاتھ میں لینے کے بعد پھینک دیا۔ مشک سکینہ کو بھرا اور اس کے بعد پیاسا گھوڑا، پیاسا سوار دونوں فرات سے باہر آگئے۔ اب پسر سعد نے کہا کہ سارا لشکر گھیر لے اسے۔ مشک خیام حسینؑ تک پہنچنے نہ پائے۔ جنگ چھڑ گئی۔ پورا لشکر ایک طرف، ایک سپاہی ایک طرف علم کو بھی بچانا ہے۔ مشک کو بھی بچانا ہے مشک کو بچانا کتنا مشکل ہے ارے! سینکڑوں تیر برس رہے ہیں۔ کوئی اک بھی آ کے مشک سکینہ کو لگ سکتا ہے۔ اب دیکھئے عباسؑ کو کہ کیا کمال جنگ ہے، کوئی تیر مشک سکینہ پر نہیں لگنے دیتے اور لڑتے بھڑتے خیمے کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ یقین ہو گیا ان کو کہ عباسؑ کو روک نہیں سکتے لہٰذا ایک دشمن ایک درخت کی آڑ میں آیا اور آنے کے بعد عباسؑ کے داہنے بازو کو کاٹ دیا۔ عباسؑ نے بائیں بازو سے،

بائیں ہاتھ کی جنگ کرنا شروع کی۔ ایک دوسرے دشمن نے آ کے بایاں بازو بھی کاٹ دیا۔ اب عباسؑ نے کیا کیا۔ مشک سکینہؑ دہن میں دبالی اور گھوڑے کو ایڑھ پر ایڑھ دی۔ اب لڑ تو سکتے نہیں۔

برصغیر ہند و پاک کے جو سب سے بڑے خطیب گزرے ہیں مولانا سبط حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ، میری پیدائش سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کا یہ جملہ میرے کانوں میں، میرے بزرگوں کے ذریعے اب تک محفوظ ہے کہ مرحوم اس موقع پر فرماتے تھے کہ جب عباسؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو مشک سکینہؑ تیر نے اپنے دانتوں میں دبالی تو فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں کہوں کہ آقا! مولاؑ کو مدد کے لئے بلا لیجئے۔ تا کہ یہ پانی خیمے تک پہنچ جائے تو فرماتے تھے کہ عباسؑ جواب دیں گے کیسے پکاروں کہ مشک سکینہ تو دانتوں میں دبی ہوئی ہے مولا کو میں پکاروں تو کیسے پکاروں۔

بس عزاداران حسینؑ! میں نے کئی مرتبہ آپ کے سامنے عرض کیا ہے۔ روایت بڑی دردناک ہے کہ جب عباسؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو ایک نظر اٹھا کر عباسؑ نے آسمان کو دیکھا اور کہا:

اللھم ان اطفال الحسین عطشان

پالنے والے! حسینؑ کے بچے پیاسے ہیں۔

یہ پانی کسی صورت سے خیمے تک پہنچ جائے، لیکن ابھی عباسؑ کی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور مشک سکینہ کو توڑتا ہوا عباسؑ کے سینے کے پار ہو گیا اور اب عباسؑ نے دوسری دعا کی:

رضا بقضآئك وتسليما لامرك

بار الہا! میں تیری رضا پر راضی ہوں اور تیرے فیصلے پر میں اُف نہیں کہہ سکتا۔ تو نے میری دعا نہیں (سنی) کوئی مصلحت ہوگی لیکن پالنے والے! اب میری دوسری دعا سن لے اور دوسری دعا یہ ہے کہ مشک اگر نہیں پہنچ سکی تو میری لاش بھی سکینہؑ کے سامنے جانے نہ پائے۔

بس عزاداران حسینؑ! نظام قدرت ہے کہ عباسؑ کی دعا نہ سنی گئی لیکن دو جزائیں عباسؑ کو ملیں (سن لیجئے) ایک جزا یہ ملی کہ عباسؑ تمہارا دل ٹوٹ گیا تو اب تمہارے دروازے کو ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باب الحوائج بنائے دیتے ہیں۔ جس کو جو تمنا ہو وہ آئے تمہارے در پر۔ آئے اور آنے کے بعد مانگے ہم اس کی تمنا کو پورا کریں گے اور دوسری اجزا ایک اور ملی۔۔۔ آج بھی جہاں پر روضہ ابوالفضل ہے، ضریح مبارک تو اوپر ہے اصل قبر تو تہہ خانے میں ہے، نیچے سرداب میں جائیے اور جا کر دیکھے کہ عباسؑ کو ایک دائمی جزا یہ ملی ہے کہ صبح قیامت تک (پانی کہاں سے آتا ہے کچھ پتہ نہیں لیکن) آج بھی پانی مسلسل عباسؑ کے قدموں سے چھوتا ہوا بہہ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے کہا کہ ٹھیک ہے تمہاری دعا پوری نہیں ہوئی تو ہم زندگی بھر کے لئے صبح قیامت تک کے لئے اس منحوس پانی کو تمہارے قدموں میں لا کر ڈال دیں گے تو یہ پانی تا صبح قیامت تمہارے قدموں سے لپٹا ہوا معافی مانگتا رہے گا کہ افسوس کہ ہم سکینہؑ تک نہ پہنچ سکے۔

بس عزاداران حسینؑ! ایک شقی سامنے آیا اور آنے کے بعد اس نے کہا! عباسؑ تمہاری شجاعت کیا ہوگئی؟ کہا اب آئے جب میرے ہاتھ کٹ گئے؟ اس کو ترس نہ آیا اس کے ہاتھ میں ایک گرز تھا وہ گرز اس نے عباسؑ کے سر پر جو مارا، سر کے پرخچے اڑ گئے، چور چور ہوگیا سر۔

بس عزادارا حسینؑ! آخری جملہ سن لیجئے۔ حسینؑ چلے۔ علی اکبرؑ ساتھ ساتھ ہیں۔ گھوڑے کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے لا رہے ہیں کہ ایک مرتبہ رکے۔ اکبرؑ نے پوچھا بابا! کیوں رکے؟ کہا بیٹا! میرے بھائی کا کٹا ہوا ہاتھ دکھائی دے رہا ہے گھوڑے سے اترے، ہاتھ کو اٹھایا، سینے سے لگایا۔

عزادارو! ایک بات یاد دلاؤں آپ کو؟ جب یہ ہاتھ عباسؑ کا حسینؑ نے سینے سے لگایا ہوگا تو اس ہاتھ کے ساتھ کتنی باتیں یاد آئی ہوں گی کہ یہی چھوٹے معصوم ہاتھ تھے (ستائیس برس بڑے تھے حسینؑ عباسؑ سے) جو ہمک ہمک کر میری گود میں آتے تھے یہی ہاتھ تھا جو انگلی پکڑ کے، یہ بچہ میرے ساتھ چلا کرتا تھا۔ آج یہی کٹے ہوئے ہاتھ موجود ہیں آگے بڑھے، پھر رکے کہا بابا اب کیا ہوا؟ کہا دوسرا ہاتھ مل گیا۔

عزادارو! بس ان ہاتھوں کو پہچان لیجئے۔ حسینؑ نے یہ دونوں ہاتھ اٹھا لئے اس کے بعد یہ ہاتھ کہاں گئے؟ مجھے یہ اب نہیں ملتا۔ حسینؑ نے لا کر عباسؑ کی لاش کے ہاتھ رکھ دیئے یا خیمے کے اندر لے کر چلے گئے۔ میں نے جتنا روایت میں دیکھا۔ اس سے آگے عرض نہیں کر سکتا۔ اب کربلا کے بعد مجھے یہ ہاتھ پھر دکھائی دیتے ہیں۔ اب کہاں دکھائی دیتے ہیں؟ اب دکھائی دیتے ہیں قیامت کے میدان میں۔ روایت بتاتی ہے کہ جب قیامت کا ہنگامہ ہوگا۔ نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ اس وقت رسولؐ کی بیٹی آرہی ہوگی۔ اس شان سے کہ سر کے بال کھولے ہوئے ہوگی تو رسولؐ پوچھیں گے کہ بیٹی! یہ فریادیوں کی سی صورت کیوں بنا رکھی ہے؟ کہا یا رسول اللہ! قیامت کا دن تو غضب کا ہوگا میں آج اپنے اللہ سے فریاد کرنے کے لئے آئی ہوں کہ کوئی مجھے بتادے کہ میرے بچے کی خطا کیا تھی؟ میری آلؑ کا قصور کیا تھا کہ جو کربلا کے میدان میں تین دن کا بھوکا اور پیاسا ذبح کر دیا گیا۔ اس وقت

رسولؐ فرمائیں گے بیٹا! یہ باتیں بعد میں ہوں گی پہلے یہ بتاؤ کہ اپنے چاہنے والوں کے لئے کوئی سامان شفاعت بھی لے کر آئی ہو؟ تو روایت بتاتی ہے کہ شاہزادی اپنی گود پھیلا دے گی؟ رسول (اللہ) دیکھئے یہ دو کٹے ہوئے ہاتھ۔ پوچھیں گے یہ کس کے کٹے ہوئے ہاتھ ہیں؟ کہیں گی بابا! آپ نے نہیں پہچانا ارے! یہ میرے بچے عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ ہیں۔ انہیں گناہ گاران امت کی شفاعت کے لئے لے کر آئی ہوں۔

(۱۴)

مجلس: رزق

عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین قبلہ مرحوم (کتبن صاحب)

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

الحمدللہ رب العالمین و الصلواۃ والسلام علی سید الانبیاء و المرسلین سیدنا و نبینا ابی القاسم محمد واله الطیبین الطاہرین اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ و تبارك فی کتابه المبین و هو اصدق القائلین.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل)

ارشاد ہورہا ہے کہ ہم نے بنی آدمؑ کو بزرگی عطا کی اور ہم ہی نے ان کو خشکی وتری میں سواریاں دیں ہم ہی نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضلیت دی جیسا فضلیت دینے کا حق تھا۔

یقیناً پیدا کرنے والے نے جب ایجاد کی منزل میں قدم قدرت رکھا تو کسی کو پست بنایا کسی کو بلند کسی کی منزلت کم رکھی کسی کی زیادہ افلاک کو بلندی دی زمین کو پستی رات کو ظلمت دی دن کو نور سورج میں گرمی قرار دی چاند کے نور میں خنکی پتھر میں سختی بنائی پانی میں نرمی کسی کو جاندار بنایا کسی کو بے جان سب ہی اس کی مخلوق ہے سب ہی کو اس نے پیدا

کیا مگر اس میں کوئی شک و شبہ نہیں جو جاندار ہیں وہ بے جان سے بہتر اس لئے فلکی ہوں یا ارضی مگر حیوان و جن و ملک صاحب روح اور مالک احساسات ہوا ارادہ ہونے کے اعتبار سے ہر اُس موجود سے بہتر جس میں حس ہوا ارادہ نہ ہو ادراک نہ ہو یونہی ہر صاحب عقل و فہم بے عقل و نا فہم سے افضل اس لئے انسان و جن و ملک ہر نوع حیوان سے بہت بلند اب مقابلہ رہ گیا تو تین ہی جنسوں میں ایک ملک دوسرے انسان تیسرے جن مگر تینوں جنسوں نے ابتدا خلقت ہی میں ایک بزم میں جمع ہو کر فیصلہ کر دیا کہ جن تو شیطان بننے کے قابل اور ملک انتہائی فضلیت کے بعد بھی نبوت کے واسطے نا اہل البتہ انتخاب قدرت "انی جاعل فی الارض خلیفة" کہہ کر جس ذات کو اپنی نیابت کے واسطے چھانٹ لیا وہ صرف انسان تھا مغربی فلسفہ والوں کی قیاس آرائی ہے کہ انسان تدریجی ترقی کر کے اس منزل پر پہنچا جہاں آج ہے مگر اسلام بتاتا ہے کہ بالکل غلط ہے پہلا ہی انسان ترقی کے ان منازل پر پہنچا جہاں حیوان تو حیوان جن و ملک بھی سر بسجود نظر آئے جنت میں رہنے کا مستحق ہوا سجدۂ ملک سے مشرف ہوا نیابت و نبوت کے تاج و تخت سے سرفراز ہوا جب اس منزل سے اولاد آدم نے قدم بڑھائے تو کوئی ہابیل بن کر ابوالبشر کا لخت جگر بنا تو کوئی قابیل بن کر بدترین خلائق ہوا، تھے دونوں آدم کی اولاد مگر نسل کی فضلیت مٹ گئی اور ذاتی کردار نے ذلیل کیا سلسلہ تناسل اور آگے بڑھا تو جناب نوحؑ کی عظمت سامنے آئی اور جناب موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور تمام انبیاء نے نسل انسانی کی فضلیت دکھائی اور نمرود و فرعون و ہامان نے بدترین عادات و اخلاق کے نتیجہ میں تباہ و برباد ہلاک ہو کر اپنی پستیوں اور ذلتوں کا اعلان کیا انسانیت کی اس تقسیم نے ظاہر کر دیا کہ انسان کی ذات میں بلندی ہے نسل کے صفات کچھ کچھ عظمت دینے پر تیار ہیں مگر یہ انسانی انتخاب کا حسن و قبح ہے کہ اپنی عظمت کو باقی رکھے یا

بد اعمالیوں کے نتیجہ میں حیوان کیا نباتات و جمادات سے بھی بدتر بن جائے میں آج جس مولود حرم کا دنیا سے تعارف کرانا چاہتا ہوں وہ وہی بلند نگاہ عالی منزلت نسل ابراہیم کا شرف تھا جس کا نام انتخاب قدرت نے علیؑ رکھا جس کے معنی بلند ہیں دنیا والے جب نام رکھتے ہیں تو مناسبت کا لحاظ نہیں کرتے جاہل کا نام عالم رکھ دیا بدکار کا نام متقی رکھ دیا منافق کا نام مومن رکھ دیا مگر پیدا کرنے والا جب نام رکھتا ہے تو مناسبت دیکھ کے محمد گو جب ہر مدح کا مستحق پایا تو نام محمدؐ رکھا اور حیدر کرار کو جب ہر بلندی میں ممتاز دیکھا تو نام علیؑ رکھا نسل کی بلندی خدا نے دی کیوں کہ اسلامی عقیدے کے مطابق تمام دنیا کے انسانوں سے عرب بہتر عربوں میں قریشی افضل قریش کے تمام خاندانوں میں بنی ہاشم افضل تر اور علی وہ پہلا مولود جس کے ماں باپ دونوں ہاشمی۔

آدم کو علم ملا تو میراثِ علم علی میں آئی نوح نے سفینہ سے ایمانداروں کو نجات دی سفینہ محمدؐ کے ناخدا علیؑ بنے ابراہیمؑ نے خلت کا شرف پایا تو علیؑ خدا کے ولی بنے موسیٰ نے اژدہے کو اعجاز نبوت بنایا تو علی نے اژدر دری کی جناب عیسیٰ کو فلک کی بلندی ملی تو علیؑ نے دوش نبی پر معراج پائی ہاشم کے حسن نے بدر کامل کا شرف پایا تو علیؑ کو قرآن نے والقمر کہا عبدالمطلب کو تمام عرب کی سرداری ملی تو علی سید الاوصیاء ہوئے ابوطالب ناصر وحامی رسول اُمی ہوئے تو علیؑ نے بھی رسول کی نصرت وحمایت کر کے آخر ناد علی اُتر والی۔

علی کا اسم مبارک حیدر لقب مرتضیٰ رکھا گیا منصب امامت، ولایت، خلافت کنیت ابوالحسن اور ابوتراب اگر آپ کے پدر بزرگوار ابوطالب دادا عبدالمطلب جن کے والد ماجد جناب ہاشم جو نسل ابراہیم کے واسطے باعث شرف تو علی میں باپ دادا خاندان اور نسل کی ہر فضلیت آئی۔

اب اس کے بعد خدا نے عظمت بڑھائی اور کعبہ میں ولادت کا شرف دیا دیوار کعبہ نے شق ہو کر آغوش تمنا کھولی یا رسول کی معراج ثابت کرنے کو دیوار سرکی اور کعبہ نے اندر آنے کا اشارہ کیا منشا باری نے اندر آنے کی اجازت دی یا صدف کعبہ نے گہر امامت کو سینہ میں لیا جو بھی واقعہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ علیؑ کا زچہ خانہ خدا کا گھر بنا مجھ کو کیا معلوم کہ زچہ کی خدمت مریم نے کی آسیہ نے حوروں نے بڑھ کر گود میں لیا یا ملک نے، کوثر کا پانی غسل مولود کو آیا یا آب سلسبیل نے آبرو بڑھائی جنت کے حلہ سے زینت ہوئی یا ماں کی چادر نے لباس دیا میں راز قدرت کیا سمجھوں کہ میزبانی کے انتظامات کیا کیا ہوئے کیوں کہ جس طرح شب معراج حبیب و محبوب کے علاوہ کوئی غیر نہ تھا اسی طرح کعبہ کی مہمانی میں بھی ماں اور بچہ کے علاوہ کوئی اور نہ تھا مگر کہنے میں بات آتی ہے کہ جب ولی خدا مہمان ہو اور اللہ سا کریم و رحیم میزبان ہو تو کیا کچھ سامان نہ ہوا ہو گا رحمت خدا گہوارہ بنی علم الٰہی سے غذا ملی قدرت نے قوت و طاقت دی عدالت الٰہی نے عصمت کا لباس پہنایا آنکھوں کو عین اللہ بنایا کان کو اذن اللہ کہا زبان کو لسان اللہ کہا ہاتھوں کو ید اللہ کہا جب تمام انعامات مل چکے اور مہمانی کی مدت ختم ہوئی تو علیؑ کی پاک و پاکیزہ ماں فاطمہؑ بنت اسد خدا کے گھر سے شیر سا بچہ گود میں لے کر اٹھیں۔

واقعات گواہ ہیں کہ جناب عیسیٰؑ کی ولادت کے وقت آیا تو ندائے قدرت جناب مریم نے سنی بس اے مریم بیت المقدس میں قیام کا زمانہ ختم ہوا یہ عبادت کرنے کی جگہ ہے زچہ خانہ نہیں ہے نکلیں جناب مریم اور کھلے ہوئے صحرا میں آئیں اور روح اللہ کی ولادت در خت خرما کے سائے میں ہوئی مگر امیر المومنین سید الوصیین علی مرتضیٰ کی ماں کے واسطے اگر یہ کہو کہ وحی کے اشارہ ں نے ملا تو اتنا ضرور کہوں گا کہ پھر کعبہ نے بند ہو کے راستہ کیوں

نہیں روکا۔ ہاں ہاں یہی مناسب تھا کہ جناب مریم سلام اللہ علیہا ہٹائی جائیں اور یہاں یہی مناسب تھا کہ مادر علیؑ بلائی جائیں اگر ولادت عیسیٰ خدا کے گھر میں ہوتی تو نصرانیوں کو دلیل ملتی کہ خدا کے بیٹے نہ ہوتے تو خدا کے گھر میں پیدا کیوں ہوتے اور علیؑ کعبہ میں پیدا نہ ہوتے تو خانہ زاد خدا اور وارث خلیل اللہ ہونے کا شرف کیوں ملتا۔

بہر حال تین دن کے بعد بچہ کو آغوش محبت میں لئے آیت الٰہی کو سینہ سے لگائے نور نظر کو دامن میں چھپائے ہوئے مادر گرامی کعبہ سے نکلیں پھر کعبہ کی دیوار ہٹی یا باب کعبہ سحاب کی طرح آفتاب کے سامنے سے سرکا، یا دریا نے شق ہو کر کلیم خدا کو راستہ دیا۔ یا فلک کے دروازے معراج حبیب میں کشادہ ہوئے اور آغوش مادر میں مسکراتا ہوا بچہ شوق دیدار رسول میں آنکھیں بند کئے ہوئے قبلہ اسلام سے باہر آیا۔ ابر ہٹا کر چاند نکلا، یا گلاب کے پھول سے خوشبو نکلی، یا چاہ کنعان سے یوسف نکلے یا رات کی تاریکی میں نور سحر چمکا یا شاخ گل میں پھول کھلا، یا دل کعبہ کی آرزو نکلی، رسولؐ نے بڑھ کر گود پھیلائی اور خوشبوئے رسالت پہچان کے علی ہمک کے آغوش میں آئے اور بچہ نے صورت محمدؐ کی زیارت کرنے کو پہلے پہل آنکھ کھولی۔ جمال با کمال حبیب خدا دیکھا پہچان لیا تو مسکرائے غذائے روحانی کی طلب میں دہن کھلا، یا چمنِ امامت کا غنچہ نسیم نفس رسالت سے کھلا۔ رسول نے بھائی کا دل نہ توڑا۔ زبان مبارک دہن میں دی۔ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ دہن دو تھے، زبان ایک تھی متکلم دو تھے کلام ایک تھا لفظیں الگ تھیں مطلب ایک تھا، نبوت و امامت میں فرق تھا، مگر بات ایک ہی تھی لعاب دہن رسول میں حل ہو کے علوم نبی سینہ علی میں اترے اور دہن علی باب حکمت بنا۔

اب آپ سمجھے کہ علیؑ نے یہی تو فرمایا تھا کہ ھذا ما ذقنی ل اللہ ذقا

ذقا۔ یہ میرا علم وہ ہے جو رسول نے مجھ کو یوں بھرایا ہے جیسے جانور اپنے بچے کو بھراتا ہے ہے نا وہی تصور کہ منھ منھ سے ملا ہے زبان دہن کے اندر ہے اور علوم کے دریا امنڈ رہے ہیں کہیے تو یوں کہوں کہ آج ہی سے علیؑ کو رسولؐ نے زبان دے دی یا محمد مصطفیٰؐ نے لسان اللہ سے زبان مس کر دی اب کلام الٰہی جاری ہوگا۔ تو میری زبان پر اور ظاہر ہوگا تو علیؑ کے دہن سے جب کلید لسان رسالت سے قفل دہن علی کھل چکا اور کلیم الٰہی نے زبان سے زبان مس کر کے قوت گفتار میں اضافہ کیا تو پروردہ آغوش کعبہ نے آیات الٰہی کی تلاوت کی، ماں کی گود میں چپ تھے، رسول کی آغوش میں بول اٹھے، یعنی مکان بدلنے سے مکین بدلا چمن بدلنے سے خوشبو بدلی۔ منزل بدلنے سے اثر بدلا شاخ بدلنے سے ثمر بدلا۔ رحل بدلنے سے کتاب بدلی۔ ماں کی گود میں قرآن صامت تھے رسول کی آغوش میں قرآن ناطق ہوئے۔ کہنے کو جو چاہے کہہ دیجئے لیکن اگر خانہ زلیخا میں تین ماہ کے بچے نے عصمت یوسفؑ کی گواہی دی۔ قرآن کی آیت شاید ہے وشھد شاھد من اھلھا۔ اگر روح اللہ نے پیدا ہوتے ہی۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ کا دعویٰ کیا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب بھی دے دی اور نبی بھی بنا دیا اور یہ سب کمال قدرت الٰہی کی دلیلیں تھیں۔ تو مولود کعبہ کا آغوش خاتم النبیین میں انداز بدلنا طرز بدلنا، کمال بدلنا کلام کرنا کیونکر مانوں کہ عقل انسانی کے قبول کرنے کے قابل نہیں اور پھر یہ بھی تو مسلمان کا ایمان ہے کہ حبیب خدا کی فضیلت یہ تھی کہ جب آپ اپنے دست حق پرست میں پتھر لے لیتے تھے تو سنگریزے تسبیح خالق شروع کر دیتے تھے۔ پھر جس کے ہاتھ میں بے زبان بولیں بے حسوں میں حس آجائے جامد میں کلام پیدا ہو، نافہم بافہم ہو جائے تو جو لسان اللہ ہو وہ اگر آغوش نبی اُمّی میں قرآن پڑھے تو کون سا تعجب کا محل ہے، پھر یہ بھی تو

سنئے کہ تمام دنیائے اسلام علیؑ کے اسم مبارک کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کا اضافہ کیوں کرتی ہے۔ اس لئے کہ بچپن کی ابتدائی ساعتوں سے لیکر جوانی کی پر کیف گھڑیوں تک اور شباب کی امنگوں سے گزر کر پیری کی پختہ کاری تک اور وقت ولادت کے لمحوں سے عمر کی آخری منزل تک علی نے غیر خدا کو سجدہ کبھی نہ کیا اس خدا پرست مولود نے معبود برحق کے سوا کسی ایرے غیرے پر نگاہ نہ ڈالی پیشانی نہ جھکائی بندگی کے قابل نہ سمجھا بلکہ علامہ شبلنجی نے تو نور الابصار میں یہاں تک لکھ دیا کہ جب علی بطن مادر میں تھے اور ماں کسی غیر کے سامنے سجدہ کرنا چاہتی تھیں تو علیؑ بطن مادر میں یوں بے چین ہوتے تھے کہ ماں سجدہ نہ کر سکتی تھیں میں اس روایت کو نہیں مانتا مگر ثابت تو ہو گیا کہ مولود کعبہ کی بلند نگاہی نے بطن مادر ہی میں پہچانا کہ خالق کون ہے مالک کون ہے۔ سجدے کے لائق کون ہے۔ ٹھکرا دینے کے قابل کون ہے؟ محراب عبادت میں بلند ہونے کے لائق کون ہے۔ کعبہ سے نکالنے کے قابل کون ہے۔ انسان کے ہاتھوں میں صناعی کی قدرت دینے والا کون ہے۔ اور دوسروں کے ہاتھوں تراش خراش کا محتاج کون ہے۔ عین حق کون ہے چشمہ باطل کون ہے۔ دنیا کو روح وحیات دینے کی قدرت کس میں ہے۔ تہی دست روح وحیات کون ہے۔ ہر شے پر غالب کون ہے۔ ہر شے سے مغلوب کون ہے۔ حقیقی سمیع و بصیر کون ہے۔ اندھا گونگا بہرا کون ہے۔ لطیف کون ہے کثیف کون ہے خالق مادہ اور صورت کون ہے بے جان مٹی کی مورت کون ہے۔ پھر آپ ہی بتائیں کہ وقت ولادت ہی سے جس کا علم یہ ہو معرفت یہ ہو فہم یہ ہو وہ اگر آغوش رسالت میں آیات الٰہی کی تلاوت کر دے تو تعجب کیوں ہو، انکار کیوں ہو۔

کیا کہنا علیؑ کے فضائل کی بلندیوں کا، کمال انسانیت کی فضیلت ہوئے آل ابراہیم کا شرف ہوئے۔ ضیاء فضلیت قریش سے ملی تاج ساد - ہاشم سے ملا دادا کی

سرداری سے ممتاز ہوئے۔ باپ سے نصرت ملی۔ ماں میں ایمان کی منزل ملی۔ کعبہ زچہ خانہ بنا۔ آغوش رسالت میں تربیت پائی۔ گوہر ضیاء بار امامت معدن کعبہ سے آبرو لے کے نکلا تو رسول کی گود کی زینت بنا۔ تعلیم الٰہی سے چمک بندھی، لعاب دہن پیغمبر سے آب وتاب آئی، آخر دوش رسالت کی زینت بنا۔ لوح دل سادہ تھی کوئی نقش آیا نہ تھا کہ سیرت رسول نے جھلک ڈالی۔ اخلاق رسالت کی چھوٹ پڑی۔ نبوت کی تجلیاں آئینہ قلب علی میں اتریں اور تصویر اخلاق رسولؐ اپنے مکمل خدوخال کے ساتھ علی میں یوں نمایاں ہوئی کہ آخر رسول کو کہنا پڑا۔ **لحمك لحمی** ۔ تیرا گوشت میرا گوشت، **دمك دمی**، تیرا خون میرا خون، **سلمك سلمی**، تیری صلح میری صلح اور قرآن نے یوم مباہلہ آواز دی۔ **انفسنا و انفسکم** ۔ علی کا نفس رسول کا نفس۔ رسولؐ کی گود میں پلے، بڑھے، نقش قدم رسول پر قدم رکھ کے بچپنے ہی سے چلے پھرے، جوان ہوئے تو سب سے زائد پڑھے لکھے آغوش نبی سے آگے بڑھے تو کعبہ میں دوش رسول پر چڑھے۔ یوں کہوں کہ چمن امامت کا پھول آج پروان چڑھا۔

حقیقت یہ ہے کہ علم رسولؐ، اخلاق، رسولؐ، سیرت رسولؐ، جمال رسولؐ، کمال رسولؐ، عصمت رسولؐ، عدالت رسولؐ۔ غرض کہ ہر فضیلت رسولؐ علیؑ میں آ کے یوں چمکی جیسے کہ موسیٰؑ کے ہاتھ میں ید بیضا یا نہر کوثر میں آفتاب کی ضیاء، یا چاند کے دامن میں سورج کی چمک یا قائمہ عرش میں حبیب کا نور یا نور محمدیؐ میں کمال قدرت اور کمال قدرت میں جمال علم یا قرآنی الفاظ میں معانی کی چمک اور معانی کے دامن میں نشیب باری کی مہک، حق یہ ہے کہ وہ آئینہ کیا جو صورت کشی نہ کرے۔ وہ لوح کیا جو ارادۂ باری کا مظہر نہ ہو۔ وہ صفا طینیت علی کیا جس میں تصویر رسالت اتر نہ آئے۔

میں اس کے فضائل کی تفصیل کیا کروں جس کی ایک ایک صفت میں ہزاروں فضیلتیں ہر ہر عمل میں قرآنی کی آیتیں۔ یہ کہوں کہ سب سے پہلے اسلام کا اظہار کیا عمر بلوغ تک پہنچنے سے پہلے وحدت میں کامل ہوئے۔ رسالت کا کلمہ پڑھا۔ سب سے زائد عبادت کی، سرداری یوں کی کہ یعسوب الدین ہوئے، زاہد ہوئے تو امیر بنے۔ کم سنی ہی کے عالم سے رسول کی نصرت شروع کی امیر ہو کے غریبوں کے پاس بیٹھے، غنی ہو کے مزدوری کی علم اتنا تھا کہ جو علم اسلام میں پھیلا وہ علی سے پھیلا۔ ولایت کی منزلت میں قدم رکھا "انما ولیکم اللہ" نے شرف دیا دوش رسولؐ پر آنے کے بعد بھی غرور نہ کیا تکبر نہ کیا۔ یقیناً اصول اخلاق کی جڑیں چار ہیں پہلے حکمت دوسرے عفت تیسرے شجاعت۔ چوتھے عدالت۔ اس کی حکمت کا کیا کہنا جو تمام دنیا کی حقیقتوں کا عالم، اس کی عفت کا کیا کہنا جس نے کبھی ترک اولی بھی نہ کیا۔ اس کی شجاعت کا کیا کہنا جس نے کم سنی ہی میں قضمنا علی کا لقب پایا۔ سنئے جب رسول عربی گھر سے باہر نکلتے تھے تو قریش کے بچے آپ کو پتھر مارتے تھے گھر میں واپس تشریف لائے۔ تو علیؑ نے دریافت کیا میرے رسولؐ یہ آپ کے جسم پر زخم کیسے ہیں ارشاد فرمایا کہ عربوں نے اپنے بچوں کو سکھا دیا ہے کہ جب میں نکلتا ہوں تو پتھر مارتے ہیں۔ علیؑ نے عرض کی اب آپ اکیلے نہ نکلیں مجھ کو ساتھ لے لیں۔ جناب رسالت مابؐ جب گھر سے چلے تو علیؑ ستارہ سحری کی طرح سینہ سپر ہونے کو آفتاب رسالت سے آگے آگے پھر لڑکوں نے اپنی عادت کے مطابق حملہ کیا کسی کا سر پھاڑا کسی کو زمین پر پٹکا آخر تمام لڑکوں نے فرار کیا اور ماں باپ سے آکر فریاد کی قضمنا علی ہماری ہڈیاں علی نے توڑ دالیں۔ اب سمجھ میں آیا کہ نبی وعلی کا نور ایک تھا۔ وقت خلقت ایک تھا عمر روحانی گھڑیاں ایک تھیں تو زمانہ ولادت میں تفرقہ کیوں ہوا۔ رسولؐ کی ولادت باسعادت کے تقریباً تیس

برس کے بعد علیؑ کی ولادت کیوں ہوئی شاید اس لئے کہ علیؑ کا سن بھی رسول کے برابر ہوتا تو وقت بعثت رسول بچپن میں نہ ہوتا تو بچوں سے مقابلہ کرنے میں عرب کے جوان بگڑ جاتے کہ واہ آپ کو شرم نہیں آتی کہ بوڑھے ہو کر بچوں سے الجھ پڑے اور اب تو کہنے کا محل تھا کہ بچوں بچوں میں لڑائی ہوئی بوڑھوں کے بگڑنے کا محل نہیں ہاں یہ فرق ضرور تھا کہ وہ بہت تھے، یہ اکیلا تھا، وہ کثرت تھی یہاں وحدت تھی، ادھر مجمع تھا یہ تنہا تھا مگر بچپن ہی میں غالب کل غالب کی سند ملی اکیلے نے تمام بچوں کو بھگا کے چھوڑا۔ جب رسولؐ نے اظہار رسالت کیا تو بہ اختلاف روایات علیؑ کا سن نو برس یا گیارہ برس کا تھا مگر اللہ رے کمال فہم کہ جس طرح پہلے ہی نظر میں اللہ کو پہچانا یوں ہی بعثت کے دن ہی رسالت کا کلمہ پڑھا۔ تمام دنیا سے پہلے نبی کے ساتھ نماز پڑھی۔ دعوت ذوالعشیرہ میں جب تمام بنی ہاشم خاموش رہے تو اس کمسن بچہ ہی نے جرأت وہمت کا ثبوت دیا اور بھائی کی نصرت وحمایت کا وعدہ کیا خود فرماتے ہیں کہ میں کم سن تھا کم عمر تھا میری پنڈلیاں باریک تھیں میری آواز کمزور تھی مگر جب بوڑھے، بچے، بھرپور جوان خاموش رہے تو میں بولا، کوئی حق وباطل کو پہچان نہ سکا اس لئے خاموش، کوئی سرکشی پر اڑ گیا اس لئے خاموش، کوئی حسد سے جل گیا اس لئے خاموش، کوئی نور نبوت پہچان نہ سکا۔ اس لئے خاموش کوئی ہمت ہار گیا اس لئے خاموش، کسی نے اپنے بولنے کا محل نہ دیکھا اس لئے خاموش۔

رسول کا بار بار اعلان تھا کہ ہے تم میں کوئی، جو آج میری مدد کا وعدہ کرے اور کل وہی میرا وزیر ہو، بھائی ہو، وصی ہو، جانشین ہو، اس آواز پر سب خاموش مگر جرأت دکھائی تو بچے نے، لبیک کہی تو علیؑ نے، حق کو پہچانا تو علیؑ نے، یہ تھی حق شناسی یہ تھی معرفت کی انتہا یہ تھی جرا ایمانی کی بلندی؟ نہیں پہچا ... کہ حق کیا باطل کیا اصل

کیا ہے نقل کیا؟ محبت کے لائق کیا ہے نفرت کے لائق کیا۔ مگر علی ولی کا کیا کہنا کہ بچپنے ہی میں کمال دکھایا جرأت و جسارت کی حد کر دی۔

مصیبت پڑ کے بڑے بڑے بہادر دب جاتے ہیں۔ قدم جادہ استقلال سے ہٹ جاتے ہیں ثبات میں لغزش آجاتی ہے۔ مگر علیؑ نے محمدؐ ہی کی طرح ثابت قدم دکھایا۔ مصیبت کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر گئے اور پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

کیا قتل کی دھمکی ہمت شکن نہ تھی؟ کیا تین برس پہاڑ کی کھائی میں تمام بنی ہاشم کا بند رہنا جرأت ختم کر دینے کو کافی نہ تھا۔ کیا یہ اصطلاح جدید عربوں کا تین برس تک مکمل بائیکاٹ کرنا صبر آزمانہ تھا؟ تین برس کے اس عرصہ میں کبھی فاقہ کبھی پیاس کی تکلیفیں سہنا۔ کبھی سردی برداشت کرنا کبھی عرب کی گرمی سے مقابلہ کرنا بہادروں کی ہمت ختم کر دیتا ہے۔

یہ علیؑ ہی کا کام تھا کہ اتنے شدید مصائب جھیلے مگر ماتھے پر شکن نہ پڑی اور خوشی خوشی ہر مصیبت میں رسول کے سینہ سپر رہے ایسی فداکاری ایسی وفاداری ایسی جانثاری ایسی بہادری دنیا میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ عباس کی وفاداری بھی کم نہ تھی بلکہ مجھ کو تو وفائے عباسؑ منزل عمل میں، حالات کے تقاضا کے پیش نظر کچھ بڑھی ہوئی نظر آتی ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر آپ ہی بتائیں کہ باوفا کا لقب عباسؑ ہی سے کیوں مخصوص ہو گیا علیؑ کو سب شجاع کہتے ہیں، نفس رسول کہتے ہیں، اسد اللہ کہتے ہیں۔

لیکن عباسؑ کے القاب میں اگر کوئی لقب زبان زد عوام ہو سکا تو وہ لقب ''باوفا'' ہی تھا

ہاں عزادار ان حسینؑ! آج آپ حضرات سیدہ عالم کو ان کے فرزند کا پرسہ دیں۔ بھئی خدا کی قسم بھائی ہو تو ایسا ہو جیسے عباسؑ تھے اور وفا کرے تو ایسی کرے جیسی عباس نے کی، حسینؑ کو تو بھروسا تھا ہی، عباسؑ پر، مگر اہل حرم میں بھی جتنے تھے سب عباسؑ ہی کے دم کا سہارا ہوتا تھا، ایک ذات امید گاہ تھی سب کی، خدا جانے کس حد کی وفاداری تھی میرے آقا میں کہ جو تھا وہ عباسؑ ہی سے لو لگائے ہوئے تھا، جناب ام کلثوم کی زیست کا سہارا یہی ذات تھی، زینب کو انھیں پر بھروسا تھا، ام لیلیٰ انھیں کا سہارا ڈھونڈھتی تھیں، کون کون منظر پیش کروں آپ کے سامنے، کہئے تو یہ کہوں کہ عباسؑ خیمہ میں تلوار پر صیقل کر رہے ہیں اور جناب ام کلثوم گوشہ میں سر جھکائے رو رہی ہیں کہ ناگاہ جناب عباسؑ کی نظر پڑ گئی اٹھ کر قریب تشریف لائے، فرمایا بہن خدا آپ کو نہ رلائے یہ آپ کیوں روتی ہیں؟ فرمایا عباس تم جانتے ہو کہ کل یوم شہادت ہے ام فروہ اپنے فرزند، حسینؑ پر نثار کریں گے، لیلیٰ اپنے فرزند نثار کریں گے، میری بہن زینب اپنے فرزند کو بھائی پر تصدق کریں گے، مگر بھیا میں ایسی بدنصیب ہوں کہ کوئی فرزند نہیں رکھتی، اگر آج میں بھی صاحب اولاد ہوتی تو اپنے بچوں کو حسینؑ پر نثار کرتی، یہ سننا تھا کہ عباسؑ قدموں پر گر پڑے، بہن عباسؑ کو بھائی نہ سمجھیے غلام سمجھ کر آقا پر فدا کیجیے، اب آکر دوسرا منظر دیکھئے شب عاشور بچوں کی پیاس دیکھ کر جناب علی اکبرؑ بے چین ہیں گھوڑا در دولت پر حاضر ہے چاہتے ہیں کہ سوار ہو کر جائیں اور جس طرح بنے پانی لائیں، ام لیلیٰ بے چین ہو کر جناب عباسؑ کے پاس آئیں، فرماتی ہیں بھیا، میرا بچہ اکیلا دشمنوں میں جا رہا ہے عباسؑ میں علی اکبر کو تمھارے سپرد کرتی ہوں، اب تیسرا منظر ملاحظہ ہو، عباس رخصت آخر کو خیمہ میں تشریف لائے ہیں اور جناب زینب پوچھ رہی ہیں کہ کہاں کا قصد ہے؟ فرماتے ہیں کہ بہن اب ہم کو مرنے کی اجازت دیجئے

فرماتی ہیں عباسؑ اچھا مرنے جانا مگر مجھ کو اس وقت ایک بات یاد آ گئی ہے سنتے جاؤ، عرض کرتے بہن ارشاد کیجئے، فرمایا عباسؑ ایک دن میں بابا کے زانو پر بیٹھی تھی کہ عبا میرے دوش سے سرک گئی اور بازو کھل گیا بابا نے میرے بازوؤں کے بوسے لینا شروع کئے میں نے عرض کی بابا یہ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا وہ مقامات چومتا ہوں کبھی جہاں رسیاں باندھی جائیں گی میں نے عرض کی بابا اگر کسی کا ایک بھائی ہوتا ہے تو کوئی اس کو اذیت نہیں پہنچا سکتا اور خدا رکھے میرے تو اٹھارہ بھائی موجود ہیں کس کی مجال ہے کہ میرے بازوؤں میں رسی باندھ سکے مگر اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ میرے بازوؤں میں ضرور رسیاں باندھی جائیں گی کیوں کہ اٹھارہ بھائیوں میں حسینؑ کے علاوہ صرف تم رہ گئے ہو اور اب تم بھی مرنے جاتے ہو اب کون ہے جو زینب کی حمایت کرے گا؟

ہاں عزاداروں، اب خبر لو حسینؑ کے دل کی کہ وہی بھائی ہاتھ جوڑے عرض کر رہا ہے مولا مجھ کو مرنے کی اجازت دیجئے، حسینؑ فرماتے ہیں بھیا تم کو کیونکر اجازت دوں تم تو میرے لشکر کے علمبردار ہو عباس نے عرض کی وہ لشکر ہی اب نہ رہا تو پھر علم داری کس کی کروں کیوں شیعوں! سچ کہنا کیا حسینؑ نہ جانتے تھے کہ لشکر تو قتل ہو چکا ہے اب عباس علم داری کس کی کریں گے؟ مگر اجازت اس لئے نہ دیتے تھے کہ حسینؑ جانتے تھے کہ جب تک علم کا پھریرا ہوا میں لہرا رہا ہے اور بچوں کی نظر علم پڑ رہی ہے اس وقت تک ان کے دل کو ڈھارس ہے کہ ہمارا کوئی مددگار موجود ہے مگر جب عباس نہ ہونگے تو بچوں کی آس ٹوٹ جائے گی۔

بہر حال امام حسینؑ نے فرمایا کہ بھیا اگر مرنے کا قصد ہے تو بچوں کے لئے پانی کی کوئی تدبیر کرتے جاؤ۔ عباس صفوف لشکر کے قریب آئے اور فرمایا کہ اے قوم نابکار یہ نہر

رات موجیں مار رہی ہے اور سگ وخوک تک اس سے سیراب ہو رہے ہیں مگر حسین کے بچے خالی کوزے ہاتھوں میں لئے آواز العطش العطش بلند کر رہے ہیں تشنگی روز محشر سے ڈرو، گر تھوڑا سا پانی دے دو گے تو فرات گھٹ نہ جائے گا مگر اشقیا نے جواب دیا عباس اپنے بھائی سے کہہ دو کہ جب تک یزید کی بیعت نہ کریں گے ایک قطرہ پانی کا نہ ملے گا جناب عباس مایوس ہو کر لوٹ آئے تمام واقعہ امام حسینؑ سے بیان کیا بچوں کو جب یہ خبر معلوم ہوئی بے چین ہو گئے آواز گریہ وزاری بلند ہوئی عباس کو تاب نہ رہی ایک سوکھی مشک اٹھالی اور ات کی جانب روانہ ہوئے یہاں کماں داروں کا لشکر گھاٹ روکے ہوئے تھا پانچ سو کمانیں ایک ساتھ کرلیں ادھر عباس نے سپر کو چہرے کی آڑ بنایا نیزہ گوش فرس پر رکھا اور گھوڑے کو ایڑ دی گھوڑا اڑتا ہوا چلا اور دشمنوں کی لاشیں گرنے لگیں ابھی اتنی ہی آدمی قتل ہوئے تھے کہ سب کی باگیں مڑ گئیں اور فوج سے گھاٹ صاف ہو گیا عباسؑ نے گھوڑا نہر میں ڈال دیا پانی کی ٹھنڈک نے جلتے ہوئے دل سے کچھ کہا اور عباسؑ نے چلو میں پانی لیا مگر شیعو! سچ کہنا کہ کیا تمہارا دل قبول کرتا ہے کہ عباسؑ سے وفادار نے پانی پینے کا قصد کیا ؟نہیں ہرگز نہیں ہاں پانی پر ہاتھ ڈال کر دکھا دیا کہ روک نہ لیا ہم کو؟ دیکھو یوں نہر پر قبضہ کرتے اور پھینک اس لئے دیا کہ ہمارے بابا ساقی کوثر ہیں تو ہم کو پانی کی پرواہ کیا ہے؟ ہاں بات بڑھ گئی تھی تو چھین کر بھی دکھا دیا کہ یوں نہر پر قبضہ کر لیتے ہیں بھر لی مشک اور ت سے پیاسے ہی نکل آئے مگر اب بھاگا ہوا لشکر جمع ہو گیا اور چاروں طرف سے حملہ ہونے لگا مگر اللہ رے عباسؑ کی شجاعت کہ تین دن کے پیاسے بھی ہیں دوش پر مشک بھی اور پھر علم بھی سنبھالے ہیں اور دشمن سے جنگ بھی کر رہے ہیں مگر ہر شی کی ایک انتہا ہوتی آخر کہاں تک جنگ کریں پیاس کی شدت بھڑکنے لگی اور جسم کی طاقت گھٹنے لگی یکا یک۔

نوفل نے کمین گاہ سے نکل کر ایک ایسی تلوار ماری کہ داہنا ہاتھ قطع ہو گیا مگر عباسؑ نے تلوار بائیں ہاتھ میں لے لی اور جنگ شروع کی لو شیعو! بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تمہارے آقا نے مشک کا تسمہ دانتوں میں دبالیا اب گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ ہے کہ یہ پانی کسی طرح سکینہ تک پہنچ جائے کہ یکا یک تیر مشک پر پڑا پانی بہنا شروع ہوا اب دل کی طاقت اور بھی گھٹی اسی اثنا میں ایک گرز سر مبارک پر پڑا اب عباسؑ میں سنبھلنے کی طاقت نہ رہی آواز دی مولی غلام کی خبر لیجئے حسینؑ نے یہ سنتے ہی کمر پکڑلی اور فرمایا الان انکسر ظھری ہائے عباسؑ تمہارے مرنے سے میری کمر ٹوٹ گئی۔

اس کے بعد حسینؑ گھوڑے پر سوار ہوئے اور نہر کا رخ کیا ناگاہ حسینؑ کا فرس چلتے چلتے رک گیا حسینؑ فرماتے ہیں کہ میرے وفادار فرس میں جانتا ہوں کہ تو بھوکا بھی ہے اور پیاسا بھی ہے مگر اب یہ حسینؑ کی آخری خدمتیں ہیں پھر حسینؑ تجھ پر سوار ہونے کو باقی نہ رہے گا یہ سن کر گھوڑے نے گردن جھکا کر زمین کی طرف اشارہ کیا دیکھا عباس کے کٹے ہوئے ہاتھ پڑے ہیں جھک کر ہاتھ زمین سے اٹھائے اور سینہ سے لگائے فرمایا وائے ہو تجھ پر نہر فرات کہ میرے بھائی کی جان بھی گئی اور میرے بچے پیاسے بھی رہ گئے۔

بہر حال حسینؑ پہنچے عباسؑ کے قریب سر اٹھا کر زانو پر رکھا ارشاد فرمایا کہ لو بھائی آگیا اگر دل میں کوئی حسرت ہو تو بیان کرو عباسؑ نے عرض کی آقا دو وصیتیں ہیں پہلے یہ میں نے سنا ہے کہ جب میں پیدا ہوا تھا تو آنکھ کھول کر سب سے پہلے آپ کی زیارت کی تھی اب دل چاہتا ہے کہ آخری وقت بھی آپ ہی کی زیارت کروں فرمایا کہ بھائی پھر کیوں نہیں دیکھتے فرمایا کہ ایک آنکھ میں تیر پیوست ہے اور دوسری آنکھ میں سر کا خون جم گیا ہے اما حسینؑ نے اپنے دامن سے خون پاک کیا اور عباسؑ نے نگاہ حسرت سے بھائی کی طرف

دیکھا اسکے بعد فرمایا اور دوسرے یہ کہ سکینہ سے پانی کا وعدہ کر کے آیا تھا مجھے شرمندگی ہے کہ میری بچی پیاسی رہی اور پانی خیمہ تک نہ پہنچ سکا اب آپ میری لاش خیمہ میں نہ لے جایئے گا۔

اس موقع پر بعض ذاکرین بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جناب عباسؑ نے حضرت علی اکبرؑ کو قریب بلایا اور فرمایا کہ چچا کی جان رسم عرب یہ ہے کہ جب کسی کو زیادہ ذلیل کرنا ہوتا ہے تو اس کی لاش کو گھوڑوں سے پامال کر دیتے ہیں بیٹا مجھ کو یقین ہے کہ یہ اشقیا تمہارے باپ کے ساتھ یہ بے ادبی ضرور کریں گے لہذا جب میری روح جسم سے مفارقت کر جائے تو تم میری لاش عمر سعد کے پاس لے جانا اور کہنا کہ پسر سعد عباس نے وصیت کی ہے کہ اگر حسینؑ کی لاش پامال کرنے کا ارادہ ہو تو حسین کے عوض عباسؑ کی لاش پامال کر لو۔

(۱۳)

مجلس: مقام اہلبیتؑ

ثقۃ الاسلام علامہ الحاج محمد بشیر انصاری صاحب اعلی اللہ مقامہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورہ آل عمران)

خداوند کریم اپنے کلام بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ اے رسول کہہ دو لوگوں کو سمجھا دو کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت چاہتے ہو یا محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو تم میری اتباع کرو اگر تم ایسا کرو گے تو پروردگار عالم سے تمہاری محبت ثابت۔ اور جب یہ ثابت ہو گا تو خدا تم سے خود محبت کرے گا اور تم اس کے محبوب بن جاؤ گے جو بخشنے والا بھی ہے اور رحمت والا بھی۔ (صلواۃ)

آج میں کچھ بیعت کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اس کی فرمائش کی گئی ہے بیعت کیا ہے؟ ایک نام ہے جس چیز کا نام یہ مبایعہ کا نام ہے بیعت البیت اسم البایعہ یہ مبایعت کا نام ہے مبایعت کیا ہے؟ یہ بروزن مفاعلہ ہے جیسے مصافحہ معانقہ مقابلہ مقاتلہ مناظرہ اس کا جو معیار ہے جس کو باب کہتے ہیں وہ مفاعلہ ہے جب کوئی عربی کا لفظ اس وزن پر آجائے گا وہ فعل ایک سے زیادہ نہیں ہوگا کم سے کم دو ضرور ہونگے جیسے مصافحہ یہ بھی وزن مفاعلہ پر ہے مصافحہ ایک آدمی سے نہیں ہوگا یہ سب اس کے وزن پر ہونگے مناظرہ ایک سے نہیں ہوگا یہ پھر کم سے کم دو سے ہوتا ہے جو اس وزن پر آجائے عربی میں اس کو

باب مفاعلہ کہتے ہیں تو اس میں لفظ مبایعہ باب مفالعہ سے ہے تو مبایعہ ممکن نہیں جب تک دو نہ ہو اور اس مبایعہ کا نام بیعت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ

بے شک وہ لوگ جو تم سے بیعت کرتے ہیں اس میں ایک بیعت کرنے والا اور ایک بیعت لینے والا بیعت والے دونوں ہونگے۔ اس کا چونکہ مادہ ہے بیع یہ بیع سے نکلا ہے اصل اس کا بیع ہے پھر ابواب بنائے گئے یعنی جو اس کا مصدر ہے مادہ ہے جو بھی اس کے معنی ہیں وہ کسی باب میں لے جائیں لیکن جو اصل معنی ہیں وہ جدا نہ ہوں گے تو اب معنی کیا ہوئے بیایع کے جس کا نام بیعت ہے وہ نام بیعت کا دو آدمیوں کے درمیان۔ کچھ یہ اس کو دیتا ہے اور کچھ یہ اس کو دیتا ہے اور جب معاہدہ ہو جاتا ہے آپس میں یعنی بیع کا معاہدہ ہو جائے تو اس کی بیعت کہیں گے بیعت ہوگی یعنی وہ معاہدہ ہوگا یعنی جو دونوں نے لین دین کا معاہدہ کیا تھا وہ مکمل ہو گیا اور اس کی تکمیل کے بعد پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھنا یہ اظہار ہے اس باطنی معاہدے کا کہ پختہ ہوگا ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا مطلب ہے کہ اب وہ معاہدہ پختہ ہوگا اب کہیں گے بیعت ہوگئی اور مبایعہ جو ہوتا ہے دونوں کی طرف سے ہوتا ہے یعنی یہ بھی کچھ بیچتا ہے یعنی دے دیتا ہے اور معاہدے میں کچھ لے لیتا ہے یعنی بیعت لینے والا بھی کچھ دیتا ہے یہ اس کو کچھ دیتا ہے وہ اس کو کچھ دیتا ہے تو دونوں میں بیعت ہوگی اور ایک معاہدہ بیع کا ہوگا۔

یہ کیا دیتا ہے اس کو جس کی بیعت کرتا ہے کیا چیز دیتا ہے اور وہ خود اسکو کیا دیتا ہے اس کے بدلے میں جو کچھ بیعت کرنے والے نے دیا ہے اس کے بدلے میں بیعت لینے والا کیا دیتا ہے اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ جب کوئی بیعت کرتا ہے یعنی بیع تو وہ اپنی مملوک

کو جو اس کی چیزیں ملکیت میں ہیں یعنی اس کے قبضہ میں ہیں جن پر اُسے اختیارات حاصل ہیں۔ وہ اپنے اختیارات سلب کر کے جس کی بیعت کرتا ہے اُسکے حوالے کر دیتا ہے سلب اختیار ہو جاتا ہے۔

اگر اختیار باقی ہے تو اس نے دیا کیا؟ لہٰذا اب وہ کیا چیز دیتا ہے۔ قرآن مجید نے بتا دیا جان مال اولاد تینوں چیزوں کو دیتا ہے۔ اب جان پر اس کا تصرف مال و اولاد پر اس کا تصرف ہوگا اسے اسکی نسبت زیادہ اختیار حاصل ہوگا وہ اولی ہوگا ان کے نفوس پر بحیثیت تصرف جان و مال اولاد جب یہ دے گا بیعت کرنے والا تو کیوں دے رہا ہے بے عقل نہیں ہے یہ سودا نہایت سستا کر رہا ہے جان و مال دے رہا ہے جو فانی ہے اولاد دے رہا ہے جو فانی ہے یعنی فنا دے کر بقا لے رہا ہے۔ (صلوٰۃ)

تو معلوم ہوا کہ بیعت اتنا اہم سودا ہے کہ آپ اپنے اختیارات اگر دے دیں تو اسکو جس کی آپ نے بیعت کی ہے تو اس کے بدلے میں وہ آپ کو نجات دیتا ہے یعنی بقا یہ فنا دیکر بقا لیتا ہے کتنا سستہ سودا ہے جان و مال، اولاد آخر فانی ہے تو آپ نے فانی چیزیں دے دیں اختیارات ان کے حوالے کر دیئے جن کی بیعت کی۔ اور وہ آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ قیامت میں نجات ہو گئی۔ اب میں تمہیں نجات دوں گا۔

اس سودے کو خدا بیعت کہتا ہے جان و مال اولاد در حقیقت ملکیت خدا ہیں ہماری جان و مال اولاد کا مالک در حقیقت خدا ہے ہم مالک نہیں ہماری امانت میں جان و مال اولاد ہے اور اسی لئے تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اگر تم نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا تو خود کشی کی تو اتنا جرم ہے کہ جتنا دوسرے کو ہلاک کرنے کا تمہیں اتنا اختیار نہیں ہے کہ آپ کو ہلاک کر لو کیوں؟ کیونکہ ملکیت اللہ کی ہے تمہاری نہیں وہ باز پرس کرے گا کیونکہ مالک حقیقی خدا ہے

اور چونکہ وہ مالک حقیقی ہے تو اسے اختیار ہے محاسبہ کا۔ وہ آپ سے حساب لے گا درآمد بھی بتاؤ برآمد بھی بتاؤ۔ یہ آیا کہاں سے ایک ایک دانہ کا حساب دو۔ (صلواۃ)۔

معلوم ہوا کہ یہ مال بھی ہمارا نہیں اس کا حقیقی مالک خدا ہے رہ گئی اولاد اولاد آپ کے ہاتھوں میں خدا کی امانت ہے جب تک چاہے رکھے اس نے اصول بتا دیئے ہیں کہ اس طرح پرورش کرو۔ جب چاہوں گا لے لوں گا یہ آپ کی ملکیت نہیں ہے اس کا بھی مالک حقیقی خدا ہے اگر آپ ہوں تو آپ بیماری میں پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ دوائیں کیوں لاتے ہیں معلوم ہوا کہ اگر آپ کی ملکیت ہوتی تو آپ فکر مند نہ ہوتے۔

اولاد بھی اللہ کی ملکیت جان و مال اولاد سب کچھ اللہ کی ملکیت ہیں اور آپ کے پاس یہ سب چیزیں امانت ہیں آپ کو صرف سودا کرنا ہے یعنی مبایعہ جس کو بیعت کرنا کہتے ہیں چیزیں ہیں خدا کی آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ کی ملکیت کا سودا کسی سے کریں۔ آپ کو یہ حق حاصل نہیں آپ کون ہوتے ہیں ملکیت کا سودا کرنے والے آپ سودا کر رہے ہیں اللہ کی ملکیت کا تو آپ یہ سودا کسی کی ملکیت میں نہیں دے سکتے کیونکہ مالک خدا ہے۔ آپ اس کو بیشک دے سکتے ہیں کہ جس کو خدا کہے کہ اس کی بیعت میری بیعت ہے (صلواۃ)

اس کے سوا کسی کو نہیں دے سکتے نہ مشورہ کر کے کسی کو دے سکتے ہیں آپ کو حق نہیں کسی سے سودا کرنے کا بیعت کرنے کا یہ ایک معاہدہ ہے تو آپ کر ہی نہیں سکتے جب تک کہ اس کی بیعت کو خدا اپنی بیعت نہ قرار دے جب یہ معلوم ہو گیا تو ایک گزارش ہے کہ آپ جان و مال اولاد کے اختیارات دینے کے بعد اب آپ کا تصرف کا اتنا ہی حق حاصل ہو گیا کہ جتنا وہ اجازت دے۔ اگر آپ نے جان و مال کا سودا کر لیا اور اختیارات آپ سے سب کر لیئے تو اگر کہیں وہ آ سے کہہ دے کہ اپنی جان اسی جگہ دے دو اسی مسدان احد

میں اسی جنگ میں دے دوتو اب آپ جان بچانے کا حق نہیں رکھتے (صلواۃ)

کیونکہ آپ تو سودا کر چکے ہیں اس کے حوالے کر چکے ہیں تو اب آپ کو اس کے حکم پر جان بھی دینا ہے مال بھی دینا ہے اولاد بھی دینا ہے اور جب بھی جہاں بھی کہے کہ جان مال اولاد دے دوتو آپ کو عذر نہیں ہونا چاہیے یہ عذر کرے کہ سردی ہے یا میرا گھر اکیلا ہے وغیرہ وغیرہ کوئی عذر نہیں ہوسکتا اور اگر آپ پہنچ جائے میدان میں اور وہ کہہ دے کہ اب یہاں سے نہیں ہٹنا ہے اسی میدان میں مرجاؤ مگر قدم نہ ہٹے اور اگر وہ کہہ دے اور آپ نے اپنی جان کو بچایا اور سمجھے کہ یہ جان آپ کی ہے تو سودا ٹوٹ گیا وہ معاہدہ ختم ہو گیا۔ اور جب معاہدہ ختم ہو گیا تو آپ نجات کے حقدار نہیں رہے۔ آپ بقاء کے حق دار نہیں اسی کو خدا کہتا ہے کہ جو اس معاہدہ کو توڑ دے گا اس نے اپنا نقصان کیا ہے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا۔ (صلواۃ)

اس سے بھول چوک نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر یہ ممکن ہو یعنی سہو ونسیان بھول چوک تو یہ اس سے تو بھول ہوئی ہماری جان چلی گئی لہذا کوئی عاقل ایسے ہاتھوں پر ہاتھ نہ رکھے کہ جہاں امکان خطا ہو (صلواۃ)

اب اس کا ایک دوسرا رخ پیش کرتا ہوں کہ جب آپ بیعت کسی کی کرلینگے اس کی دو حیثیتیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کو آپ بغور سماعت فرمایئے۔

پہلی صورت تو یہ کہ بیعت کرنے والے نے بیعت کیوں کی ایک لفظ میں نے کسی دن اسی مجلس میں کہا تھا تشریح نہیں کی تھی مبایعہ کرنے والا کیوں بیعت کرتا ہے وہ اللہ نے یہ مبایعہ کا حکم کیوں دیا ہے بیعت کرنے والا صرف اس لئے بیعت کرتا ہے کہ اس کو یقین نجات ہو جائے صرف مقصد اس کا یہ ہے کہ میں نجا - جاہتا ہوں جو بھی نجا - کا طریقہ ہو وہ

میں کرلوں تو بیعت صرف اس لئے کرتا ہوں کہ یہ جان و مال اولاد فانی چیزوں دے کر مجھے نجات حاصل ہو جائے بچالے لوں۔ یہ فیصلہ تو ہو گیا کہ وہ بیعت کرے گا یعنی کسی کی بیعت وہ کرے گا جس کو اپنی نجات یقینی نہ ہو۔ اسی لئے کسی نبی نے امت کی بیعت نہیں کی کسی امام نے ماموم کی بیعت نہیں کی۔ کیونکہ ان کو نجات کا یقین تو منجانب اللہ ہے۔ وہ منجانب اللہ آئے تھے وہ واسطے ہیں ہمارے اور خدا کے درمیان تو اب مطلب صاف ہو گیا کہ بیعت کرے گا جسکو اپنی نجات کی تسلی نہ ہو۔ اور وہ جان و مال اولاد کے اختیارات اپنے سے سلب کر کے دوسرے کو دیدے گا تو اب حسینؑ کیوں بیعت کریں یزید کی؟

کیا حسینؑ کو اپنے نانا کی اس حدیث پر یقین نہیں تھا کہ **الحسن و الحسین سید الشباب اھل الجنۃ** حضورؐ فرما گئے کہ حسن و حسین یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں۔ دوسرا جملہ کبھی نہ چھوڑیئے گا اس کا آخری جزو وہ ایک راز ہے قدرت کا جو حضورؐ کے ذریعہ ظاہر کیا گیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں حسنؑ و حسینؑ تمام جوانان جنت کے سردار ہیں **وابوھا افضل منھما** اور ان دونوں کے باپ ان دونوں سے افضل ہیں یہ جزو متمم ہے اس حدیث کا۔ (صلوٰۃ)

اس کو آپ کبھی نظر انداز نہ کیجئے گا حسن ؑحسینؑ کل جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اور یہ متفقہ فیصلہ کل اہل اسلام کا ہے کہ جنت میں بوڑھا نہیں جا سکتا جنت کی زندگی کامل زندگی ہے جنت میں ہر شے مقام کمال پر ہوگا۔ وہاں نقص نہیں ہوگا۔ عیب نہیں ہوگا۔ کمال زندگی شباب ہے لہٰذا سب کے سب وہاں جوان ہوں گے۔ کوئی بوڑھا نہ ہوگا۔ دانت ٹوٹے ہوئے کمر جھکی ہوئی آنکھوں سے نظر نہیں آتا ایسے لوگ جنت میں آپ کو نظر نہیں آئیں گے وہ جنت ہے۔ اسپتال تو نہیں ہے کہ وہاں علاج کیا جائے۔ ایسا نہیں ہے۔ ہر

ایک شے کمال پر ہوگی کمال شباب پر ہر شے فائز ہوگی سب جوان ہوں گے۔ حضورؐ جانتے تھے کہ کل جوانان جنت کے سردار دو شہزادے۔ تو کوئی یہ نہ کہہ دے کہ علیؑ بھی تو جنت میں ہونگے تو کیا ان کے بھی سردار ہوں گے۔ تو فرمایا **ابو هما افضل منهما** ان دونوں کا باپ ان کا سردار ہے۔

تمام جوانان جنت کے سردار یہ دونوں شہزادے۔ اور ان دونوں کے سردار انکے باپ متکلم کلام سے خارج ہوتا ہی ہے۔ وہ تو تقسیم کر رہے ہیں جنت کی سرداریاں بانٹ رہے ہیں تو اب یہ ہوگا کہ تمام جوانان جنت کے سردار حسنؑ و حسینؑ اور ان دونوں کے والد محترم ان دونوں کے سردار اور سرکار دو جہاںؐ ان کے باپ کے سردار (صلواۃ)

اب رہ گئی بی بی خاتون قیامت تو تمام مسلمانوں نے بالاتفاق اس حدیث کو درج کیا ہے اور یہ حدیث اصح الکتاب میں ہے جس کو مسلمانوں نے سب سے زیادہ صحیح کتاب کہا ہے وہ صحیح بخاری ہے اس میں بھی ہے کہ فاطمہ سیدہ نساء الجنۃ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میری بیٹی جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہے کل عورتوں کی چاہے حوا ہوں چاہے بی بی مریم ہوں (صلواۃ)

بی بی فاطمہ تمام النساء جنت کی تمام بی بیوں کی سردار خاتون قیامت اور علیؑ اپنے دونوں شاہزادوں کے سردار اور حضور علیؑ کے سردار۔ پھر ان سب کا سردار خدا۔ (صلواۃ)

فیصلہ ہوگیا یہ تمام مسلمانوں نے تسلیم کرلیا۔ سب کو تسلیم کہ یہ فیصلہ حضورؐ نے کیا اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ خدا عالم ہے یا نہیں تو تمام مسلمان یہ بتائیں گے کہ خدا عالم ہے ظاہر و باطن ہر شے کا عالم ہے جو کچھ ہم نے کائنات میں کیا۔ وہ تمام اعمال سے واقف ہے اور جب عالم ہے تو حضورؐ کے زمانے والے ہوں یا ان سے پہلے آدم کے زمانے والے

ہوں یا کسی نبی کے زمانے والے ہوں۔ تا قیامت ان سب اعمال سے واقف ہے جب کہ خدا عالم ہے کسی کا عمل پوشیدہ نہیں جس نے جو عمل کیا ہے خدا جانتا ہے تو خدا عالم بھی ہے اور عادل بھی ہے انصاف کرے گا۔ غلط بدلہ نہ دے گا کیونکہ وہ عادل ہے جس کا جتنا عمل اس کو اتنی سزا اور جزا ملے گا۔

جب عادل بھی ہے اور عالم بھی ہے اور قیامت میں خدا کو تمام حاضرین محشر کے عمل کا علم بھی ہے اور عدل ہی کرے گا تو اس نے عدل کیا کیا اس نے حسنؑ و حسینؑ کو جنت کے مردوں کا سردار بنا دیا اگر کسی کا عمل ان کے ہم وزن ہوتا یا قریب تو کچھ تو سرداری ملتی (صلواۃ)

لہذا قدرت نے فیصلہ کر دیا کہ ان سے کوئی افضل نہ ایمان میں ہے نہ عمل میں کیونکہ ان کے مقابل کوئی نہیں آسکتا کیونکہ فضلیت اس دنیاوی فضلیت کو جو آپ دیکھتے ہیں یہ وہ فضیلت نہیں ہے کیونکہ فضیلت وہ ہے جس کا ثواب زیادہ ہو کر کیونکہ فضلیت تو عمل و ایمان ہے۔ وہ آخرت میں معلوم ہوگا خدا آخرت کے فیصلے کو اس دنیا میں ظاہر کر رہا ہے کہ سرداریاں انہیں کی ہوں گی تو جب یہ سب کے سردار تو یہ عمل و ایمان میں سب سے افضل تو اب آپ ان کے مقابلے کسی کا عمل نہ لائیں چاہے کوئی کتنی ہی فتوحات کرے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ ان کو سرداریاں مل گئیں ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اب کسی کا عمل نہیں ہو سکتا۔ (صلواۃ)

ایک بات یہ ظاہر ہوگئی کہ پروردگار جن کی بیعت کا حکم دیتا ہے وہ وہی ہستیاں ہیں جن کی بیعت کو خدا نے اپنی بیعت کہا ہے کہ اسکو صرف اپنے نفس پر اعتماد نہیں اپنے عمل پر یقین نہیں۔ اپنے اعمال کو جب دیکھتا ہے تو اسے نجات کا یقین نہیں ہوتا تو اللہ نے یقین

دہانی کیلئے یہ طریقہ بتا دیا کہ تم اپنے اختیارات ہمارے نمائندے کو دیدو اور جب تم دیدو گے تو ہم ضامن نجات ہیں یہ ہے طریقہ۔

تو اب یہ بزرگوار کہ جو تمام عالمین کے سردار ہے یہ صرف نجات پانے والے ہی نہیں بلکہ نجات پانے والوں کے سردار اہل جنت کے سردار تو اب یہ کسی کی بیعت نہیں کر سکتے بیعت تو وہ کرے جسے اپنی نجات کا یقین نہ ہو یہ نجات پانے والوں کے سردار ہیں۔

یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نجات کا لہٰذا ایک مسئلہ تو حل ہو گیا نجات کا۔

اب دوسرا مسئلہ ایک دقت نظر کے ساتھ اس پر بھی غور کر لیجئے۔قرآن مجید کی اصطلاح میں سلب اختیارات کو کیا کہتے ہیں جو اپنے اختیارات سلب کر دے دوسرے کے حوالے کر دے تو جس کے حوالے کرے اس کو اصطلاح شریعت میں کیا کہتے ہیں اور جس نے اختیارات دیئے ہیں وہ کیا کہلاتا ہے تو میں ایک آیت پڑھتا ہوں جس سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا (صلوٰۃ)

خداوند عالم قرآن مجید میں آپ کو حکم دیتا ہے:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ.

لوگ نکاح کرو کن کے ایامی کے معنی مرد بے زن اور زن بے مرد یعنی جس کی زوجہ نہ ہو ان مردوں کا نکاح کرو۔وہ ایم ہے جس زن کا شوہر نہ ہو وہ بھی ایم سے ان عورتوں کے جن کے شوہر نہوں نکاح کرو پہلا حکم ختم دوسرا حکم جو صلاحیت نکاح رکھتے ہیں ان کا بھی نکاح کرو من عباد کم جو تمہارے عبد ہیں ایک ہیں عباد اللہ، اللہ کے عبد اور ایک ہیں عباد کم جو تمہارے عبد ہیں تمہارے عبد کے کیا معنی جس کا تم نکاح کرو کیونکہ انہیں

حق نہیں رہا۔ کیونکہ انکے اختیارات اب تمہارے پاس ہیں تو معلوم ہوا کہ جب اختیارات کسی سے سلب ہو جائیں تو وہ عبد بن جاتا ہے۔ (صلواۃ)

چونکہ اختیارات سلب ہو چکے لہٰذا وہ تمہارے عبد ہیں تو جب ہم اپنے اختیارات اپنے سے سلب کر کے کسی کو دیدیں اور اپنی جان و مال اولاد پر تصرف کا حق سپرد کریں اور ہمیں اختیار نہ رہے تو ہم عبد ہو گئے اب ہماری جان و مال اولاد کا اختیار اس کو ہے جسکو ہم اختیارات دے چکے ہم اسکے عبد کہلائیں گے لغت کے لحاظ سے بھی اور اصطلاح شریعت کے لحاظ سے ہم عبد بن گئے اُردو میں غلام عربی میں عبد ہم اس کے عبد بن گئے۔ اب جو بھی بیعت کرنے والا ہوگا وہ عبد ہو جائے گا یہ قرآن و حدیث و عقل ثابت کر رہی ہے کتب فقہ پڑھ لیجئے اس میں بھی یہی ملے گا کہ وہ عبد کہلائے گا شریعت میں ہم تو اس کے عبد ہو گئے اس کو کیا کہیں گے جس کے اختیارات میں ہماری جان و مال اولاد ہو گئی وہ کیا کہلائے گا جس کی بیعت کر لی جس کو بیچ کر دیا اختیارات سونپ دیئے وہ کیا کہلائے گا میں اعلان کے ساتھ اس ممبر پر کہہ رہا ہوں کہ تمام فرق اسلامیہ نے یہ لفظ لکھے ہیں کہ عبد یعنی جو غلام بن گیا جسے اختیار نہ رہا وہ جس کا عبد ہوگا جسے اختیارات دے گا اس کو اصطلاح شرعی میں مولا کہتے ہیں۔ کل کتب ہائے فقہ پڑھ لیں کتاب العبد والمولیٰ ہر ایک فقہ کی کتاب میں ملے گا کتاب العبد والمولیٰ ایک عبد اور ایک اس کا مولا تو جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کر چکے ہم حضورؐ کے عبد بن گئے اور حضورؐ ہمارے مولا بن گئے یعنی حضورؐ کو حق حاصل ہے ہم پر کہ ہماری جان جہاں چاہیں خرچ کر دیں مال و اولاد کو جہاں چاہیں خرچ کریں جب انہیں اختیارات حاصل ہو چکے تو جب تک حضورؐ زندہ رہے ہمارے مولا، اور اب حضور چاہتے تھے اللہ کے دربار میں جانا تو آپ کو حکم کہ اپنے بعد انتظام کر جاؤ تو آپ نے لوگوں کو جمع کر کے وہ حق

مولا جو آپ کو حاصل تھا اس کو آپ نے غدیر خم میں کہہ دیا۔

کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ (صلواۃ)

جس کا میں مولا ہوں اب میرے بعد علی اس کا مولا ہے یعنی وہ اختیارات علی کو حاصل ہیں یعنی جو بھی حقوق و اختیارات مجھے حاصل تھے اب وہ علی کو حاصل ہیں۔ اگر میں کائنات کا مولا ہوں اگر میں فرشتوں کا مولا ہوں تو یہ فرشتوں اور کائنات کا مولا ہے اگر میں جان و مال اولاد ونفوس وغیرہ کا مولا ہوں۔ تو تمہارے جان و مال اولاد نفوس وغیرہ کا مولا ہے یعنی کل اختیارات اب علی کے حوالے ہیں مثل میرے۔

معلوم ہو گیا کہ جب اللہ یہ اختیارات علی کے حوالے کرا رہا ہے تو حضورؐ نے اعلان کیا اب علیؑ وہ ہستی ہے جو حضورؐ کے بعد تصرف کا حق رکھتے ہیں اور غلط استعمال نہ کریں گے ورنہ اپنے بعد کبھی علی کو مولا نہ بناتے اب جبکہ ہم عبد ہو جاتے ہیں بیعت کے بعد اور جس کی بیعت کریں وہ ہمارا مولا ہو جاتا ہے تو حضورؐ مولائے کائنات سرکار دو جہاں ہمارے مولا اب بشیر ایک نتیجہ جو اس تمام بیانات کے بعد نکلتا ہے اس کو پیش کرتا ہے۔

سنیئے عبد کو اُردو میں غلام کہتے ہیں مولا کو اردو میں آقا کہتے ہیں عربی میں مولا تو اب عبد کے دو استعمال ہوئے ایک عبد مولا کے لئے ایک عبد معبود کے لئے جو عبد معبود کا ہوگا وہ عبد العبادت ہوگا۔ جو عبد مولا کا ہوگا وہ عبد الطاعت ہوگا۔ (صلواۃ)

اطاعت میں مولا کا عبد اور عبادت میں معبود کا عبد تو اس کی دو حیثیتیں ہوں گی۔ پہلے یہ عبد بنے گا اطاعت میں اور جب عبد بن چکے گا اطاعت مولا میں اب اس کو اختیار ہوگا کہ اپنے کو عبد کہے معبود کا اگر بیعت لینے والے کی بیعت نہ کرے گا تو یہ خدا کا عبد نہیں بنے گا لہذا پہلے ہمیں عبد الاطاعت بننا ہے بغیر اس کے عبد العباد - بن گئے ہمیں عباد - کا پتہ

نہ ہوگا ہمیں معلوم نہ ہوگا کہ عبادت کس طرح کریں جب تک عبدالطاعت نہ ہوگا تو رسول کی بیعت سے معلوم ہوگا خدا تو نہیں بتائے گا کہ عبادت کس طرح کی جاتی ہے تو عبادت کا علم بھی اس وقت ہوگا کہ جب ہم عبدالاطاعت بن جائیں۔ تو پہلے غلام ہوں گے رسول کے پھر غلام بنیں گے خدا کے براہ راست کوئی بھی خدا کا غلام نہیں ہو سکتا جب تک رسول کا غلام نہ ہوگا روزے نماز کا طریقہ کون سکھائے گا؟ خدا؟؟ حج کے مناسک اور احکام کون بتائے گا خدا؟ نہیں نہیں بلکہ عبدالاطاعت بنکر رسول سے معلوم ہوگا پہلے عبادت سیکھو پھر عبادت کرو ہمیں پہلے عبدالاطاعت بننا ہے مولا کا عبد بننا ہے پھر اس کے بعد عبدالاالعبادت بننا ہے خدا کی عبادت کرکے۔

تو اب بشیر جو لفظ کہتا ہے کہ پہلے ہمیں رسول کا غلام بننا پڑھے گا پھر ہم اللہ کے غلام بن سکتے ہیں تو کوئی بھی شخص غلام اللہ بن نہیں سکتا جب تک غلام رسول نہ بن جائے۔ (صلواۃ)

جس کو بھی غلام اللہ بننے کا شوق ہو وہ پہلے غلام رسول بنے پہلے ہم غلام ہیں رسول کے پھر ہم اللہ کے غلام، غلام اللہ یعنی عبداللہ ہیں۔ حضورؐ کے بعد جب حضور تشریف لے جائیں تو پھر ماننا پڑھے گا کہ حضور کے بعد علی کا غلام بننا پڑے گا اور علیؑ مولا ہوں گے ایسے مولا بنے کہ علی کے نام کے ساتھ مولا کا لفظ زبان زد خلائق بن گیا۔ پھر ان کے بعد جس کو یہ بتائیں گے کہ ہمارے بعد اللہ کی طرف سے یہ مولا ہیں وہ مولا بنے گا پھر مولا حسنؑ آ گئے پھر مولا حسینؑ مولا زین العابدین اسی طرح یکے بعد دیگر مولا آتے جائیں گے۔

پہلے ہم عبدالاطاعت ہیں اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر ہم جب عبادت کریں تو عبدالاطاعت ہیں عبدالعبادت بعد میں عبدالاطاعت پہلے اسی لئے جناب

امیرالمومنین علیہ السلام کے دربار میں جب جاتے ہیں خدا آپ کو لے جائے اور وہاں جا کر دیکھیں اور پڑھیں میں نے بھی نو مرتبہ پڑھا اور دیکھا جب آپ داخل ہوتے ہیں دربار مولا علیؑ میں تو آپ کو دروازہ پر ایک چیز ملے گی کہ پہلے آپ کو دروازہ پر اذن مانگنا پڑتا ہے اندر جانے کے لئے تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ "اتاذن لی باللہ" یا اللہ تیری طرف سے اجازت ہے یہ تیرا بندہ ہے مجھے اجازت ہے پھر آپ کو کہنا پڑے گا کہ یا رسول اللہ اجازت ہے آپ کا دل بھر آئے گا جب یہ اجازت نامہ پڑھ لیں گے صحن سے اجازت لے کر دروازہ پر یہاں پر خدام ملیں گے جو آپ کے کفش برداری کریں گے جو آپ کے جوتوں کی حفاظت کریں گے جب آپ اندر داخل ہوں گے تو ایک رواق ہوگا یعنی دالان ہے چاروں طرف اس میں جب آپ داخل ہوں گے اس کے بعد پھر اندر کے روضہ یعنی قبہ جس کے اندر حضرت کی ضریح ہے وہاں پھر ایک دروازہ آئے گا تو اب ایک دروازہ تو وہ ہوگا کہ جہاں اجازت سے داخل ہو گئے اب سامنے جب آگے بڑھے تو قبہ کا دروازہ ہے ہر ایک کہتا ہے جو بھی جاتا ہے وہاں یہ لفظ لکھے ہیں سب یہ کہتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔

یا امیر المومنین انا عبدك و ابن عبدك ابن امتك

اے میرے مولا میں قرار کرتا ہوں کہ میں تیرا غلام ہوں اور تیرے غلام کا لڑکا ہوں میرا باپ بھی آپ کو مولا جانتا تھا اور میری ماں آپ کی کنیز ہے وہ بھی آپ کو مولا مانتی تھی تو میں آپ کی کنیز و غلام کا لڑکا ہوں میں بھی آپ کا غلام ہوں مجھے اجازت دیجئے کہ آ کر ضریح کو بوسہ دے لوں آپ کی ضریح کو ہاتھ لگا کر چوم لوں جب آپ یہ کہیں گے تو آپ اندر داخل ہوں گے اور وہ لفظ جو سلام کے لئے معین ہیں وہ آقا کے لئے سلام کے قابل بنیں گے اور اگر آپ عبد نہ بنتے اجازت نہ لیتے تو آپ عبداللہ نہ بنتے کسی اور کے بندے کہلاتے

خدا کے بندے تو جبھی بنیں گے جب اس کے حکم کے مطابق ان کے بندے بنیں گے جب آپ اندر جا کر داخل ہوں گے اور کہیں گے تیرا عبد ہوں میرا باپ مولا مانتا تھا میں غلام کا بیٹا ہوں اور میری ماں بھی مولا مانتی تھی میں اس کنیز کا لڑکا ہوں میں آپ کے دربار میں آیا ہوں آپ کو شفیع بناتا ہوں کہ آپ خدا سے میرے گناہ معاف کروا دیجئے میں مشکلات میں ہوں۔ میری مشکلات کو حل کرا دیجئے میں تصدیق کرتا ہوں کہ اللہ نے آپ کو میرا ولی بنایا تھا یہ سب وہاں کہنا پڑتا ہے۔

جب آپ ان کے عبد الاطاعت بن چکیں گے "انا عبدك وابن عبدك" کہہ لیں گے تو اب تلقین میں کہنے والا کہے گا "اللهم هذا عبدك وابن عبدك ابن امتك" تیرا عبد ہے یہ تیرے عبد کا بیٹا ہے تیری کنیز کا بیٹا ہے کیونکہ یہ تیرے حکم کے مطابق مولا کا عبد بن کر آیا ہے غرض عبد بن جایئے تو سودا ہوگا قیامت میں کوئی فکر نہ ہوگی کل بھی میں نے ایک غلام کا ذکر کیا تھا لیکن آج جو غلام کا ذکر ہے جو حبش کا رہنے والا تھا سیاہ رنگ تھا پسینہ میں بو آتی تھی وہ بار بار مولا کی خدمت میں آتا تھا مولا اجازت دیجئے مولا اجازت دیجئے مولا اذن دیجئے آپ سب کو بھیج رہے ہیں مولا آپ نے مجھے اب تک اجازت نہیں دی اس کے بعد ایک لفظ کہہ دیا کہ مولا میرا خون سیاہ آپ کا خون سفید میں مل نہ جائے مجھ میں بدبو ہے یعنی میرے پسینہ میں بو آتی ہے اس لئے آپ مجھے اجازت نہیں دیتے کہ آپ کے خون میں یہ خون نہ مل جائے آپ نے سینے سے لگا لیا اور اجازت دی یہ شہید ہوا گرتے وقت آواز دی یا مولا ادرکنی مولا میری خبر لو آپ دوڑے ہوئے گئے اور زمین پر بیٹھ گئے زانو پر سر رکھا اور سر رکھ کر کہا جون جون جون نے آنکھ کھولی آپ نے فرمایا جون آج جو تمہارے بدن سے خوشبوئیں آرہی ہیں اے جون یہ رومال اس کو ساتھ لے جانا آج تو

میری ماں بھی تمہارا انتظار کر رہی ہے میرا نانا بھی تمہارے انتظار میں میرا بابا میرا بھائی تمہارے انتظار میں ہیں۔ جون تمہیں مبارک ہو غلامی میں سب کچھ نصیب ہوگا۔

ایک اور کنیز جس نے انکی کنیزی میں عمر گزاری بوڑھی ہو گئی سر کے بال سفید ہو گئے مگر ساتھ نہیں چھوڑا حضورؐ کے زمانے سے لے کر جب بی بی فاطمہ کی وفات ہو گئی۔ تو بی بی کی صاحبزادیوں کی خدمت کرنے لگی بی بی زینب وکلثوم کی خدمت میں رہنے لگی۔

جب اہلبیت مدینہ چھوڑنے لگے تو کہنے لگی کہ میں نہ رہوں گی میری شہزادیاں چلی جائیں اور میں یہاں نہ رہوں گی میں بھی ساتھ جاؤں گی مجھے مدینہ میں رہنا پسند نہیں ہے میں تو ساتھ چلوں گی۔ ساتھ چلتی آئی کربلا میں رہی جس طرح یہ بھوکے پیاسے رہے وہ بھی بھوکی پیاسی رہی جس طرح ان بی بیوں کے ہاتھوں میں رسی بندھی اس طرح اس کے بھی ہاتھوں میں رسی باندھی گئی۔

میں نے یہ لفظ تاریخوں میں پڑھے اور بعض روایات میں ہے زینب کبھی کبھی یوں کہہ دیا کرتی تھیں اے امی جان۔ فضہ کو امی جان کہہ دیتی تھیں جس وقت یہ تمام قیدی دربار میں پیش ہوئے اس وقت حالت کیا تھی کہ سر دربار زین العابدین کھڑے تھے تخت یزید کے سامنے اور یہ بی بیاں ایک طرف حلقہ بنائے ہوئے چاروں طرف اور بی بیاں بیچ میں زینب اور آگے آگے اس حلقے کے فضہ اس طرح چاروں طرف سے پردہ کئے ہوئے روکے ہوئے۔

زین العابدین سے گفتگو شروع ہو گئی یزید نے ایک لفظ کہہ دیا میں وہ لفظ کہہ نہیں سکتا یزید نے ایک لفظ کہا زین العابدین سے زین العابدین نے جو جواب دیا وہ جواب

میں پیش کرسکتا ہوں۔ وہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔

زین العابدین نے جواب دیا اے یزید مظلوم ذلیل نہیں ہوتے ظالم ذلیل ہوتے ہیں یہ سن کر اس کو غصہ آیا کہنے لگا ہماری بات کا جواب دیتے ہو ہم بادشاہ ہمارا دربار ہم تخت پر بیٹھے ہیں ہماری بات کا جواب دیتے ہو یہ کہہ کر حکم دیا بلاؤ جلاد کو ہماری بات کا جواب دیتے ہو ہمارے قیدی ہو کر ابھی قتل کردو ہمارے سامنے ابھی قتل کردو جس وقت اس نے یہ لفظ کہے تو زین العابدین نے کہا اے یزید تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے قتل ہونا تو ہماری عادت ہے اور شہید ہونا ہماری کرامت ہے اگر بیشک تو ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنی بات میری مان لے تو اس نے کہا کیا بیشک تم مجھے بتاؤ کہ وہ کیا بات ہے تو آپ نے کہا کہ صرف اتنی بات ہے کہ کوئی ہاشمی خاندان کا مرد مجھے بلا دے میرے پاس بلا دے پھر قتل کردے۔ اس نے کہا کیا کروگے ہاشمی خاندان کا مرد تو آپ نے فرمایا یہ بی بیاں حوالے کردوں گا کہ نانا کے روضے پر پہنچا دو یہ حرم رسول ہیں مدینے پہنچا دو۔ جب یہ لفظ کہے آپ نے بی بی زینب سن رہی تھیں یہ گفتگو جناب زینب نے جب دیکھا کہ زین العابدین تو مرنے پر تیار ہو گئے وصیت بھی کردی اب تو قتل ہو جائیں گے۔ ایک مرتبہ بیبیوں کے حلقے کو توڑ کر بی بی زینب باہر آئیں اور زین العابدین سے لپٹ گئیں اور یزید سے کہا اگر تو اس کو قتل کرتا ہے تو ساتھ ساتھ مجھے بھی قتل کردے میں اس کے بعد زندہ رہنا نہیں چاہتی یہ میرے بھائی کی نشانی ہے اس کو دیکھ کر میں اپنے بھائی کو یاد کرتی ہوں۔

یزید نے پوچھا یہ بی بی کون ہے شمر نے بتایا یہی حسین کی بہن ہے اسی کا نام زینب ہے جب یہ کہا کہ یہی زینب ہے یزید کہتا ہے کہ کیا یہ زینب ہے اپنے بھائی کی اولاد سے اتنی محبت تو شمر نے کہا اے یزید تم کیا جانو تم کو کیا معلوم ہے محبت تو اسکی ہم نے دیکھی ہے

یہ بھائی کی لاش سے لپٹ کر روتی رہی اور اپنے دونوں بیٹوں سے رخصت ہو کر نہیں روئی جب ہم قید کر کے لائے ہیں تو بیٹوں کی لاش پر نہیں گئی بھائی کی لاش سے لپٹ کر روتی رہی جب یہ سنا تو جلاد سے کہا کہ اس بی بی کو ہٹادو اور زین العابدین کو قتل کردو جس وقت یہ لفظ کہے کہ اس بی بی کو ہٹادو زین العابدین سے الگ کردو تو کنیز فضہ ایک مرتبہ اٹھی سفید سر کے بال کمر جھکی ہوئی اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا یزید کسی کی مجال ہے کہ میری زندگی میں میری شہزادی کو کوئی ہاتھ لگائے کس کی مجال ہے۔

وہ پوچھتا ہے یہ کون ہے شمر نے بتایا یہ فضہ ہے یہ ان کی ماں کی کنیز ہے انکے ساتھ آئی ہے یہ وہ فضہ ہے یزید نے کہا اچھا وہ فضہ ہے پہلے اس کو قتل کردو جب قتل کے لئے حکم ہوا تو فضہ نے نظر ڈالی دربار میں اس کے قبیلے کے حبشی سردار فوج کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اس نے دیکھا اپنے قبیلے والوں کو حبشیوں کو اور کہا اے میرے قبیلے والوں حبش کے رہنے والوں تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے خاندان کی ایک عورت تمہارے سامنے سر دربار قتل ہو جائے تمہیں شرم نہیں آتی انہوں نے کہا کون ہو کہا کہ فضہ شاہ حبشی کی بیٹی ہے انہو ں نے کہا کہ تم تو ہماری شہزادی ہو کھڑے ہو گئے اپنی تلواریں باہر نکالیں سات سو تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں اور کہا اے یزید خبردار کوئی ہاتھ نہ لگائے فضہ کو یہ ہماری شہزادی ہے ہمارے قبیلے کی ہے ہمارے ملک کی ہے کوئی بھی ہاتھ نہ لگائے دربار میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی ہم یہ ذلت ہرگز نہیں برداشت کرسکتے۔ یزید نے روکا اور فضہ پہنچ گئی اس وقت بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے اپنا منہ مدینے کی طرف کیا کہا نانا ہمارے قبیلے کا کوئی نہیں ہے ہائے نانا ہمارے مدینے کا کوئی نہیں جو ہماری مدد کرے۔

(۱۴)

مجلس: اسلام

خطیب اکبر مولانا مرزا محمد اطہر لکھنوی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا و نبینا و حبیبنا مولانا ابی القاسم محمد و علی اھلبیتہ الطیبین الطاھرین اما بعد فقد قال اللہ فی کتابہ المجید وقولہ الحق:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ○

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے کہ یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے سلسلہ کلام ذہن عالی میں ہوگا۔ ہمارے آپ کے درمیان تاریخ اسلام پہ گفتگو ہے سنہ ۱۱ ہجری سے سنہ ۶۱ ہجری تک۔ کل کی مجلس میں، میں نے آپ کے سامنے مولا علیؑ کے دور حکومت کا تذکرہ کیا تھا مگر بات نا تمام رہی تھی۔ جس کو آج تمام کرنا ہے۔ ہم ابھی صفین کی لڑائی میں تھے کہ وقت تمام ہو گیا، اور بات آگے نہیں بڑھ پائی تھی میں اپنی بات کو آج ان شاء اللہ آگے بڑھاؤں گا۔ مولا علیؑ نے جس سے مقابلہ کیا اور عالم اسلام نے اس معاملے میں جس طرح ناانصافی کا ثبوت دیا۔ وہ تاریخ سے پوشیدہ نہیں ہے علیؑ کون تھے علیؑ کیا تھے، کیا دنیا اس کو بھول گئی یا بھول سکتی ہے؟ اگر ہم یہ مان لیں کہ نو مسلم شام والے علیؑ کے مرتبے

سے ناواقف تھے تو پرانے لوگوں کو بعد میں کیا ہو گیا، جو فلسفہ نہ سمجھ سکے؟ یعنی اگر اس وقت دولت کی تمنا تھی حکومت کی لالچ تھی، اقتدار کی آرزو تھی، مال و زر کی خواہش تھی، کسی نے اپنے ایمان کو بیچا، کسی نے اپنی جان کو بچایا، اس لئے کہ لوگ اہلبیت کا ساتھ نہ دیں۔ حالانکہ یہ کوئی عذر نہیں ہے اس لئے یہ بات میں آپ کے سامنے عرض کردوں، حق کے معاملے میں کربلا کے بعد اب کسی کو یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ہماری جان خطرے میں تھی اس لئے ہم چپ رہ گئے، یا ہمارا مال خطرے میں تھا اس لئے ہم چپ رہ گئے۔ عزیزان گرامی، تلاش حق بہت بڑی منزل ہے، سچائی ڈھونڈو، حقیقت تلاش کرو، دین حق کو تلاش کرو، صراط مستقیم کو تلاش کرو، حق کو حق کہو باطل کو باطل کہو، سچ کو سچ کہو جھوٹ کو جھوٹ کہو، ظالم کو ظالم کہو، عادل کو عادل کہو، اور اس سے نہ ڈرو کہ سامنے والے کی طاقت کتنی زیادہ ہے اس سے نہ گھبراؤ کہ سامنے والے کے پاس کتنی دولت ہے، حکومت ہے اقتدار ہے کہ تاج ہے کہ تخت ہے، کیا کربلا کا واقعہ دل کو اطمینان دلانے کے لئے کافی نہیں ہے؟ حسینؑ نے یہی تو دنیا کو سبق دیا ہے کہ کبھی لڑائی میں یہ نہ سوچنا کہ اس لئے ہار جاؤ گے کہ تمہارے پاس طاقت کم ہے اور سامنے والا اس لئے جیت جائے گا کہ اس کے پاس طاقت زیادہ ہے، ہار جیت کبھی طاقت پر نہیں ہوتی ہمیشہ حق و باطل پر ہوتی ہے جو حق پر ہوتا ہے وہ جیتتا ہے جو باطل پر ہوتا ہے وہ ہارا ہے۔ یزید لاکھوں کا لشکر لے کر بھی ہار گیا، حسینؑ بہتر کا لشکر لا کے بھی جیت گئے تو میرے دوستوں قابل غور منزل ہے یہ کہ اب اگر کوئی کہتا ہے کہ ہماری جان خطرے میں ہے اس لئے ہم چپ ہیں ہمارا مال خطرے میں ہے اس لئے چپ ہیں، ہماری اولاد خطرے میں ہے اس لئے ہم چپ ہیں تو وہ ایک ایسی بات کہہ رہا ہے جس کو کہتے ہوئے اس کو شرم آنا چاہیے لیکن خیر انسانی کمزوریاں ہوتی ہیں، اور ہر آدمی ان کمزوریوں پر قابو نہیں

پاسکتا، الہٰذا جس کو جائیداد کی تمنا تھی، جس کو صلہ کی امید تھی، جس کو مال کی آرزو تھی، جس کو اپنی اولاد کی ترقی چاہیے تھی، جس کو اپنی زندگی پیاری تھی اس نے حق کا ساتھ نہیں دیا لیکن جب تک باطل کے پاس تلوار رہی یہ بات اسی وقت تو تھی، اب تو آزادی کا زمانہ ہے، اب تو کوئی دولت دینے والا نہیں ہے، اب تو کہیں ملک "رے" ملنے کی امید نہیں اب تو کسی عمر سعد کا لشکر نہیں آرہا ہے اب تو کہیں کا گورنر ابن زیاد نہیں ہے، اب تو حق کو حق فرمایئے! اب تو جس راستے پر جس کا جی چاہے چلے کوئی پابندی نہیں ہے، مگر خدا کو جواب دینے کے واسطے اپنے کو تیار کرلے، بس اتنی سی بات ورنہ "لا اکراہ فی الدین" دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں، زبردستی نہیں ہے کہ آپ کسی مجلس میں آیئے دروازے کھلے ہیں، زبردستی نہیں ہے کہ آپ یہیں آیئے جس کا جب جی چاہے اٹھ کے چلا جائے، نہ بلانے میں زیادتی ہے نہ آنے کے بعد جانے پر پابندی ہے سڑک کے دوسرے راستے کھلے ہیں، مگر یہ بات طے شدہ ہے کہ عقل کے چراغ سے منزل تو تلاش کرلو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے کاش دنیا یہ سوچے، کہ وہ علیؑ کون تھے جن سے دنیا مقابلہ کررہی تھی، میں آج ایک عجیب بات پڑھ کے جاؤں گا۔ ان شاء اللہ یاد رہے گی، بچوں کو، علیؑ سے شام کا لشکر ٹکرا رہا ہے۔ علیؑ کون تھے؟ یہ علیؑ رسولؐ کے سگے چچازاد بھائی تھے، یہ علی رسول کے داماد تھے، ان علیؑ نے دعوت ذوالعشیرہ میں نصرت کا وعدہ کیا تھا، یہ علیؑ ہجرت کی شب جان بیچ کے سوئے تھے، ان علیؑ کو رسولؐ نے مثل اولاد کے پالا تھا، یہ فاتح بدر، حنین، وخیبر، وخندق تھے یہ علیؑ صاحب فضائل تھے، ان کی شان میں قرآن میں آیتیں آئی ہیں، ان کی مدح میں حدیثیں آئی ہیں، ان کا شمار صحابہ کبار میں بھی ہے، ان کا شمار اہلبیت اطہار میں بھی ہے ان کا شمار اولیاء اللہ میں بھی ہے، ایسے علیؑ کے مقابلے میں جو کسی دوسرے کو مان رہا ہو، ہم اس کی عقل ودانش پر بھروسہ کیسے

گریں؟ آج جو مسلمان کہتے ہیں کہ اہلبیتؑ ہی کو تم لوگ کیوں مانتے ہو، اسلام میں اور بھی تو لوگ تھے تو صدر اول تو میں نے دیکھ لیا کہ جن میں اتنی تمیز نہ تھی، کہ علیؑ اور غیر علیؑ میں پرکھ کر سکیں؟ حدیث کا کیا بتائیں گے قرآن کیا بتائیں گے، آج تو یہی علیؑ سے لڑیں گے اور کل کو راوی بن کے مفسرین بن کے محدث بن کے کتابوں میں چھپ جائیں گے۔ سینکڑوں برس بعد نام نکلیں گے تو کہا جائے گا کہ یہ رسولؐ کے پچیس برس کے بعد کے زمانے میں تھے تیس برس بعد کے زمانے میں تھے، جلدی سے جھک جاؤ ان کے مصافحے کے لئے ہم۔ ہم کیا کریں گے ہمیں اس سوسائٹی میں جب ایسے لوگ ملتے ہیں تو جب تک ہم پرکھ نہ لیں اچھی طرح، کیسے ہر پتھر کو ہیرا سمجھ کر سر پر رکھ لیں گے۔ سنئے ہم حق علیؑ پڑھتے ہیں اور حق علیؑ حق اہلبیتؑ پڑھنے میں کسی کو اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے، کسی کو اعتراض ہوگا؟ ایک طبقہ وہ ہے جو خالی فیشن میں یہ لکھا کرتا ہے۔ اخباروں میں اور تقریروں میں کہا کرتا ہے کہ مقررین، اتحاد بین المسلمین کا خیال نہیں رکھتے۔ ہم سے بڑھ کر کون اتحاد کا خیال رکھے گا۔ ایک حرف بھی ہم ایسا نہیں کہتے منبر سے کہ جس سے کسی کے دل کو تکلیف پہنچے، ایک لفظ ایسا نہیں کہتے کہ کسی کو ٹھیس لگے۔ کوئی غیر اخلاقی لفظ ہم کبھی منبر سے استعمال نہیں کرتے، اس لئے کہ ہمارے منبر کے لئے اس لفظ کا استعمال یہاں پر جائز ہی نہیں، تہذیب منبر یہ ہے کہ اعلیٰ معیار سے گرے ہوئے لفظ ہم منبر پہ نہیں استعمال کرتے، اور یہ بھی آپ کو سنا دوں کہ مسلمانوں کے جو دو فرقے ہیں ان میں کوئی جھگڑا بھی نہیں ہے، ہے نظریات میں اختلاف، ایسا نہیں ہے کہ اختلاف نہ ہو، مگر جھگڑا بھی نہیں ہے، کیونکہ دونوں علیؑ کو مانتے ہیں۔ ایک امام مانتا ہے اور ایک خلیفہ مانتا ہے یعنی دونوں کے یہاں نام علیؑ (کامن) ہے یعنی دونوں فرقے علیؑ کو مانتے ہیں اس لئے ان میں کوئی جھگڑا نہیں ہے ان میں احترام علیؑ ہے، جھگڑا وہ

کرتے ہیں جو ان کو مانتے ہیں جو علیؑ سے لڑتے تھے، وہ نہ امام مانتے ہیں، نہ خلیفہ۔ آپ غور کیجئے خلفاء کی توہین اس مسلک میں قابل برداشت نہیں، ائمہ کی شان کے خلاف کہنا اس مسلک میں قابل برداشت نہیں، تو جب دونوں علیؑ کا احترام کرتے ہیں تو پہلے ان کا نام تو لے لیجئے جو علیؑ سے لڑتے تھے، اور جنہوں نے صفین میں مقابلہ کیا ان کی پوزیشن علیؑ کے سامنے کیا تھی؟ یہ مجھ سے نہ پوچھئے اس لئے کہ اگر میں کہوں گا تو جھگڑا ہوگا۔ میں نے ایک دن اور نہج البلاغہ کا حوالہ دیا تھا، علیؑ کی زبانی سنئے کہ علیؑ کیا تھے؟ اور ان سے مقابلہ کرنے والے کیا تھے۔ نہج البلاغہ میں کہتے ہیں علیؑ، ہمارا تمہارا کیا مقابلہ، نبیؐ ہم میں سے تھا اور جھٹلانے والے تم میں سے تھا، خدا کا شیر ہم میں تھا جھوٹے معاہدوں کا شیر تم میں تھا، جنت کی عورتوں کی سردار بی بی ہم میں تھی اور جس کو قرآن نے لکڑیاں ڈھونے والی کہا، وہ تم میں تھی "منا سید شباب اھل الجنۃ" سردار جوانانِ جنت بچے ہم میں تھے جہنمی لڑکے تم میں تھے، یہ ہیں علیؑ کہ باسٹھ سال کی عمر میں لیلۃ الحریر میں ساری رات تلوار چلاتے ہیں اور اس کے بعد جب فتح سوا نیزے پر رہ جاتی ہے اور دشمن قرآن بلند کر لیتا ہے نیزوں پر اور لوگ آن کے گھیر لیتے ہیں کہ یا علیؑ، بیچ میں قرآن آ گئے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ قرآن نہیں دھوکا ہے مگر لوگ نہیں مانے، کہا اچھا تلوار روک لو، تو تلوار روک لی گئی، لڑائی بغیر کسی نتیجے کے ختم ہو گئی، میں کبھی اطمینان سے پڑھوں تو پورا عشرہ جنگ صفین پر پڑھوں۔ لیکن مجھے تو بہت کچھ کہنا ہے اور وقت بہت مختصر، اب اس کے بعد تیسری مرتبہ علیؑ کو کچھ لوگ پھر میدان میں للکارتے ہیں، جو دیکھنے میں بڑے مقدس ہیں، ہم نے اس پچاس برس کی تاریخ میں جس کو سلیکٹ کیا، اسٹیڈی کے لئے سارے منظر دیکھ لئے، اب ہمیں کوئی منظر دھوکہ نہیں دیتا، منہ پر داڑھیاں ماتھے رگھٹے، گلے میں قرآن، مسجد میں ڈیرا، بات بات پر قرآن کی آیتیں،

بات بات پر رسولؐ کے حوالے، بات بات پر شکر کے سجدے، بڑے عابد بڑے زاہد، بڑے مقدس بڑے نمازی، بڑے پیارے چہرے والے اور اب جو شیطان کے بہکائے میں آئے تو کہنے لگے کہ علیؑ دین سے خارج ہو گئے ہیں۔

معاذ اللہ اور اس کے بعد بھی یہی مقدسین عصر کا گروہ تلوار لے کر علیؑ کے سامنے میدان میں آیا، اسی دن سے ہم ہوشیار ہو گئے، ہر مقدس صورت کے سامنے جھکتے نہیں، پہلے اہلبیتؑ کا ذکر کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ اہلبیتؑ والا ہے کہ نہیں؟ ارے بھئی لوگ کہتے ہیں کہ صاحب اس تقریر سے تو فلاں شے کی توہین ہو گئی ہے توہین وہ ہین کسی کی نہیں ہوتی ہے، مقرر کو مرعوب کرنے کا طریقہ ہے، سنئے تو سہی وہ کیا تھے، بڑی بڑی داڑھیاں، گھٹے، چہرے خوبصورت، قرآن، نمازیں، روزے، حدیثیں، ذکر خدا، مگر آپ جانتے ہیں کیا چیز نہیں تھی، اس چیز کی کمی تھی، جس کے لئے خدا نے رسولؐ سے کہا کہ یہ نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا وہ چیز کم تھی، یہ سب بیکار ہو گیا، چار ہزار آدمیوں کا لشکر، سنئے گا، مقام نہروان، کے اوپر علیؑ سے مقابلے کے لئے آیا، مولا علیؑ خود جا کے ان کو نصیحت کر رہے ہیں، اور ان کے سامنے وعظ کر کے حقائق واضح کر رہے ہیں، ارے ہمارا کلیجہ پھٹ جاتا اگر تاریخ ہمارے سامنے نہ ہوتی کہ بتیس برس سے ہم سمجھا رہے ہیں سمجھ میں نہیں آیا، اب تسلی تو ہو گئی کہ ارے خاک کے ذرے تو کیا ہے، آفتاب بھی چمکتا ہے تو اندھے کی آنکھ میں روشنی نہیں آتی علیؑ سمجھا رہے ہیں، بس اس سے بڑھ کے اور کیا بات ہو گی۔ مولا علیؑ بنفس نفیس آئے ہیں سمجھانے۔ اب آپ بتائیے کہ علم، حکمت، فصاحت، کلام، زبان، بیان، ہر چیز سرحد اعجاز پر ہے نا؟ اور ان کی سمجھ میں نہ آنا تھا نہ آیا؟ ایک دفعہ مولا علیؑ نے حکم دیا جب کسی طرح نہ مانے تو اچھا اب ان کے خلاف تلوار اٹھاؤ، لشکر کو آرڈر ہوا حملہ، علیؑ کے ساتھیوں نے تلواریں کھینچیں، اور

تلواریں کھینچ کے رکے۔ کہا کیا ہوا؟ کہا۔ مولا وہ تو قرآن پڑھ رہے ہیں وہ لوگ تو قرآن پڑھ رہے ہیں۔ دیکھا آپ نے؟ ارے کیا کیا دھوکے ہیں خدا کی قسم، یہ مجرم کہاں کہاں چھپتا ہے، کبھی قرآن میں چھپتا ہے کبھی نماز میں چھپتا ہے، کبھی داڑھی کی آڑ لیتا ہے، مگر صدقے جایئے اہلبیتؑ کے ہر جگہ ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ سنئے کہا: مولاؑ وہ تو قرآن پڑھ رہے ہیں، عجب جملہ کہہ دیا میرے مولاؑ نے تاریخی کہا: قرآن ان کے حلق میں پھنسا ہوا ہے نیچے نہیں اترا، یہ بلیغ جملہ صبح قیامت تک کیلئے ہدایت ہے کہ جب تک قرآن حلق میں پھنسا رہتا ہے، بغیر اہلبیتؑ کے آدمی سوکھا سوکھا قرآن پڑھتا ہے، جب تر جاتا ہے تو محبت اہلبیتؑ بن جاتا ہے اور اس کے بعد فرمایا: میرے بھائی، مرسل اعظم، مخبر صادق، سرور کائناتؐ مجھے آج کے دن کی خبر دے گئے ہیں، مجھ سے بتا گئے ہیں۔ اچھا سنئے لڑائی شروع ہوتی ہے اور اس لڑائی میں دشمن کا لشکر چالیس ہزار ہے، اس لڑائی میں پورے چار ہزار آدمی مارے جائیں گے، اچھا چلاؤ تلوار جب لڑائی ختم ہو گئی کے میرے قول کی صداقت کا اندازہ کرنا، اشعث ابن قیس، جو اپنے کو بہت بہادر سمجھنے لگا تھا اردو میں ایک مثل ہے کہ جب موت آتی ہے تو چیونٹی کے پر نکلتے ہیں، کچھ کمزوروں سے لڑ بھڑ کے اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا تھا پہلے جو میدان میں نکلا تو کہنے لگا، میں تو علیؑ کو قتل کروں گا، تلوار کھڑا چمکا رہا ہے، اور کہہ رہا ہے میرے سامنے کوئی نہ آئے یہ تلوار تو علیؑ کا خون پئے گی، جب اس کی گستاخی حد سے بڑھی تو صاحب ذوالفقار نے جا کے اس کا انجام ایک وار ذوالفقار میں واصل جہنم کی اور اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد جو لڑائی ختم ہوئی اور کشتے گنے گئے تو تین ہزار نو سو کانوے آدمی دشمن کے مرے پڑے تھے، اور مولا علیؑ کے لشکر کے صرف نو آدمی کام آئے، ذرا انتقام قدرت دیکھئے کہ انہیں خدا نے دین سے خارج قرار دے دیا تھا اور ان کا

نام ہی خوارج پڑ گیا تاریخ میں۔

عزیزان گرامی! مولا علیؑ نے جس شان و شوکت سے اپنے چار سال نو ماہ کے دور حکومت کو چلایا ہے، اس میں آپ یہ سمجھ لیجئے، ایک ایسا اقتدار جس میں ایک پیسے کی رشوت کی گنجائش نہ ہو، جس کے اندر جس کو آج کی دنیا حق کہتی ہے، وہ باطل ہو، یہ صحیح ہے کہ غریب خوش تھے، یہ صحیح ہے کہ بیوائیں دعائیں دیتی تھیں، یہ صحیح ہے کہ یتیموں کو اس بات کا احساس نہ تھا، کہ ان کے سر پر سایہ نہیں ہے۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ برسر اقتدار جو طبقہ تھا وہ بے چینی محسوس کرتا تھا، یہ ایک طویل بحث ہے لیکن مولا علیؑ نے نہ صرف یہ کہ نظام اسلام قائم کیا، بلکہ ساری دنیا یہ کہتی ہے کہ علیؑ کے خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی خلافت راشدہ کا خاتمہ ہوگیا، دور اقتدار کا چراغ خاموش ہوگیا، جس کو دیکھ کر دنیا مبہوت رہ گئی، خدا کی قسم وہ درد میں ڈوبے ہوئے جملے، وہ کرب آمیز سخن تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی، علیؑ کے وہ جملے، آج ہم اپنی قوم کی جو حالت دیکھ رہے ہیں اس سے ہم خوش نہیں ہیں، جس میں آپ کے سوتے ہوؤں کو جھنجھوڑا ہے، خدا کی قسم، وہ درد میں ڈوبے ہوئے جملے، وہ کرب آمیز سخن، خدارا اپنی حالت پہ غور کیجئے، اپنے اختلافات کو ختم کیجئے، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کیجئے، جو کوئی دوسروں کی مدد کر سکتا ہو، وہ دوسروں کی مدد کرے، جو کسی کو سہارا دے سکتا ہو وہ سہارا دے، اور اگر آپ کسی کو سہارا نہیں دے سکتے تو سہارا نہ دیجئے، لیکن اچھے بھلے چلتے ہوئے کو دھکا دے کر گرائیے بھی نہ، کم سے کم اتنا ہی فائدہ پہنچائیے کہ آپ کی ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچے، اپنے بزرگوں کا احترام کیجئے، اپنے بچوں پر رحم کیجئے، اپنے گھریلو معاملات کو بہتر بنائیے، ننگے بھوکوں کی بھیڑ، جاہلوں، بھوکوں کے غول، جن میں کوئی تہذیب نہ ہو ایسے لاکھوں آدمی بکا ہیں تعلیم میں۔ میں ۔ میں میں میں

اٹھئے، آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے پاس چراغ موجود ہیں، آپ کے پاس روشنیاں موجود ہیں آپ اہلبیتؑ کی سیرت کو سامنے رکھئے اور اپنی قوم کی ترقی کے سلسلے میں کچھ کیجئے دیکھئے میرے ساتھیوں کی آوازیں خاموش ہو چکیں، یہ آواز بھی ہمیشہ آپ کے کانوں میں گونجتی نہ رہے گی، میں بار بار آپ کو متوجہ کر رہا ہوں، اور بار بار قومی زبوں حالی کے سلسلے میں آپ سے اپیلیں کر رہا ہوں، آج پھر کہہ رہا ہوں، ایک دن علم کے لئے کہہ چکا ہوں، آج پھر آپ کے اتحاد کے لئے کہہ رہا ہوں ایک دوسرے کے ساتھ کو آپریشن کے لئے کہہ رہا ہوں، اپنے قومی بھائی کی مدد کے لئے کہہ رہا ہوں، اپنے گھروں کے معیار کو بلند کیجئے، اپنے کریکٹر کو اسلامی بنایئے، آپ کی پناہ گاہ اسلام ہے مسلک اہلبیتؑ پر چلئے، دنیا آپ کو کچھ نہ دے پائے گی، دنیا آپ کو کچھ نہ دے پائے گی۔

میرے دوستوں! اب تو یہ حال ہے کہ پکارو تو کوئی آواز پہ آواز نہیں دیتا، میں نے اسی بمبئی میں چند مہینوں پہلے شیعہ کونسل کا جلسہ کیا قومی حالات کے سدھار کے لئے، تو میرے کہنے کے باوجود بھی میرے تیس برس کے ملاقاتی منھ چھپا کے چلے گئے، اگر آج میں ان کے نام لے لوں تو کل سے وہ مجھ سے صاحب سلامت کرنا چھوڑ دیں گے، اس لئے کہ پورا شہر انگلی اٹھائے گا، خیر چھوڑیئے، مگر میرے دل میں درد ہے، خدارا قوم کی ترقی کے لئے قوم کی فلاح کے لئے قوم کو بہتر بنانے کے لئے ہر آدمی ایک سپاہی بن کے کام کرے ورنہ ان کی جگہ ہمیں ہو جائیں گے اور ہمارے لئے یہ کوئی ریزرویشن بھی نہ ہوگا، آپ اپنی کوالٹی پیدا کیجئے، دیکھئے کوالٹی بہت تیزی سے نیچے جا رہی ہے، میں بار بار آگاہی دے رہا ہوں، میرے پاس علم ہو یا نہ ہو مگر تجربہ بہت ہے زندگی کا، خدا کے لئے اپنے معیار کو اوپر اٹھایئے جاگئے اب جاگنے کا وقت ہے، اپنا حق دوڑ کے حاصل کیجئے، کوئی آپ کا حق دے نہ آپ کے

گھر نہیں آئے گا، سیاست ہو یا کوئی معاملہ ہو، ہر فیلڈ میں دوڑ کے آگے بڑھیے، کیوں ایسا ہے کہ آپ پیچھے ہیں؟ کیوں ایسا ہے کہ ہائر سروسز میں آپ نہیں ہیں، کیوں ایسا ہے کہ سیاست کے میدان میں آپ نہیں ہیں؟

کیا ہمارے لوگ خالی پیون بننے کے لئے ہیں، آفیسر بننے کے لئے نہیں ہیں؟ اور اس کو دل کی آواز جان کر سن لیجئے، مولا علیؑ کے دور حکومت کو پڑھیے اور اس سے فیض حاصل کیجئے، وہ ایک چشمہ فیض ہے وہ ایک ابر کرم ہے، اس کے ذریعہ سے نور ملے گا، اس کے ذریعے سے علم ملے گا، اس کے ذریعے سے یقین ملے گا، اس کے ذریعے راستہ ملے گا، اللہ اللہ علیؑ نے اپنے چار سالہ دور حکومت میں اسلامی معاشرے کی جو خدمات انجام دیئے ہیں، وہ آج تک تاریخ اسلام کا ایک تابندہ ورق ہیں۔ ہم کیا مدح کریں ان علیؑ کی جنہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی جان راہ خدا میں دیدی بلکہ اپنی نسل راہ خدا میں دیدی جس نے ہر معرکہ میں اپنا سر ہتھیلی پہ رکھ کے اسلام کی خدمت کی ہو اس کے دل میں آرزوئے شہادت کتنی مچلتی تھی اس کو اگر سمجھنا ہے ہو تو یوں سمجھئے کہ علی حسنؑ و حسینؑ جیسے دو بیٹوں کی محضر شہادت کو قبول کر کے بھی اک بیٹے کی تمنا کر رہے تھے جوان کے پاس ذخیرہ ہو کیوں میرے دوستو! حیات رسولؐ میں جبرئیلؑ کے ذریعے دونوں بیٹوں کی شہادت کی خبر آچکی جبکے حسنؑ و حسینؑ جیسے دو شہزادے قربان گاہ شہادت میں جانے والے ہوں اس کا دل ابھی شہادت سے بھرا نہیں اور اپنے بھائی سے کہہ رہا ہے کہ بھائی عقیل آپ عرب کے حسب و نسب کے ماہر ہیں عرب کے خانوادوں اور خاندانوں کے ماہر ہیں آپ اک بہادر گھرانا بتایئے جہاں میں شادی کروں تو ایسا بیٹا پیدا ہو جو ذخیرہ ہو اللہ اب ذرا ایک بات اور بھی سن لیجئے کہ ماں کتنا زبردست رول کرتی ہے بیٹے کے سلسلے میں؟ میری مائیں بہنیں سنیں۔ مری بیٹماں جو ٹن

رہی ہیں ان کے اوپر ذمہ داری ہے کل کی اس لئے کہ ان کی آغوش کے پلنے والے بچے کل کی قوم بنیں گے اور اک بات مجھے کئی دن سے کھٹک رہی ہے آج وہ بھی کہہ دوں کہ جو میری بہنیں جو میری بیٹیاں مجلس میں آتی ہیں ان کو حجاب میں آنا چاہیئے اس لئے کہ مجلس عبادت ہے ہم مجلس کو سوشل گیدرنگ سمجھ کے نہیں آتے ہیں ہم مجلس کو عبادت سمجھ کے آتے ہیں یہ کون سی ضد ہے کہ ہم نجس کپڑوں میں نماز پڑھیں گے اگر نماز پڑھنا ہے تو پاک کپڑے پہن کر پڑھئے یہ کون سی ضد ہے کہ ہم تو بے وضو نماز پڑھیں گے اگر نماز واقعاً آپ کو پڑھنا ہے تو باوضو پڑھئے اور اگر نماز پڑھنا نہیں ہے ورزش کے لئے آپ مسجد میں آئے ہیں تو مسجد میں نہ آئے کسی اکھاڑے اور میدان کا رخ کیجئے تو مجلس عبادت ہے ہمارے یہاں عبادت میں جو بہنیں آئیں وہ حجاب اسلام ہی میں آئیں اور اگر کسی وجہ سے "لا اکراہ فی الدین" وہ مناسب نہیں سمجھتیں تو پھر لباس سیاہ میں بھی نہ آئیں تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ حسینؑ کے ماننے والی قوم کی فرد ہے پھر وہ کسی اور قسم کا لباس کسی اور رنگ کا لباس پہن کے آئیں کیونکہ مجلس میں ہر قوم شریک ہوتی ہے ہم کہہ دیں گے یہ کسی اور قوم کی ہوں گی آگئیں مجلس میں تو کیا ہم روک لیں گے؟ اس لئے کہ ہم یہاں بے پردگی زینبؑ کا ذکر کریں گے ہم یہاں بے ردائی اہل حرم کا ذکر کریں گے، ہم عباسؑ کی تعریف میں کہیں گے کہ زینبؑ کے پردے کا محافظ عباسؑ ہاں مرے دوستو! دور دور سے مرے پاس فرمائش آرہی ہے کہ مصائب زیادہ پڑھئے گا، آج کسی بہت دور بستی کے آدمی آکر ہم سے کہہ گئے آج آپ کی مجلس کے بعد ہی تبرکات وہاں برآمد ہوں گے تو مصائب زیادہ پڑھئے گا تو میں مصائب پڑھوں گا علیؑ کی تمنا بھیا کوئی ایسا بہادر گھرانا بتایئے جس سے ایک ایسا بیٹا پیدا ہو جو میرے بعد ذخیرہ ہو اس سے آپ سمجھے ماں کی اہمیت کہ جس بیٹے کا باپ حیدر کرار علی مرتضیٰ جیسا

شخص ہو اس پر بھی ماں کے اثرات رہتے ہیں کیا بیٹے کو بہادر بنانے کے لئے خون شیر خدا کی گرمی کم تھی جو شیر مادر کی تاثیر بھی طلب کی گئی مگر مولاؑ جو کہا تھا کربلا میں ہم نے اس کا ثبوت دیکھ لیا جو علیؑ نے کہا تھا سچ کہا تھا کربلا میں ہم نے اس کی دلیل دیکھ لی اگر لاکھوں کے نرغے سے اکیلے فرات چھین لینا خون علیؑ کی تاثیر تھی تو تین دن کی پیاس میں دریا سے پیاسے نکل آنا شیر مادر کا اثر تھا ماں نے کیا تربیت دی ماں نے بیٹے کو سکھایا کہ بیٹا! حسنؑ و حسینؑ کے غلام ہو بھائی نہیں ہو وہ آقا ہیں تم غلام ہو بیٹا شہزادی کے بیٹے ہیں ان کی والدہ رسولؐ خدا کی صاحبزادی تھیں ان کی والدہ جنت کی عورتوں کی سردار تھیں میں رسول کی دختر کی کنیز ہوں لہٰذا تم ان کے بچوں کے غلام ہو یہ سمجھایا ماں نے، تو عباسؑ پروانہ وار نثار رہے حسینؑ مدینے سے چلے تو عباسؑ سائے کی طرح ساتھ مدینے سے مکہ تک اور پھر مکہ سے کربلا تک سارے راستے آپ جانتے ہیں عباسؑ کیسے چلے؟ کبھی حسینؑ کی سواری کے پاس کبھی بہن کی عماری کے پاس بہن کی خیریت بھائی کی حفاظت اور جب کربلا آگئے تو نو راتیں رہے کربلا میں عباسؑ اور نو راتوں خیمے کے گرد ٹہلتے رہے شاید یہی وجہ ہے کہ شام غریباں میں جب عباسؑ سو رہے تھے تو زینبؑ جلی قناتوں کے گرد پہرہ دے رہی تھیں میرے دوستوں عباسؑ کے مصائب میں رویئے رو لیجئے میں کیا مصائب پڑھوں؟ آپ مجھے بتایئے کیا پڑھوں؟ ہر سال وہی مصائب پڑھتا ہوں نئے مصائب کہاں سے لاؤں میں بھی روتا جاؤں آپ بھی روتے جائیں کاہے پہ رویئے گا؟ عباسؑ کی جوانی پر رویئے گا کہ عباس کی خوبصورتی پر رویئے گا؟ کہ عباس کے بھرے بھرے شانوں کا ماتم کیا جائے، ارے سکینہؑ کا سقا زینبؑ کے پردے کا محافظ، حسینؑ کا علمدار، علیؑ کی تمنا، فاطمہؑ کا بیٹا، عباسؑ عباسؑ ہماری جانیں فدا، ہم قربان عباسؑ دشمن اکیلے عباسؑ سے دب رہا ہے کسی میں ہمت نہیں کہ دیر تک عباسؑ کو

دیکھے عجب چیز تھے عباسؑ کسی میں ہمت نہیں کہ دیر تک عباسؑ کو دیکھے اور بہتر کے لشکر کو صبح سے شام تک جو لڑایا ہے عباسؑ نے اتنی بڑی فوج سے کیا کمانڈر کی تعریف نہ ہوگی۔

روایت میں ہے کہ عباسؑ کی نظروں میں لشکر سما نہیں رہا تھا رات کو زہیرؑ بن قین سے کہا زہیر بس اتنا کرو آقا سے اجازت دلوا دو اگر اس لشکر کو کوفے کی دیوار نہ ٹکرا دیا ہائے سکینہ کا دل قوی ہوگا میرا بچا زینبؑ پیاسی تو بہت تھیں مگر مطمئن ہونگی میرا بھیا بازار شہادت گرم ہوا ایک ایک کر کے شہید ہونے لگے لوگ عباسؑ کے بازوؤں کی مچھلیاں تڑپتی ہوں گی سوچئے آپ کہ کیا گزر گئی میرے آقا پر عباسؑ پر کیا گزر گئی؟ عون و محمدؑ کے لاشے آئے اجازت نہیں عباسؑ کے بھائیوں کی میتیں آ رہی ہیں امام اجازت نہیں دیتے قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑے آئے ہیں جب کوئی نہ رہا تو عباسؑ نے کہا آقا اب میرا سینہ تنگی محسوس کر رہا ہے اب اجازت دے دیجئے حسینؑ نے عجب جملہ کہہ دیا کہ عباسؑ ایسا کرو تم تھوڑی دیر خیمے میں آرام کرو میں جا کے لڑتا ہوں تھوڑی دیر کے بعد جا کر تم لڑنا بس اتنا سننا تھا کہ عباس تڑپ گئے مولا میری زندگی میں یہ نہیں ہوگا میرے ہوتے ہوئے آپ جائیں؟ یہ نہیں ہوگا مولا ہاں عزادار میں دو تین منٹ مصائب ابھی اور پڑھوں گا کہا میری زندگی میں یہ نہیں ہوگا عباس کیا کریں حسین اجازت نہیں دیتے وقت تنگ ہے اتنے میں عباس کی مشکل کشائی کے لئے پوتی آ گئی خیمے میں چھوٹے چھوٹے بچے آگے آگے سکینہ پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھوں میں سوکھے ساغر عباسؑ کو آ کے گھیر لیا العطش العطش ہائے پیاس ارے پیاس سنئے حسینؑ نے سر جھکا یا اچھا بھیا جاتے ہو تو ان بچوں کے لئے پانی کی سبیل کرنا! لڑنے کی اجازت نہیں ہے پانی لاؤ سکینہؑ خیمے میں گئی ہوں گی اک مشکیزہ لا کے چچا کو دیا ہاں آج تک عباس کے علم میں مشک سکینہ ہے یہ چچا بھتیجی کی محبت کی نشانی آج تک قائم ہے

ارے وہ ہاتھ کٹ گئے جس میں مشک باندھی تھی کھولے کون؟ سکینہ کا مشکیزہ حسینؑ کا علم شیر لیکے دریا کی طرف چلا، تاریخ کہتی ہے فوج کائی کی طرح پھٹ گئی عباسؑ آرہے ہیں عباسؑ آرہے ہیں دریا میں گھوڑا ڈالا سوکھی مشک کو تر کیا سکینہ کی مشک بھرلی مشکیزہ کاندھے پر رکھا چلو میں پانی لیا دکھانے کے لئے پھینک دیا میرا آقا پیاسا ہے میں پانی پیوں گا؟ اب جو گھوڑے کو لیکے خیمے کی طرف چلے ساری توجہ مشک کی طرف داہنا ہاتھ کٹا بائیں سے پکڑے بایاں ہاتھ کٹا تو مشکیزے پر سینہ ٹیک دیا ہاں سن لیجے ہائے سکینہ ہائے عباسؑ ہائے پیاسے بچے ہائے حسینؑ کا علمدار، اک تیر مشک سکینہ پر لگا، عباسؑ کے دل کی طاقت جواب دے گئی، ارے مرے مولا حسینؑ نے کمر پکڑلی وا آقاہ وا عباسا۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

۹ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ نشتر پارک



مجلس عزا سے علامہ طالب جوہری خطاب فرما رہے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Must Follow the Golden Rules
as Laid down by

Imam-e-Muttaqeyan Hazrat Ali Bin Abe Talib [A.S].

to lead a successful day-to-day life.

Momin — **مومن**

مولائے متقیان حضرت علی ابنِ ابی طالب ؑ کے کلام کی روشنی میں

Trust In God اُمور میں توکل	Speak the truth گفتگو میں صداقت	Be the 1st in persenting Salam سلام میں پہل	Delay in revenge انتقام میں تاخیر	Respect The Parents والدین کا احترام
Talk Politely کلام میں ادب	Be Considerate in answering جواب میں تامل	Think in dealing affairs اُمور میں تفکر	Firm standing with the assignments کاموں میں استقامت	Be the 1st in extending goodness نیکی میں سبقت
Stand Firm In Odds مشکلات میں ثابت قدمی	Insist in obediency اطاعت میں اصرار	Justice in decision فیصلہ میں انصاف	Co-oprate in Jehad جہاد میں تعاون	Discipline in exonomy معاش میں نظم
Control of Lust شہوت میں کمی	Cleanliness in dress لباس میں پاکیزگی	Never be Proudy تکبر سے دوری	Control anger غصہ سے پرہیز	Avoid back biting غیبت سے اجتناب
Gently handle the illiterates جاہلوں سے نرمی	Love the People لوگوں سے محبت	Be Polite with Family اہلخانہ سے خوش اخلاقی	Extend gratitude to words the victims/opressed مغلوب سے فیاضی	Avoid to be a miser بخل سے پرہیز
Help the Oppressed مظلوم کی امداد	Help the needy غریبوں کی دلجوئی	Help the poor by all mans مساکین پر ایثار	Accompany Pious نیکوں کی صحبت	Fulfillment of Promise وعدہ کی وفا
Negation of ego نفس کی مخالفت	Effort in extending Sincerity خلوص کی کوشش	Be Good Host مہمان نوازی	Be kind to orphans یتیموں پر نوازش	Charity on the sport موقع پر سخاوت
Forgiveness in spite of Power قدرت کے باوجود درگزر	Serve Humanity خدمت خلق	Care the Sick بیمار کی عیادت	Express gratitude to God for His blessings نعمتوں کا شکر	Be Patient against odds مصائب میں صبر

Printed by: ADEEL PRINTERS PH: 32474848, 0313-3499211